میرے سیاسی تجزیئے

تالیف: خلیل احمد نینی تال والا

میرے سیاسی تجزیئے

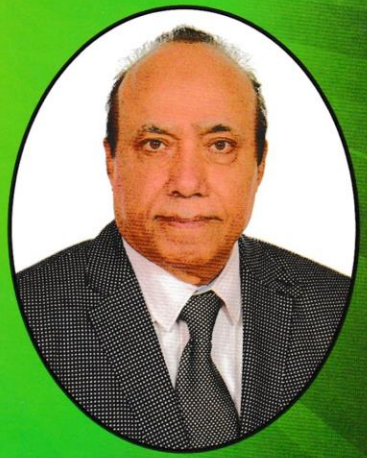

فہرست

1	ہمارے چھپے خزانے ہمارے منتظر ہیں	1
2	ایک کڑوا گھونٹ	5
3	ہم ورلڈ کپ کیسے جیتیں گے؟	9
4	کراچی کی موجودہ خطرناک صورت حال	13
5	دوہری پریشانی	17
6	ویل ڈن شاہد آفریدی ویل ڈن	21
7	دہشت گردی اور بھتہ خوری کب تک؟	24
8	محرومی کے مزید 30 سال	28
9	عوام کی مشکلات کون حل کرے گا؟	31
10	ریکارڈ درست کر لیجئے	35
11	کرکٹ ٹیم کی تنزلی کا ذمہ دار کون ہے؟	39
12	آخر جمہوری دور میں عوام کیوں پریشان رہتے ہیں؟	43
13	لوڈ شیڈنگ اور بجلی کا بحران	47
14	ماضی کے سیاسی الائنس کا انجام	51
15	نئے صوبوں کی سوچ	55
16	کاش ہم پاکستان کی افادیت کو سمجھیں!	60
17	انقلاب کی دستک	65
18	کیا سندھ میں کوئی سیاسی تبدیلی آنے والی ہے؟	69
19	کراچی میں غیر جانبدار آپریشن کی ضرورت ہے	73
20	بجلی کا بحران شدت اختیار کرنے کو ہے	77
21	بجلی کا بحران دور کرنے کا انوکھا فیصلہ	82
22	پاکستان کا دانشمندانہ فیصلہ	86
23	سندھ میں بار بار نظام کی تبدیلی کیوں؟	90

فہرست

24	عمران خان فیکٹر	94
25	نومبر کیا گل کھلا کر جائے گا؟	98
26	ایک اور قائداعظم کی تلاش	101
27	لوٹوں کی شمولیت	104
28	جوار بھاٹا	108
29	مہنگائی کا سمندر	111
30	ڈرگ ایکٹ 1976 کی بحالی	115
31	خودکشی سے خودسوزی تک	119
32	یہ چوتھا ستون کون ہلا رہا ہے؟	124
33	یہ مسائل کون حل کرے گا؟	127
34	بلوچستان کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟	131
35	مہنگائی کا سمندر	135
36	باقی سب خیریت ہے	139
37	کیا کبھی اس طرف بھی کسی نے سوچا؟	143
38	مختصر ترین کالم	147
39	پیٹرول کا مصنوعی بحران	150
40	گھوڑے سے اُترنے کا اسٹائل	153
41	کراچی پھر جل رہا ہے	156
42	قومی اسمبلی کی اسپیکر کا فیصلہ اللہ خیر کرے	159
43	عمران خان میری نظر میں	162
44	اداروں کی جنگ کیسے ختم ہوگی؟	166
45	اور 206 مور مر گئے	169
46	66واں جشن آزادی مبارک ہو	173

فہرست

47	الیکشن سے پہلے کا تجزیہ	176
48	مہنگائی کا اثر کیا عوام پر نہیں پڑے گا؟	179
49	پیٹرول کا ہفتہ واری اُتار چڑھاؤ کیوں؟	182
50	کیا آسمان سے فرشتے اُتر کر اس ملک کو بچائینگے؟	185
51	ٹی 20 کی ہار	188
52	کراچی جل رہا ہے	191
53	ارباب اقتدار کیلئے لمحہ فکریہ	195
54	پاکستان کا کیا بنے گا؟	199
55	ضمنی انتخابات یا خطرے کی گھنٹے	203
56	کالا باغ ڈیم یا پنڈورا بکس	207
57	عیسائی تہوار اور مسلمانوں کے تہواروں میں فرق	210
58	کون الیکشن کو سبوتاژ کرنا چاہتا ہے؟	213
59	لانگ مارچ سے عوام کو کیا ملا؟	217
60	ایک خواب جو بکھرنے کو ہے	220
61	فروری میں کراچی کی دہشت گردی کی پیشگوئیاں	224
62	سپریم کورٹ کا ایک اور کارنامہ	228
63	آخری پیٹرول بم	232
64	الیکشن 2013 ''ہنوز دلی دوراست''	236
65	الیکشن قوم کی آزمائش	240
66	اگلے الیکشن کی تیاری	244
67	اور الیکشن کے نتائج دھاندلیوں کی نذر ہو گئے	248
68	میاں نواز شریف کے قابل قدر اقدامات اور سیاسی فیصلے	252
69	پہلا غریب نواز بجٹ؟	256

فہرست

70	دہشت گردی کب اور کون ختم کرے گا؟	259
71	سیاسی فرینڈلی میچ پھر شروع ہو گیا	262
72	شگوفہ لطیفہ اور نصیحت	266
73	قربانی کے بغیر منزل نہیں رہزن ملتے ہیں	269
74	آہ بے چارہ کراچی	273
75	قوم کے ساتھ تیسری مرتبہ وعدہ خلافی	277
76	پاکستان کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے	280
77	یہ بیچارہ پاکستان	282
78	وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کا 25 سالہ پرانا وعدہ	286
79	وزیراعظم محمد نواز شریف صاحب پی آئی اے کی نجکاری کیسے کریں گے	290
80	شکریہ الیکشن کمیشن	294
81	ہماری تعلیمی سرگرمیاں دم توڑ رہی ہیں	298
82	نئے صوبوں کا مطالبہ	302
83	لنگڑے اور اندھے کی کہانی	306
84	دو سیاستدان ایک مستقبل	310
85	اللہ ہی جانے کون بشر ہے؟	314
86	حج اور عمرہ کی تکالیف	319
87	برف سے بنا ہوا ہوٹل	324
88	عدل اور عدلیہ کی حکمرانی	328
89	کراچی کی کرکٹ کی تباہی کا ذمہ دار کون ہے؟	332

میرے سیاسی تجزیئے

خلیل احمد نینی تال والا
آنریری قونصل جنرل جبوتی

انتساب

ان معذور بچوں کے نام جو ''دارالسکون'' کشمیر روڈ
کراچی میں ہماری توجہ کے منتظر ہیں۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس کتاب سے ہونے والی
تمام آمدنی میں نے انہی معذور بچوں کے ادارے دارالسکون
کیلئے وقف کردی ہے۔

کتاب دارالسکون کشمیر روڈ کراچی سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے

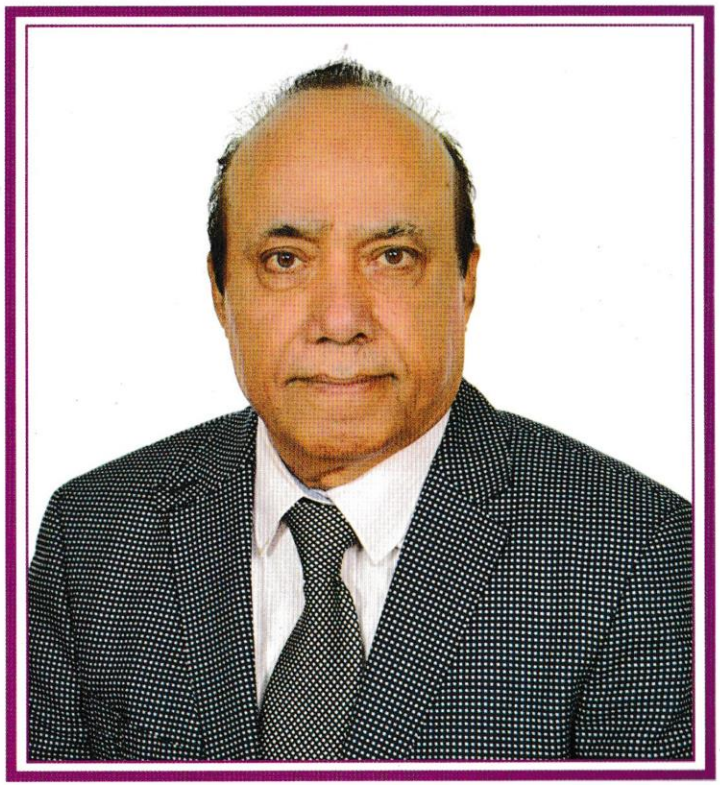

خلیل احمد نینی تال والا

پبلشر : ہمدرد پیکیجز (پرائیوٹ) لمیٹڈ

قیمت : -/500 روپے

ملنے کا پتہ : ٹچ می ہاؤس

H/1-43 بلاک 6 پی سی ایچ ایس

رازی روڈ کراچی۔ فون نمبر: 021-34536424-30

تعارف

محترم قارئین

السلام وعلیکم

گذشتہ 3 دہائیوں سے دنیا بھر کے مشہور اخبارات جس میں پاکستان کے جنگ کراچی، لاہور، راولپنڈی، کوئٹہ، لندن، وطن گجراتی، اردو نیوز جدہ، ایشیا ٹریبیون امریکہ، پاکستان پوسٹ امریکہ، بیل نیٹ کینیڈا میں میرے کالم مسلسل چھپ رہے ہیں۔ کروڑوں پاکستانی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور ہمارے وطن عزیز کی خبروں سے آگاہ رہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ میرے کالم صرف سیاست کے اردگرد نہیں گھومتے اور نہ ہی میں نے کبھی ایک جماعت کی ترجمانی کی ہے۔ میں نے کسی سیاسی جماعت کے متعلق یا اس جماعت کے سربراہ کے لئے کوئی ذاتی گوشہ نہیں رکھا بلکہ جو بھی حقیقت سامنے آئی عوام کے دل کی آواز بن کر بے لاگ تبصرہ کیا اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے من وعن تحریر کیا۔ میں نے حج اور عمرے کے موضوع پر بھی بار بار قلم اٹھایا، خامیاں، خوبیاں، کرپشن، مہنگائی، تکالیف کے خلاف کھل کر لکھا۔ چونکہ گذشتہ نصف صدی سے بھی زیادہ بشمول پاکستان دنیا بھر کے چھوٹے بڑے ممالک کی سیر کی، 100 سے زیادہ بین الاقوامی شہروں کی مسافت طے کی۔ ہوائی جہاز، ریلوے، پانی کے جہازوں کے علاوہ گاڑیوں، بسوں میں بھی سفر کیا، بہت لطف اٹھایا۔ طرح طرح کی ایجادات سے مستفیض ہوا تو عوام اور قائین کو اپنے کالموں سے آگاہی دی۔ نئی نئی ادویات جو میری نظر سے گذریں قارئین کو آگاہ کیا۔ نئی ادویات کے نسخے جو بھی ہاتھ لگے قارئین تک پہنچائے۔ دنیا بھر کے حکمرانوں کی زندگی سے پاکستان کے قارئین کو روشناس کرایا۔ ان کی اچھی بری باتیں بلاتبصرہ چھاپ دیں۔ دنیا بھر کے عجائبات جو بھی نظر سے گذرے وہ بھی تفصیل سے لکھے۔ غیر ممالک میں بسنے والے پاکستانیوں پر بیتنے والے واقعات سے لے کر ہمارے پاکستان کے مسائل بشمول دہشت گردی، مہنگائی، کرپشن، تیل، گیس، بجلی کی لوڈشیڈنگ، ہماری کرکٹ ٹیم کی کارکردگی پر بھرپور کالم لکھے اور کھل کر عوام کی ترجمانی کی۔ یہ سلسلہ تو اپنی طرف سے چل رہا ہے اور چلتا رہے گا انشاء اللہ، مگر ساتھ ساتھ اس سے ہٹ کر بھی میں نے 3 کتابیں تصنیف کی جس میں میری پہلی کتاب " کاش میں سیاست میں نہ آتا" تھی، سیاست کو میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی کہہ سکتے ہیں، جس میں ایک طرف 10 قیمتی سال ضائع ہوئے۔ لیکن میں نے پاکستان کی سیاست کا اصلی روپ دیکھا۔ تمام سیاستدان کم و بیش ایک ہی روپ میں نظر آئے۔ منافقت، مطلبی توڑ جوڑ، سیاسی مفادات اور صرف اپنی پارٹی کی کامیابی پیشِ نظر ہوتی ہے۔ پاکستان اور پاکستانی عوام کے مفادات پارٹی اور پارٹی ورکرز کے مفادات کے سامنے کچھ نہیں ہوتے تھے۔ کرپشن آج کے دور کے مقابلے تو نہیں تھی، مگر درپردہ چندوں کی شکل میں شروع ہو چکی تھیں۔ جس کو نظام مصطفیٰ تحریک نے دوام بخشا تھا۔ نظام مصطفیٰ تو نافذ کرنے میں تمام مکتبہ ہائے فکر جو صرف پاکستان، پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور حکومت کے خلاف یکجا ہوئے، ناکام ہو گئے۔ تحریک کی طوالت بھٹو مرحوم کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوئی اور ملک میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے فائدہ اٹھا کر مارشل لاء نافذ کر دیا اور جب تک وہ زندہ رہے حکومت کرتے رہے اور اس خاکی وردی میں اپنے رفقاء کے ساتھ ہوائی جہاز کے حادثے کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انہوں نے پاکستان پر بلاشرکت غیرے 11 سال حکومت کی۔ اسلام، افغانستان، ایم کیو ایم، اسلحہ، منشیات یہ سب ان کے دور کی دریافت تھیں۔ جن کو انہوں نے اپنے دور حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے خوب استعمال کیا۔ پہلی مرتبہ ڈالر کو آزاد کر دیا، جس سے ڈالر 11 روپے سے بڑھتے بڑھتے 40 روپے تک آ گیا اور مہنگائی بے لگام ہو گئی اور بعد کے حکمرانوں کے دور میں پہلے 60 روپے پھر 90 روپے اور آج 110 روپے تک پہنچ چکا ہے۔ اس کتاب میں میں نے جو جو تجزیئے اور پیشگوئیاں کی تھیں آج سب کی سب درست ثابت ہو چکی ہیں۔ یہ تمام کی تمام تحریریں اخبارات میں محفوظ ہیں، ان کو یکجا کر کے میں نے یہ 8 ویں کتاب ترتیب دی ہے۔ اس سے پہلے 3 کتابیں مختلف موضوع پر اپنے کالموں سے ہٹ کر پہلی " کاش میں سیاست میں نہ آتا" دوسری "یادِ رفتہ" اور تیسری "صوبے کیوں ضروری ہیں" اس کے علاوہ چند مخصوص کالموں پر " 4 " کتابیں "شگوفۂ نو" گردشِ ایام" حالات و واقعات" اور "نرم گرم" گذشتہ 15 سال میں لکھ چکا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ میری یہ تصنیف " میرے سیاسی تجزیئے " بھی آپ کی معلومات میں اضافہ کا باعث بنے گی اور اس کتاب کی تدوین و اشاعت میں ہمدرد کے جناب اسلم مرزا صاحب اور رضوان صاحب کا تعاون حاصل رہا ہے۔ اور اس کی تمام آمدنی حسبِ سابق روایت ادارہ دارالسکون کشمیر روڈ کراچی کے اسپیشل بچوں کے لیے وقف ہے۔

خلیل احمد نینی تال والا

﴿ ہمارے چھپے خزانے ہمارے منتظر ہیں ﴾

حکومت پاکستان آج کل چھپے ہوئے اثاثوں کی تلاش میں ہے اور اب تک 30 ارب روپے کے اثاثے وہ دریافت کرنے میں کامیاب بھی ہو چکی ہے۔ مگر اربوں روپے کمانے والے ہمارے شمالی علاقہ جات جن کو پاکستان کا سوئٹزرلینڈ کہتے ہیں وہ دلفریب و پرفضا مقامات آج بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ آج کی دنیا میں ٹورازم کا بڑا کردار ہے جس کو ہم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ آیئے آج میں ایک ایسے فرانسیسی جوڑے کا آنکھوں دیکھا حال سنانے جا رہا ہوں جو اس نے پاکستان کے دورے سے واپسی پر مجھے سنایا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ کاروبار کے سلسلے میں اکثر یورپ جاتا رہتا ہوں وہاں میرے ایک فرانسیسی دوست اکثر مجھ سے پاکستان دیکھنے کی فرمائش کرتے رہتے تھے میں ان کو ٹالتا رہتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ فرانس دنیا کا نمبر 1 ملک ہے جہاں سب سے زیادہ غیر ملکی سیاح آتے ہیں۔ جہاں دنیا کے سب سے خوبصورت سمندری ساحل ہیں اور سرد موسم میں بھی ایسے علاقے ہیں جہاں یورپ میں تو برف پڑ رہی ہوتی ہے اور ساؤتھ فرانس میں اسی طرح سورج نکل رہا ہوتا ہے تو پورا یورپ سردی میں ساؤتھ کی طرف ٹوٹ پڑتا ہے اور گرمیوں میں سرد ساحلوں پر فرانس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی ایک سے ایک شاندار ساحل سمندر، اصلی اور مصنوعی جھیلیں، تفریحی پارک، بہترین ہوٹل، ریسٹوران، سمندری بوٹیں، جہاز تقریباً ہر شہر میں موجود ہیں اس لیے میں اس فرانسیسی دوست کو ٹالتا رہتا تھا مجھے پاکستان اور فرانس کا فرق معلوم تھا کہ وہ جب پاکستان تفریح کے لیے آئے گا تو مایوس ہی ہو کر جائے گا۔ کیونکہ فرانس اور سوئٹزرلینڈ جیسے صاف ستھرے پہاڑی اور تفریحی مقامات سے بھلا پاکستان کیا مقابلہ کرے گا۔ مگر اس سال مجھے وہ بتائے بغیر دونوں میاں بیوی گرمیوں کی چھٹیوں میں کراچی پہنچ گئے اور مجھ سے کہا ان کو بتایا جائے کہ پاکستان میں کون کون سے تفریحی مقامات ہیں اب تو مرتا کیا نہ کرتا میں نے ان کو پاکستان کے

شمالی علاقہ جات جو میں نے دیکھ رکھے تھے ایک ایک کر کے بتا دیئے کہ سوات میں مینگورہ، دم، بحرین، کالام، گلیشیئر، مالم جبہ، ماہوڈنڈ، چترال، شنگریلا، اسکردو، گرم چشمہ، جھیل سیف الملوک، کاغان، کے۔ ٹو کا پہاڑی سلسلہ، بھوربن، ایبٹ آباد، ٹھنڈیانی، ایوبیہ، نتھیا گلی، اسلام آباد وغیرہ وغیرہ جو مجھے یاد تھے نقشوں کی مدد سے انہیں سمجھا کر روانہ کر دیا۔ دل میں کہا کہ جب وہ واپس جا رہے ہوں گے تو معذرت بھی کر لوں گا کیوں کہ ان دوستوں کو میں پاکستان نہیں بلانا چاہتا تھا کیونکہ بیرونی دنیا میں بھارت نے ہم کو دہشت گردی کا الزام اور پروپیگنڈے کے ذریعے بدنام کر رکھا ہے۔ پندرہ دن گزر گئے جب وہ نہیں لوٹے تو مجھے تشویش ہونا لازمی تھی کچھ شمالی علاقوں کے دوستوں کے پتے بھی میں نے انہیں دے دیئے تھے اپنا موبائل فون نمبر بھی اور تمام ضروری ٹیلی فون نمبرز دیئے تھے کہ اگر کوئی ایمرجنسی ہو تو مجھ سے یا میرے دوستوں سے ضرور رابطہ کریں۔ مگر جب 2 کے بجائے 4 ہفتے گزر گئے تو میں نے اپنے دوستوں کو فون کر کے دریافت کرنا شروع کر دیا۔ تقریباً ہر ایک نے بتایا کہ وہ ان سے مل کر آگے گئے ہیں۔ کچھ تسلی ہوئی۔ خیر سوا ماہ بعد وہ دونوں میاں بیوی کراچی واپس لوٹے تو بڑے ہشاش بشاش اور خوش دکھائی دیئے۔ میں سمجھا کہ مجھ سے روایتی خوش مزاجی سے کام لے رہے ہیں۔ مگر وہ زبردست شکر گزاری کا مظاہرہ کر رہے تھے ان کی زبانی سنیے کہتے ہیں کہ جب ہم پاکستان روانہ ہو رہے تھے تو ان کے تمام دوست کہتے تھے کہ پاکستان میں دہشت گردی عام ہے وہاں بھلا فرانس سے کیا مقابلہ جو تم پاکستان جانا چاہتے ہو۔ مگر آج جب ہم پورا پاکستان گھوم کر صحیح سلامت واپس آ گئے ہیں یہ صرف اخبارات کا پروپیگنڈہ ہے جس کا ہماری حکومت کو توڑ کرنا چاہیے۔ اگرچہ انہیں کہیں کہیں ٹوٹی سڑکوں اور معمولی بسوں سے زحمت اٹھانا پڑی مگر وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا شمالی علاقہ جنت سے کم نہیں۔ اگرچہ فرانس صاف ستھرا ضرور ہے مگر وہاں کی فضائیں آلودگی سے بھری ہیں جبکہ پاکستان کے علاقے صاف و شفاف آب و ہوا سے

بھرپور ہیں۔ یہاں آکسیجن ہی آکسیجن ہے۔ لوگ بہت ہمدرد اور مہمان نواز ہیں ہم کو کوئی دقت پیش نہیں آئی البتہ انگریزی زبان ضرور رکاوٹ تھی کیونکہ پس ماندہ علاقوں میں لوگ انگریزی زبان نہیں جانتے مگر پھر بھی مطلب سمجھ کو ہم کو راستہ بتا دیتے تھے اتنا سستا ملک ہے کہ ہم نے دو ہفتے کے اخراجات کا جو تخمینہ لگایا تھا وہ ڈیڑھ ماہ میں بھی خرچ نہیں ہوا کھانا، پینا اور ہوٹل بھی بہت سستے تھے۔ ہمارے بجٹ کا آدھے سے زیادہ پیسہ بچ گیا ہے اور اتنے علاقے ہم نے گھومے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اگر حکومت پاکستان صرف ان علاقوں تک پہنچنے کے لیے سڑکیں اور ٹرانسپورٹ کا بندوبست کر دے۔ ساتھ ساتھ غیر ممالک میں ٹورازم کے پمفلٹ اور پبلسٹی کر دے تو لاکھوں سیاح آسکتے ہیں مگر افسوس جب ہم فرانس سے چل رہے تھے تو پاکستان کے متعلق کوئی معلوماتی ویب سائٹ تک نہیں ہے۔ جبکہ ہر بھارتی سفارت خانے میں درجنوں پمفلٹ ہم کو دیئے گئے تھے اور دو سال قبل وہ بھارت کا بھی تفریحی دورہ کر چکے ہیں۔ اگر موازنہ کیا جائے تو پاکستان کے شمالی علاقہ جات ان کے پہاڑی علاقوں سے کہیں بہتر ہیں۔ صاف ستھرے اور انتہائی سستے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر صرف K2 کی پہاڑیوں کا سلسلہ فرانس میں ہوتا اور K2 کا پہاڑ فرانس میں ہوتا تو اربوں ڈالر ہم صرف اس پہاڑ سے کما لیتے۔ نہ جانے کیوں پاکستان کی حکومت اتنے بڑے پہاڑ کو نظر انداز کر رہی ہے جبکہ یورپ میں تو ٹیڑے مینار کو دیکھنے لاکھوں سیاح پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا کا سب سے بلند ترین پہاڑ جو دنیا کا سب سے بڑا عجوبہ بھی ہے۔ ہمارا سیاحت کا نکمہ کہاں سو رہا ہے۔ ہمارے سفارت خانے کیا صرف عیاشی اور تنخواہیں وصول کرنے کے لیے کھولے گئے ہیں۔ کیا ہم ان علاقوں کو سجا سجا کر دنیا میں پبلسٹی کر کے لاکھوں سیاحوں کے لیے تفریح کا سامان پیدا نہیں کر سکتے۔ اس چھپے ہوئے خزانوں کو کیوں کام میں نہیں لاتے جو ایک طرف سیاحوں کی جنت بنے گا دوسری طرف غیر ملکی کرنسیوں کی ریل پیل کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں کی غربت اور جہالت ختم ہو گی۔

میری موجودہ حکومت سے درخواست ہے کہ فوری طور پر اس فرانسیسی جوڑے نے جو ہماری آنکھ کھولی ہے اس سے فائدہ اُٹھا کر ہنگامی بنیاد پر سڑکیں، ٹرانسپورٹ، اچھے اچھے ہوٹل اور ریسٹوران کھولے جائیں اور غیر ممالک میں اس کی تشہیر کر کے اس کو کیش کرایا جائے۔ اگر سیاح ہمارے ملک آنے لگے تو واپس جا کر اسی فرانسیسی جوڑے کی طرح دیگر لوگوں کو پاکستان کی طرف راغب کریں گے۔ جب وہ واپس جا رہے تھے تو میری آنکھوں میں چمک اور خود اعتمادی کی لہر دوڑ رہی تھی اور مجھے قائد اعظم کا وہ تاریخی جملہ یاد آرہا تھا کہ پاکستان دنیا کی سرزمین پر جنت کا ٹکڑا ہے جس کے اندر اور باہر خزانے دفن ہیں۔ ہم نے اس سے فائدہ اُٹھانا ہے۔ مگر افسوس 64 سال گزرنے کے باوجود زمین میں دفن خزانے ہم نہیں نکال سکے اور نہ ہی زمین کے اوپر کی جنت سے فائدہ اُٹھا سکے۔

ایک کڑوا گھونٹ

18 مارچ 1967ء میں سب سے پہلے پاکستان سے باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ خالص کاروباری سفر تھا اُس زمانے میں پاکستان میں پاسپورٹ حاصل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ البتہ ان دنوں آج کی طرح ویزوں کا اصول بہت آسان تھا۔ صرف امریکہ، یورپ میں، سوئیٹزرلینڈ، تمام سوشلسٹ کمیونسٹ ممالک میں جانے کے لئے ویزے لیے جاتے تھے۔ بقایا 97 فیصد آن ارائیول ویزے ملتے تھے۔ لہٰذا بہت نزدیک سے مشاہدات ہوتے تھے۔ جگہ جگہ کی تہذیب، ثقافت، تمدن، زبان، مذہب، رہن سہن، کھانے، کرنسیاں، مہنگائی کی شرح، تعلیم غرض پوری دنیا سے با آسانی واقفیت ہو جاتی تھی۔ یورپ، امریکہ وغیرہ میں تعلیم وتہذیب بہت نمایاں ہوتی تھیں جو آج بھی ہے، البتہ جاپان، کوریا، ہانگ کانگ میں تعلیم وتہذیب میں بہت مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔ اُس زمانے میں ہماری تعلیم بہت سست رفتاری سے بڑھ رہی تھی، مگر ہماری کرنسی یعنی روپیہ ڈالر کے مقابلے میں 5 روپے سے بھی کم تھا، ہم کسی کے مقروض بھی نہیں تھے اور اسلحہ ومنشیات سے ہم کوسوں دور تھے۔ ایک نمایاں فرق یورپ اور امریکہ میں انسانوں کے ساتھ ساتھ، پرندوں، چرندوں، درختوں کے حقوق، خصوصاً خواتین کے ساتھ بھی مردوں کی طرح برابر کے حقوق تھے جو آج بھی بہت نمایاں ہیں۔ اب تو ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے بین الاقوامی طور پر بھی قوانین متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ ادارے بھی معروض وجود میں آچکے ہیں۔ ہمارے یہاں قوانین میں تو شامل کر دیئے گئے ہیں مگر عملی طور پر ہم بہت پیچھے جا رہے ہیں۔ درختوں، پرندوں اور جانوروں کے حقوق کی حفاظت تو ایک طرف، ہمارے ہاں تو خواتین کو آج بھی دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ گذشتہ سال راقم کو لندن میں اپنے ایک دیرینہ دوست سے ملنے کا اتفاق ہوا جو پاکستان سے 70 کی دہائی میں انگلینڈ پڑھنے گیا پھر وہیں سیٹل ہو کر رہ گیا۔ پرانی واقفیت کی وجہ سے اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی

تھی۔ پچھلے سال انہوں نے ایک پوش علاقے میں بڑا مکان خریدا تھا، وہ اپنے صاحبزادوں کی شادی کرانے میں مصروف تھے۔ نیا مکان اگرچہ پہلے والے مکان کے مقابلے میں بڑا تھا مگر وہ دو اضافی کمرے بنانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے ایک بہت بڑا درخت پہلے سے بنے ہوئے مکان کی عمارت سے ملحق تھا۔ یورپ میں 3 کیٹگری کے درخت ہوتے ہیں۔ ایک بہت چھوٹے جن کو آپ تراش سکتے ہیں، دوسرے درجے کے درخت آپ اجازت سے کٹوا سکتے ہیں وہ صرف اس علاقے کی کاؤنٹی کے مجاز افسران ہی کاٹ سکتے ہیں۔ تیسرے درجے پر لسٹیڈ یعنی بہت بڑے پرانے درخت جو صدیوں پرانے ہوتے ہیں ان کو کاٹنا غیر قانونی ہوتا ہے۔ اس پر سزا کے ساتھ ساتھ بہت بڑے جرمانے بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے دوست اس درخت کی وجہ سے بہت پریشان تھے، ایک سال تک کاؤنٹی والوں کو اپنی ضرورت بتاتے رہے، مگر کاؤنٹی والوں نے اس پرانے درخت کی کانٹ چھانٹ کو بھی منع کر دیا۔ جس کی وجہ سے مکان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ باوجود اس امر کے کہ درخت گھر کی چار دیواری میں تھا، بہت قانونی خط وکتابت کی مگر کاؤنٹی نے اجازت نہیں دی۔ یورپ میں مکان بہت آسانی سے قرضے میں 20 تیس سال کے مارگیج میں مل جاتا ہے مگر درختوں کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے۔ اس مرتبہ حسب عادت ملنے گیا تو وہ مکان کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے، درخت بھی نہیں تھا۔ بہت تعجب ہوا کاؤنٹی نے کیسے اجازت دے دی۔ معلوم ہوا ایک رات لندن میں بہت زوردار بارش ہوئی، ساتھ ساتھ آندھی کے جھکڑ بھی چلے اور صبح 7 بجے یہ درخت آندھی کا زور برداشت نہ کر سکا اور جڑ سے اکھڑ کر گر گیا۔ میرے دوست نے پولیس اور ریسکیو ورکرز کی مدد سے درخت اٹھوایا۔ خوش قسمتی سے جب درخت گرا تو سب سوئے ہوئے تھے۔ محلے والوں نے بھی گواہی دی کہ درخت قدرتی طور پر گرا ہے، تب جا کر تعمیر کی اجازت ملی۔ اندازہ لگائیے ہمارے ملک میں تو درخت کاٹنا تو معمولی بات ہے مگر ترقی پذیر ممالک میں ان کی حفاظت

انسانوں ہی کی طرح کی جاتی ہے۔ایک مرتبہ میں ایک غیر ملکی دوست جو جرمنی میں رہتا تھا چند دن اس کے گھر میں قیام پذیر تھا۔ان سے رنگ برنگی خوبصورت چڑیا پال رکھی تھیں۔ایک رات 2 چڑیا ں آپس میں لڑ پڑیں ایک کی چونچ ٹوٹ گئی۔صبح جب وہ دانے ڈالنے گیا تو اُس نے زخمی چڑیا کو دیکھا تو وہ دفتر جانے کے بجائے چڑیا کو پنجرے سمیت پرندوں کے ہسپتال لے گیا۔واپسی پر اس نے خوشی خوشی بتایا کہ ڈاکٹر نے اس کی چڑیا کا آپریشن کر کے اس کی جان بچا دی۔اس میں اس کا آدھا دن صرف ہوا اور تقریباً 50 ڈالر لگے۔میں نے اس سے کہا کہ ایک چڑیا تو چند ڈالر میں آجاتی ہے،وہ اس چڑیا کو اُڑا دیتا اور نئی چڑیا 50 ڈالر میں تو 10 پندرہ مل جاتیں۔اُس دوست نے مجھے بڑے غصے سے دیکھ کر کہا کہ تم جان کو دولت میں تولتے ہو،تم کیسے انسان ہو تمہارے نزدیک ایک چڑیا کی جان جان نہیں ہے،میں واقعی بہت شرمندہ ہوا کہ میں نے کیوں ایسا کہا۔اسی طرح ایک رات کینیڈا میں باہر کھانا کھا کر گھر تقریباً آدھی رات کو لوٹ رہے تھے کہ ایک سڑک پر ٹریفک جام تھی معلوم ہوا کہ سڑک پر ایک ہرن کھیتوں سے نکل کر گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔پولیس کی گاڑیاں معہ ایمبولنس اس جنگلی ہرن کی جان بچانے کی کوشش کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ پولیس والے گاڑی کے ڈرائیور سے یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ تیز رفتاری سے تو نہیں گزر رہا تھا۔اس سڑک پر ہرن کے گزرنے کا بورڈ لگا ہوا تھا۔جہاں ایسا بورڈ لگا ہو تو گاڑی آہستہ چلائی جاتی ہے۔اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ڈرائیور کی لاپرواہی تھی تو اس کو سزا ہو سکتی ہے۔سوچئے ایک وہ لوگ ہیں جو درختوں، پرندوں، چرندوں کی جان کو جان سمجھتے ہیں اور ایک ہم مسلمان آج تک اپنے ہی مسلمان بھائی کی جان مسلکوں کی بھینٹ چڑھا کر جنت کے حقدار بن رہے ہیں۔آج ہم اخلاقی پستی میں مبتلا مسلمانوں کو بدنام کر کے دہشت گرد بن چکے ہیں۔اسلام جو سب سے زیادہ امن کا پیغام دیتا ہے، آج سب سے زیادہ سفاک مذہب بن چکا ہے۔ایک ہی دھماکے میں بیسیوں معصوم جانیں لینے

میں کوئی عار نہیں سمجھتے بلکہ مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔کاش ہم سوچیں کہ اس لئے ہم نے پاکستان بنایا تھا۔

﴿ ہم ورلڈ کپ کیسے جیتیں گے؟ ﴾

پچھلے ہفتے ICC نے ہمارے تین کرکٹرز سلمان بٹ، محمد آصف اور محمد عامر پر اسپاٹ فکسنگ کا فیصلہ سنایا جس میں انہیں 10، 7 اور 5 سال تک کرکٹ کھیلنے پر پابندیاں عائد کر دیں۔ اگر چہ اس فیصلے سے پاکستانی ٹیم کو زبردست دھچکا لگا ہے۔ خصوصاً نوجوان بولر محمد عامر تو ورلڈ کپ کا ہیرو بھی بن سکتا تھا اور پاکستان ورلڈ کپ بھی جیت سکتا تھا مگر افسوس ہمارے نوجوان کھلاڑی راتوں رات ملی شہرت برداشت نہیں کر پاتے اور جوئے جیسی علت میں گرفتار ہو کر اپنا مستقبل تاریک بنا ڈالتے ہیں۔ ماضی میں میچ فکسنگ تو فیشن بن گئی تھی مگر جب سے ICC نے اس کے خلاف اعلان جنگ کیا تو اس میں بہت حد تک کمی تو آ گئی مگر ختم پھر بھی نہیں ہو سکی۔ اگر چہ دوحہ میں ICC نے فیصلے کی تفصیلات جاری کر دیں جو 102 صفحات پر مشتمل ہیں مگر جمعرات کو میرے ایک کالم نگار بھائی حامد میر نے سب جھوٹ ہے کے عنوان سے ان بدنام زمانہ کرکٹرز کے حق میں کالم لکھ کر جس میں تینوں کی طرف سے صفائی پیش کر کے قوم کو حیران کر دیا اور ڈیڑھ لاکھ پاؤنڈز جو ڈیو میں صاف گڈیوں کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔ آئس پارلر کے 15 ہزار پاؤنڈ ثابت کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ برطانیہ میں 50، 100 اور 500 پاؤنڈ کے نوٹ چلتے ہیں تو اتنی بڑی گڈیاں کیسے دی اور لی جا سکتی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ 100 اور 500 کے نوٹ برطانیہ میں ہوتے ہیں نہیں اگر 15 ہزار ڈالر کی رقم ہوتی تو اس کے لیے 3 گڈیاں 50 کے نوٹوں کی کافی ہوتیں۔ تعجب تو اس بات پر بھی ہے کہ مظہر مجید نے ویڈیو کیسے بنائی؟ کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔ خود سلمان بٹ نے 50 ہزار پاؤنڈ کا تو اعتراف بھی کیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ بہن کی شادی کی خریداری کیلئے پاکستان سے ساتھ لایا تھا۔ شاید سلمان بٹ یہ بھی بھول گیا کہ برطانیہ میں 5 ہزار سے زائد رقم لانے پر ائیر پورٹ پر ڈیکلریشن کی پابندی بھی ہے جو اس نے اس قانون کی خلاف ورزی بھی کی تھی۔

آئس کریم پارلر کا اعتراف تو سلمان بٹ نے کیا تھا اور اس موقع پر تینوں کے چہرے ندامت سے جھکے ہوئے تھے اور اپنے ساتھیوں سے ان تینوں نے اعتراف بھی کیا تھا کہ ان سے شدید غلطی ہو گئی تھی کہ وہ بکی کے لالچ میں آ گئے اور نقد رقم وصول کر لی۔ افسوس تو قوم کو ہوا، پاکستان کی پوری دنیا میں بدنامی ہوئی اور صرف پابندیاں ہی لگیں جس سے ان کی آمدنی بند ہو گئی۔ ان تینوں کو جیل کی ہوا کھلائی جانی چاہیے تھی تب جا کر ان کو اور آنے والے جواری کھلاڑیوں کو سبق ملتا خصوصاً جوا کھلانے والے بکیوں کو تو آج تک کوئی سزا نہیں ہوئی وہ تو دن دہاڑے کھلاڑیوں کو ورغلاتے ہیں اور اپنا کاروبار چلاتے ہیں اگر ہم نے کھیل سے جواء ختم کرنا ہے تو دیگر ممالک کی طرح سخت سے سخت قوانین بنانے چاہیں تا کہ کسی کو جرات نہ ہو۔ میرے کالم نگار بھائی نے لکھا ہے کہ تینوں کو کوئی صفائی کا موقع نہیں دیا گیا جبکہ ICC کے تفصیلی فیصلے میں لکھا ہے کہ سلمان بٹ کی طرف سے چار گواہ پیش ہوئے، محمد آصف کی طرف سے ایک گواہ پیش ہوا البتہ محمد عامر کی طرف سے کوئی گواہ پیش نہیں ہوا۔ سب کو ICC نے صفائی کا موقع دیا اور پھر جا کر ان تینوں کے خلاف متفقہ فیصلہ صادر کیا جس میں ان کے موبائل فونز کا ریکارڈ بھی شامل ہے۔ اگر بات صرف آئس پارلر کی رقم کی ہوتی تو باقی دونوں یعنی محمد آصف اور محمد عامر کے پاس سے رقوم کیوں برآمد ہوئیں۔ افتتاح تو صرف سلمان بٹ نے کیا تھا وہ بھی صرف 15 ہزار کے عوض ہوا تھا بقایا رقوم کہاں سے آئیں۔ اس میں تو بورڈ کے دیگر عہدیداران کا بھی قصور تھا جنہوں نے مظہر مجید کو کھلاڑیوں سے دن دہاڑے اور راتوں کے سائے میں ہوٹل میں آنے جانے دیا۔ انہوں نے کیوں نہیں روکا جس سے بکیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اب تو اسکاٹ یارڈ لینڈ نے ان تینوں کھلاڑیوں کے خلاف تمام ثبوت بھی جمع کر لیے ہیں اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ خصوصاً اب بکی بھی نہیں بچ سکے گا۔ قوم کو ایک مزید صدمہ سہنا پڑے گا جب ان کھلاڑیوں کو برطانیہ میں جیل کی سزائیں سنائی جائیں گی۔ ابھی تو وہ

صرف کھیلنے کی پابندیوں کو نہیں جھیل سکے جیل جانے پر پاکستان کی بدنامی کیسے جھیلیں گے۔سچ بات تو یہ ہے کہ اس میں ہمارے بورڈ کے سربراہ ایک لمحہ کیلئے بھی شرمندہ نہیں ہوئے۔غیرت نام کی کوئی چیز ان میں نہیں پائی جاتی اگر ایک فیصد بھی غیرت ہوتی تو وہ استعفیٰ دے دیتے۔قوم کے واویلے اور میڈیا سے ان کے خلاف چلنے والی تحریکیں بھی اقربا پروری کی آڑ میں دم توڑ گئیں۔کروڑوں روپے کے لالچ میں وہ آج بھی ڈھٹائی سے ڈٹے ہوئے اپنی صفائیاں پیش کر رہے ہیں۔اب میں ورلڈ کپ کی طرف قوم کی توجہ دلاتا ہوں۔اس میں بھی بورڈ اور کپتان نے ماضی کی طرح اپنی من مانیاں کیں مثلاً آخری وقت میں جب سہیل تنویر کو ان فٹ ہونے پر ڈراپ کیا تو نوجوان کھلاڑی تنویر احمد جس کا تعلق کراچی سے ہے اس کو ماضی میں کراچی کے عوام کے شور اور احتجاج کرنے پر ٹیم میں شامل کیا تھا اس کو کھلانا چاہیے تھا جس نے 2009 اور 2010ء میں سب سے زیادہ وکٹیں لی تھیں۔ماضی میں ٹیم میں صرف شامل کیا مگر کھلایا پھر بھی نہیں اس کی جگہ ایک نئے کھلاڑی جس کا تعلق دوسرے صوبے سے ہے ٹیم میں شامل کیا گیا جس کا کوئی تجربہ بھی نہیں ہے۔راقم نے بار بار لکھا ہے کہ بورڈ میرٹ کے بجائے صوبہ پرستی اور اقربا پرستی، ذاتی پسند سے کرکٹ کا بیڑہ غرق کرتا رہا ہے۔ہمارے کراچی کے لڑکے جن میں خرم منظور، تنویر احمد، خالد لطیف، شاہ زیب حسن اور محمد سمیع جن کا ریکارڈ سب کے سامنے ہے۔200 رنز کی اننگ کھیل کر بھی گھر بیٹھے ہیں اور ناکام کھلاڑی جن کی وجہ سے ہم مسلسل ہارتے رہے آج وہ ورلڈ کپ کھیلنے جا رہے ہیں۔قوم کب تک انکے خلاف سازشیں جھیلتی رہے گی میرٹ کا گلہ گھونٹتے ہوئے دیکھتی رہے گی۔آج صرف کراچی کا کپتان شاہد آفریدی اور اسد شفیق ٹیم کا حصہ ہیں۔ریکارڈ کے مطابق اگر ٹیم میرٹ پر سلیکٹ ہوتی تو کم از کم خرم منظور، تنویر احمد اور خالد لطیف شامل ہوتے مگر ان کو موقع ہی نہیں دیا گیا۔پاکستان کی 52 سالہ قائداعظم ٹرافی کے ریکارڈ کو اگر سامنے رکھا جائے تو کراچی نے 38 ٹورنامنٹ کھیلے ہیں جس میں وہ

19 مرتبہ جیتی ہے، 9 مرتبہ رنر اپ رہی ہے اور 14 مرتبہ اسکو دیگر ناموں سے کھلایا گیا گویا قومی ٹیم کا آدھا حصہ کراچی والوں کا بنتا ہے اور اگر ان مستحق کھلاڑیوں کو آزمایا جاتا تو ہم کئی اعزازات جو ماضی میں کراچی کے کھلاڑیوں نے دلوائے تھے جن میں جاوید میانداد، سعید انور، توصیف احمد، اقبال قاسم، راشد لطیف، معین خان، محسن حسن خان، محمد برادران اور پاکستان بننے کے 25 سال تک تو کم از کم 8 سے 10 کھلاڑیوں کا تعلق کراچی سے ہوتا تھا وہ ریکارڈ نکلوائیں تو معلوم ہوگا کہ کراچی کے لڑکوں نے کتنے اعزازات دلوائے اگر میں یہ کہوں کہ اکلوتا ورلڈ کپ جو ہم نے جیتا تھا اس میں سے اگر جاوید میانداد کی کارکردگی کو نکال دیں تو وہ ورلڈ کپ بھی ہمارے حصے میں نہیں آتا۔ہم زخمی اور نیم فٹ شعیب اختر کو تو کھلانے کا رسک لے لیتے ہیں مگر صحت مند تنویر احمد کو چانس نہیں دیتے کیونکہ وہ کپتان کا پسندیدہ نہیں ہے۔کیسے ورلڈ کپ جیتیں گے کیا صرف قوم کی دعاؤں سے؟

﴿کراچی کی موجودہ خطرناک صورت حال﴾

تین سال سے پی پی پی کی حکومت میں ایم کیوایم کولیشن پارٹنر ہے مگر ہر دو تین ماہ بعد اس میں دراڑیں ڈال دی جاتی ہیں خصوصاً صوبائی وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا صاحب ایم کیوایم کے خلاف تلخ زبان استعمال کر کے ایم کیوایم کو ناراض کر دیتے ہیں، دونوں طرف سے بیان بازی شروع ہو جاتی ہے۔ وزراء استعفیٰ کی دھمکیاں دے دیتے ہیں۔ فوراً صدر آصف علی زرداری صاحب بیچ بچاؤ کرنے کے لیے میدان میں آجاتے ہیں اور مرکزی وزیر داخلہ رحمٰن ملک کراچی میں کورز اور ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی سے رابطہ کرتے ہیں۔ کبھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور کبھی رحمٰن ملک کو مزید وضاحت کیلئے ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین کو لندن جا کر قائل کرنا پڑتا ہے۔ الطاف بھائی رابطہ کمیٹی کو سیز فائر کروا دیتے ہیں۔ کچھ ماہ امن وامان سے گزر جاتے ہیں پھر کوئی نیا بیان ذوالفقار مرزا کی طرف سے میڈیا یا اسمبلی کے فلور سے جاری ہو جاتا ہے کہ ایم کیوایم پھر سیخ پا ہو کر الگ ہونے کی باتیں کرتی ہے۔ آج کل ایسا ہی میدان کارزار میں دونوں پارٹیاں گتھم گتھا ہیں۔ خاص کر ذوالفقار مرزا کا امن کمیٹی کو پی پی پی کی ذیلی تنظیم تسلیم کرنا کشیدگی کو انتہا تک پہنچا چکا ہے۔ کسی بھی وقت ایم کیوایم علیحدگی کا اعلان کرنے والی ہے۔ ہمارے رحمٰن ملک پھر لندن روانہ ہو چکے ہیں فیصلہ اب صرف قائد تحریک الطاف حسین کے ہاتھ میں ہے۔

راقم نے اس سے بیشتر بھی کئی کالموں میں کراچی کی مخدوش صورتِ حال کا تجزیہ پیش کیا تھا جس میں کراچی کا بٹوارہ ہو چکا ہے۔ ایم کیوایم اصولی طور پر کراچی کو اپنا شہر قرار دیتی ہے دوسری طرف اے این پی پختونوں کا سب سے بڑا علاقہ بتاتی ہے مگر مرکز میں اس شہر سے کوئی سیٹ نہیں ہے۔ پی پی پی صوبے کی سب سے بڑی جماعت ہو کر بھی آج تک صرف دو سیٹوں پر ہی قائم ہے۔ پی پی پی کی امن کمیٹی جس کو پی پی پی والے اپنی ذیلی تنظیم کہتے ہیں دراصل وہ وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کی تخلیق

سمجھی جاتی ہے جس کو شہر میں ہر قسم کی کھلی آزادی دی گئی ہے۔ وہ شہر کراچی میں جگہ جگہ اپنے مورچے قائم کر چکی ہے جس سے بعض پی پی پی کے وزراء بھی ڈرتے ہیں اور اپنے اپنے علاقوں میں عوام میں کھل کر نہیں جا سکتے اور نہ عوام سے ان کا رابطہ ہے۔ ماضی میں نبیل گبول نے اس امن کمیٹی کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر مرکزی وزارت سے استعفیٰ بھی دیا تھا بعد میں وزیر اعظم نے ان کو منا کر خاموش کر دیا حقیقت یہ ہے کہ پی پی پی کا ایک انتہا پسند طبقہ ایم کیوایم کی شمولیت کا شروع سے ہی مخالف ہے اور وہی بیان بازی کر کے اس اتحاد کو توڑنے میں مصروف رہا ہے جس کی حالیہ مثال جب وزیر داخلہ سندھ اسمبلی میں داخل ہوئے تو ڈیسک بجا کر ان کا خیر مقدم کیا گیا جبکہ ایم کیوایم نے اسمبلی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے اور وزیر داخلہ رحمٰن ملک لندن پہنچ چکے ہیں۔ ایسی کیا حکمتِ عملی ہے کہ صدر زرداری اس کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں تو پھر لوگ اس آگ کو مزید کیوں ہوا دے کر بھڑکانا چاہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اسپیکر سندھ اسمبلی جناب نثار کھوڑو صاحب جو بہت سلجھے ہوئے سیاست دان ہیں ایم کیوایم کو خود منا کر اسمبلی میں لے آتے مگر اس کے برعکس شیر کراچی کا خطاب دے کر وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کی پیٹھ ٹھونکی گئی جس سے ایم کیوایم کی سبکی کا پہلو بنتا ہے اور مزید فاصلے بڑھنے کا سبب بنیں گے۔ یہ بات بہت دلچسپ اور عجیب ہے کہ وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کسی کی ایماء پر ایسے بیان دیتے ہیں جس کی تائید سندھ کے وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ صدر زرداری ہر موقع پر ایم کیوایم کے خلاف بیان بازی بند کرنے کی بار بار ہدایت کرتے ہیں اور وزیر اعظم گیلانی بھی ایم کیوایم سے علیحدگی پسند نہیں کرتے وہ بھی مسلم لیگ (ن) سے علیحدگی کا زخم کھائے بیٹھے ہیں مزید علیحدگی سے پی پی پی کی بدنامی کے ساتھ ساتھ کراچی والوں کی ناراضگی کا عنصر بھی انہیں پریشان کیے ہوئے ہے۔ دوسری طرف ایم کیوایم بھی علیحدگی سے خائف ہے کیونکہ اس کو بیک وقت دو مورچوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ ایک اے این پی جو ابھی تک سندھ میں پی پی پی کی پارٹنر

ہے دوسرا امن کمیٹی بھی لڑنے مرنے پر تیار بیٹھی ہے۔جس سے شہر کا امن وامان بہت بُری طرح متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ لسانی فسادات کا بھی خطرہ بڑھ رہا ہے جس سے عام شہری بھی متاثر ہو نگے۔مرکزی پالیسی دوسری ہے جبکہ صوبائی پالیسی میں کشیدگی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔کراچی کے شہری پہلے ہی مہنگائی، لاءاینڈ آرڈر، بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ اور بھتہ خوری سے پریشان ہیں۔ اب اگر اس شہر میں کشیدگی پیدا کی گئی تو ملکی معیشت جو پہلے ہی خطرے کے الارم سے دوچار ہے ہمارے وزیرِخزانہ پہلے ہی وارننگ دے دے کر تھک چکے ہیں اس نئے خطرے کو برداشت نہیں کر سکے گی۔اس وقت بڑے بڑے ممالک عوام کو مراعات دینے پر تلے ہوئے ہیں بڑے بڑے تخت ہل چکے ہیں بقایا کے نیچے سے زمین سمٹ رہی ہے نہ جانے ہمارے حکمران کیا سوچ کر مسئلہ کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ابھی وہ عوام کے غصہ سے واقف نہیں ہیں ۔کسی بھی وقت یہ لاوا پھٹ کر سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔خدارا عقل کے ناخن لیں اور عوام کے جذبات سے نہ کھیلیں۔

ابھی ایم کیو ایم اور پی پی پی کی محاذ آرائی جاری تھی کہ سپریم کورٹ نے نیب کے سربراہ جسٹس دیدار حسین شاہ کو جنہوں نے ماضی میں پی پی پی کی طرف سے الیکشن لڑا تھا سیاسی وابستگی کی وجہ سے معزول کر دیا۔پی پی پی سندھ کی طرف سے اس کے خلاف مزحمت کا اعلان ہوا اور جمعرات کو ان کے کورکنوں نے ہنگامہ آرائی کی جس کی آڑ میں دہشت گردوں نے 9 انسانوں کی جان لے لی اور 10 بسیں جلا دیں۔جمعہ کو ہڑتال بھی کروا ڈالی۔اب یہ ایک نیا محاذ بھی کراچی کے شہریوں کیلئے مشکلات پیدا کرے گا اور دہشت گرد اس کی آڑ میں اپنے گھناؤنے کھیل کھیلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔حکومتِ سندھ کو چاہیے کہ اس کا سدِباب کرے۔

﴿دوہری پریشانی﴾

آج کل پھر ملک بھر میں گاڑیوں کے چھیننے کی وارداتوں میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف کراچی میں 16 سے 20 گاڑیاں اور 20 سے 25 موٹر سائیکلیں روزانہ چھینی جارہی ہیں۔اگرچہ پولیس کے ذرائع کا کہنا ہے کہ موجودہ حکومت کے آنے سے ان وارداتوں میں بہت کمی ہوچکی ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے،البتہ جب یہ حکومت برسرِ اقتدار میں آئی تھی تو بے شک چند ہفتے عافیت کے ضرور گزرے تھے مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا حالات پھر سے پرانی نہج پر جاتے گئے اور اب تو دن دہاڑے گن پوائنٹ پر گاڑیاں چھیننا فیشن بنتا جارہا ہے اور سب سے زیادہ وارداتیں کراچی میں ہوتی ہیں۔اس کے دو وجوہات ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ کراچی کے لوگ زیادہ تر گاڑیاں انشورڈ کرواتے ہیں لہٰذا وہ مزاحمت نہیں کرتے۔اس طرح گاڑی با آسانی چھینی جاتی ہے دوسری وجہ کراچی کے لوگ ڈرپوک بھی ہیں کیونکہ دیگر صوبوں کی بہ نسبت ان کے پاس اسلحہ بھی نہیں ہوتا۔

میرے بہت سے دوستوں نے خاص طور پر میری توجہ اس اذیت ناک صورتحال پر مبذول کروائی جو روزمرہ کا معمول بنتی جارہی ہے۔پولیس اس میں بے بس ہوچکی ہے اگر کسی سے گاڑی چھینی جائے تو انہوں نے ایسے ایسے تکلیف دہ مراحل بتائے جس سے بڑی حیرانگی ہوتی ہے۔سب سے پہلے جس کی گاڑی چھینی جائے تو پولیس رپورٹ میں چھیننے کے بجائے چوری کی واردات لکھانے کی کوشش کرتی ہے تاکہ علاقہ پولیس کی کارکردگی پر برا اثر نہ پڑے۔لوگوں نے بتایا کہ پہلے تو پولیس FIR لکھنے کے بجائے صرف روزنامچے میں اندراج پر ہی اصرار کرتی تھی مگر اب FIR تو لکھ لیتی ہے مگر ڈکیتی یا چھیننے کے بجائے چوری یا گمشدگی کی FIR لکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔اگرچہ پولیس کا رویہ پہلے سے بہت بہتر ہوتا جارہا ہے۔FIR کے لئے گھنٹوں نہیں بیٹھنا پڑتا ہے،فوراً مستعدی بھی

دکھائی جاتی ہے۔ جائے واردات پر بھی انچارج پہنچ کر معائنہ کرتے ہیں۔ پھر CPLC کے دفتر میں لے جا کر مختلف ڈکیت کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں مگر میں حیران ہوں کہ کراچی کے ہر کونے کونے میں ٹریفک پولیس مع وائرلیس کے موجود ہوتی ہے CPLC فوراً تمام تھانوں کو بروقت اطلاع بھی کر دیتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ گاڑی فوراً کیوں نہیں پکڑی جاتی، آخر گاڑی ان ہی کے سامنے سے تو گزرے گی کوئی ہوائی جہاز تو نہیں کہ اُڑ کر پہنچ جائے شاذ و نادر ہی پولیس نے بروقت کاروائی کر کے گاڑی پکڑی ہو۔ البتہ جو گاڑیاں صرف ڈکیتی کی نیت سے چھینی جاتی ہیں وہ ایک آدھ دن میں کسی سنسان علاقے میں کھڑی مل جاتی ہیں جس کو پولیس اپنی کارکردگی کے کھاتے میں ڈال کر تھانے لے آتی ہے۔ پھر اس کا معائنہ ہوتا ہے کہ جو ڈکیٹ قیمتی سامان نکال کر لے گئے ہوں تو اب اور کیا سامان نکالا جا سکتا ہے تا کہ سارا چوری کا الزام ڈکیت ہی پر ڈالا جا سکے۔ اگر خوش قسمتی سے گاڑی برآمد ہو جائے تو اس کی واپسی کا مرحلہ انتہائی پیچیدہ اور تکلیف دہ ہے۔ پہلے سارے کاغذات لائیے پھر پولیس کے عملہ سے تعاون کیجئے تا کہ وہ کورٹ کی کاروائی آسان بنا سکے۔ پھر دنوں کورٹ کے چکر لگائیے ان کے غیر ضروری کاغذات کا پیٹ بھریئے تب جا کر گاڑی کے ریلیز کے کاغذات بنیں گے۔ پھر واپس کا روائی اور تھانے سے گاڑی کی رہائی نصیب ہو گی۔ اب آپ کی قسمت پر منحصر ہے کہ آپ کا کتنا قیمتی سامان غائب ہو چکا ہے کہ اس پر بھی بس نہیں ہے۔ آپ کو ایک سال کا ضمانتی بونڈ بھرنا پڑے گا کہ آپ اس گاڑی کو ایک سال تک نہیں بیچ سکتے۔ اگر اس کا کوئی اور دعویدار آ گیا اس کو بھی آپ نے نمٹنا ہے کہ آپ کی گاڑی کے اصلی کاغذات بھی عدالت کے حتمی فیصلے تک کورٹ میں جمع رہیں گے۔ آپ ہر پیشی پر اسی طرح حاضر ہوتے رہیں گے اگر پولیس نے خدانخواستہ کوئی ملتا جلتا ڈکیت پکڑ لیا تو آپ کو تھانے آ کر اس کو شناخت کرنا پڑے گا وغیرہ وغیرہ۔ گویا اگر آپ کی گاڑی مل بھی جائے تو کم از کم ایک سال تک آپ اسی کرب و عذاب

میں مبتلا رہیں گے اور دعا کریں گے کہ یا اللہ وہ اصلی ڈکیت نہ پکڑا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ اگر آپ شناخت کرائیں تو ڈکیت کے ساتھیوں کی طرف سے جان سے مارنے کی دھمکیاں الگ ملیں گی۔ میرے بہت سے واقف کاروں نے بتایا کہ ہم دعا کرتے ہیں کہ گاڑی نہ ملے تو بہتر ہے کیونکہ ہم انشورنس سے کلیم لے کر جان چھڑانا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر چہ انشورنس والے بھی 90 دن سے پہلے کلیم کی ادائیگی نہیں کرتے۔

میری حکومت سے استدعا ہے کہ یہ تکلیف دہ مراحل ختم کر کے پہلے کی طرح ہی پولیس افسران کا غذات چیک کر کے گاڑی اصل مالک کو واپس کیوں نہیں کر دیتے اتنے لمبے Procedure کو ختم کر کے آسان طریقے سے جس طرح دیگر ممالک میں ہوتا ہے کہ گاڑی کے اصلی کاغذات اور مالک کے شناختی کارڈ دیکھ کر گاڑی فوراً واپس کر دی جاتی ہے۔ ایک تو وہ بے چارہ گاڑی سے محروم ہوتا ہے۔ آنے جانے کی پریشانی الگ ہوتی ہے، جبکہ خود اس کی اپنی گاڑی تھانے میں کھڑی بیکار زنگ کھا رہی ہوتی ہے۔ جس میں سے مزید سامان کی چوری کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمارے ہر دلعزیز وزیر داخلہ جناب رحمٰن ملک صاحب اس کو حل کرنے میں عوام کی مدد ضرور فرمائینگے اور غیر ضروری اور پیچیدہ مراحل کو ختم کر کے عوام کو اس سے نجات دلائینگے اور ہمارے آئی جی پولیس کراچی بھی اس مسئلے کو حل کرانے میں مددگار ثابت ہونگے۔ نیز کراچی میں پیلپز امن کمیٹی پر پابندی بھی لگا دی گئی ہے مگر ٹارگٹ کلنگ ابھی بھی بہت زوروں پر ہے میری رحمٰن ملک صاحب سے گذارش ہے کہ اس پر بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

﴿ ویل ڈن شاہد آفریدی ویل ڈن ﴾

پاکستان کے عوام کرکٹ کے بہت شیدائی ہیں جب سے کرکٹ ورلڈ کپ شروع ہوا وہ سب کچھ بھول کر کرکٹ میں کھو گئے اور خاص طور پر جب ہماری ٹیم نے شاہد آفریدی کی سربراہی میں بغیر ہمارے تین منجھے ہوئے باؤلرز محمد آصف، محمد عامر اور کپتان اوپنر سلمان بٹ کے بغیر جیت کا سلسلہ شروع کیا خاص طور پر سابق ورلڈ چمپئین سری لنکا اور موجودہ ورلڈ چمپئین آسٹریلیا، کینیڈا، آئرلینڈ کو ہرا کر اپنے گروپ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے ٹاپ کیا تو قوم کی اُمیدیں اور بڑھ گئیں پھر کوارٹر فائنل میں سابق ورلڈ کپ چمپئین ویسٹ انڈیز کو 10 وکٹوں سے شکست دی تو قوم خوشی سے جھوم اُٹھی اور اس کو سیمی فائنل جیتنا بہت آسان لگا اور اس سے اپنے آپ کو اس طرح وابستہ کر لیا گویا وہ بھارت کو معمولی ٹیم سمجھ بیٹھے۔ پاکستانی عوام کی سب سے بڑی خواہش بھارت کو بھارت میں ہرانے کی پرانی خواہش ہے جو ماضی میں پاکستانی ٹیم ہرا چکی ہے خصوصاً موہالی میں تو وہ دو مرتبہ فاتح رہ چکی ہے۔ میڈیا نے تو کرکٹ ورلڈ کپ ایونٹ کو اتنا گرمایا کہ سب کے سب چغلر اپنے روزمرہ کے پروگراموں سے ہٹ کر صرف قوم کو کرکٹ ورلڈ کپ جیتنے کے خواب دکھانے میں لگ گئے۔ قوم تو تقریباً یہ سیمی فائنل بہت آسان ٹارگٹ سمجھ بیٹھی دوسری طرف بھارتی قوم تو پاکستانی قوم سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی تھی کیونکہ سیمی فائنل اور فائنل انکے اپنے ملک میں ہو رہا تھا۔ ہوم گراؤنڈ کا فائدہ ہمیشہ اس ملک کے قومی ٹیم کے حق میں جاتا ہے تو کھلاڑیوں کو اس کا ایڈوانٹیج ملتا ہے وہی ہوا ہمارے بالرز نے بہت اچھی کارکردگی دکھائی اگر ٹنڈولکر کے 4 اور دھونی کے 2 کیچ نہیں چھوٹتے تو بھارتی ٹیم بمشکل 225 رنز بھی نہیں بنا پاتی مگر ہمارے کھلاڑیوں کی لاپرواہی اور اکمل برادران کا مشکوک کردار بہت واضح تھا جو انہوں نے آسٹریلیا کے ٹور میں پاکستان کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرایا تھا اور جب تک یہ دونوں بھائی پاکستانی ٹیم میں رہیں گے پاکستان کو ایسی ہی شکستوں سے دوچار

کراتے رہیں گے۔ خصوصاً وکٹ کے پیچھے آسان کیچ چھوڑنا شکوک و شبہات سے خالی نہیں ہوتا اور پھر اس پر ندامت کے بجائے مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا معنی رکھتا ہے۔

اس کے بعد 260 رنز کا ٹارگٹ بہت زیادہ نہیں تھا آسانی سے پورا کیا جا سکتا تھا مگر 2 وکٹوں کے گرنے کے بعد یونس خان کی سست رفتار بیٹنگ نے ٹارگٹ کو اور مشکل بنانا شروع کیا۔ اوّل تو یونس خان ون ڈے کا کھلاڑی نہیں ہے اس کو بار بار شاہد آفریدی کیوں کھلا کر اسکے ٹیسٹ کیریئر کو داؤ پر لگا رہے ہیں پھر اس ورلڈ کپ میں اسکی کوئی قابل ذکر کارکردگی بھی نہیں تھی پھر کیوں سیمی فائنل میں کھلایا گیا۔ یہ اسکے ساتھ بھی زیادتی ہوئی اسکی جگہ اگر ہم نے شعیب اختر کو کھلایا ہوتا تو بھارتی ٹیم پر نفسیاتی دباؤ ایک لازمی امر ہوتا، شعیب اختر کا آخری میچ تھا اس میں وہ جان لگا کر بھارت کو دفاعی کھیل پر مجبور کرتا۔ ایک طرف رنز رکتے، دوسری طرف اوپنر کی اگر وکٹیں گر جاتی تو بھارتی ٹیم دباؤ کا شکار ہو جاتی جیسا کہ ماضی میں بھی کئی بار ایسا ہوا ہے۔ شعیب اختر نے اپنے پہلے اسپیل میں ہی 2 وکٹیں لی تو دوسرے بالرز بھی دفاعی کھیل کھیلنے پر مجبور کرا کر بڑا اسکو ہونے سے روک دیتے ہیں مگر شعیب اختر کو نہ کھلا کر ہم نے اپنے عظیم بالر کو خالی ہاتھ خاموشی سے رخصت کر دیا جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ سب سے بڑی غلطی نائب کپتان مصباح الحق نے سست رفتار بیٹنگ کر کے رہی سہی کثر پوری کر دی اور ٹارگٹ کو ناممکن بنا دیا جس کی وجہ سے شاہد آفریدی اور عبدالرزاق اپنے بیٹ کے جوہر نہیں دکھا سکے انہیں اندھا دھن مارنا ہی پڑ گیا جس کی وجہ سے وہ اپنی وکٹیں گنوا بیٹھے اسکی وجہ بالز کم تھیں اور رنز زیادہ تھے۔ نتیجہ ہماری وکٹیں اوپر تلے گرتی گئیں اور ہم 231 رنز پر پوری ٹیم گنوا کر سیمی فائنل ہار گئے۔ قوم یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکی اور سارا نزلہ میڈیا پر گرنے کے بجائے کپتان شاہد آفریدی پر گرا جو صریحاً غلط تھا، جب شاہد آفریدی ٹیم کو بغیر محمد آصف، محمد عامر اور سلمان بٹ اور زخمی شعیب اختر کے اس ورلڈ کپ میں گیا اور اس نوجوان ٹیم سے فتوحات حاصل کیں پھر کوارٹر فائنل بھی جتوایا۔ سیمی فائنل

ہمارے کھلاڑیوں کی غلطی سے ہاتھ سے گیا اس میں شاہد آفریدی کا کیا قصور ہے اس نے اگر چہ رنز نہیں بنائے مگر وکٹیں سب سے زیادہ لیں اور ٹیم مورال اور یکجہتی برقرار رکھی۔ ٹیم میں ڈسپلن بھی رہا کوئی اسکینڈل بھی نہیں بنا۔ بھارت میں بھارتی ٹیم بتول چوہا بھی اپنے گھر میں شیر ہوتا ہے، کاش ہمارے کھلاڑی جس تسلسل سے کھیل رہے تھے سیمی فائنل بھی اسی طرح کھیلتے تو ہم با آسانی سیمی فائنل جیت سکتے تھے۔ پھر آپ شاہد آفریدی کو کریڈٹ بھی دیں اس نے دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم کو کھیل کے میدان میں آنے پر مجبور کیا اگر وہ پاکستانی ٹیم کو بھارتی ٹیم کے سامنے سیمی فائنل تک نہیں لاتا تو من موہن سنگھ پاکستانی وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی کو موہالی میں بلانے کی دعوت کیسے دیتے اب ہماری حکومت کو چاہئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گلے شکوے ختم کر کے ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں یہ سیمی فائنل کی شکست دونوں ممالک کے لئے دوستی میں تبدیل ہو جائے تو اس سے بڑی فتح کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں یہی کہوں گا کہ ویل ڈن شاہد آفریدی ویل ڈن کھیل تو ہوتا ہی ہار جیت کے لئے اگر اس کی آڑ میں دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے تو کیا بات ہے سیمی فائنل کھیلنا بھی کم اعزاز نہیں ہے۔

دہشت گردی اور بھتہ خوری کب تک؟

آج کل میں کینیڈا آیا ہوا ہوں یہاں سخت سردی، برفباری اور بارشوں کا موسم ہے۔ درجۂ حرارت اکثر نقطۂ انجماد سے نیچے یعنی 7 سے 15 تک رہتا ہے۔ میں جب بھی یہاں آتا ہوں میرے بہت سے پُرانے پاکستانی دوست جو اپنی فیملی کے ساتھ آباد ہیں بہت سارے دوستوں کی تو نئی نسل بھی جوان ہو چکی ہے۔ 4 سال پہلے تک تو ہم میں پاکستان کے موسم اور کاروبار کی باتیں ہوتی تھیں۔ پرویز مشرف کی حکومت بڑے سکون کے ساتھ چل رہی تھی کہ یکا یک پرویز مشرف نے چیف جسٹس افتخار چوہدری کو کیا برطرف کیا کہ سیاست کی کایا ہی پلٹ گئی۔ ایک سال سے بھی کم عرصے میں وکلاء تحریک نے زور پکڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے پرویز مشرف حکومت ختم ہو گئی اور نئے انتخابات کے ذریعے پی پی پی کی حکومت وجود میں آ گئی۔ اس طرح قوم کی فوجی حکمرانوں سے جان چھوٹ گئی۔ شروع شروع میں پی پی پی حکومت اور مسلم لیگ ن میں خوب بنی مگر ہمارے جمہوریت دشمن عوامل کو یہ سیاسی یکجہتی پسند نہیں آئی اور انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈلوا کر الگ کروا دیا۔ پی پی پی کے دیگر اتحادی اگر چہ اقتدار میں ساتھ رہے مگر سندھ میں اے این پی اور ایم کیو ایم ایک دوسرے سے کراچی فیکٹر میں لڑتے رہے بیچ بیچ میں پی پی پی کے وزیر داخلہ جناب ذوالفقار مرزا صاحب سے بھی ایم کیو ایم کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ جس کی وجہ سے کراچی کا امن تباہ ہوتا گیا۔ آج میں یہاں جس دوست سے بھی ملتا ہوں وہ سب سے پہلے یہی سوال کرتا ہے کہ پاکستان کا کیا بنے گا؟ یہ کراچی میں روزنا رگٹ کلنگ کیوں ہو رہی ہے اور اس میں کون کون ملوث ہے؟ بظاہر سب جماعتوں کے افراد مارے جا رہے ہیں مگر آج تک ایک بھی ملزم نہیں پکڑا گیا ایسے ایسے سوالات سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔ یہاں مقیم پاکستانی اپنے اپنے رشتہ داروں خصوصاً کراچی میں رہنے والوں کے متعلق بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے پاکستانی تو یہاں کینیڈا اور امریکہ شفٹ ہو چکے

ہیں۔میرے ایک دوست جو یہاں 20 سال سے بھی زیادہ عرصے سے آباد ہیں مجھ سے خصوصی طور پر ملنے آئے تو پوچھنے لگے کہ کراچی کے حالات کب ٹھیک ہونگے۔پھر کہا میرے بھائی کے ہاں اگلے مہینے شادی ہو رہی ہے مجھے مشورہ دیں میں اس میں شرکت کیلئے کراچی جاؤں یا نہیں۔وہ بہت خائف تھے اگر ان کو کچھ ہو گیا t وکینیڈا میں ان کے بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ہم تو پہلے غیر ملکی کاروباری دوستوں کا پاکستان میں نہ آنے کا رونا رو رہے تھے۔اب تو پاکستانی بذاتِ خود پاکستان آنے سے کترا رہے ہیں۔میں نے ان کو تسلی دی اور بتایا آخر میں بھی تو پاکستان میں رہتا ہوں۔میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہم پاکستانیوں کیلئے پاکستان سے بہتر کوئی ملک نہیں ہے۔صرف 2 فیصد شر پسندوں ،ہمارے سیاستدانوں اور مطلب پرست علماء نے اس کو یرغمال بنا رکھا ہے۔

اب چونکہ میڈیا بہت مضبوط ستون بن کر پورے ملک میں پھیل چکا ہے اس لیے منٹوں میں عوام کو آگاہی ہو جاتی ہے۔پہلے صرف ایک ٹی وی چینل پاکستان ٹیلی ویژن ہوا کرتا تھا۔وہ ہر طرف چین ہی کی خبریں سناتا تھا۔عدلیہ بھی خاموش تھی۔ہر طرف چین ہی چین نظر آتا تھا مگر اب 100 سے زیادہ چینلز وجود میں آچکے ہیں۔اخبارات کی بھرمار ہو چکی ہے۔پہلے صرف تین چار اخبارات تک عوام محدود تھے اب تو ہر گلی میں اخبار کے دفاتر قائم ہیں اور ہر اخبار اپنے قاری کو گرم رکھنے کیلئے چٹ پٹی خبریں شائع کرتا ہے خصوصاً شام کے اخبارات قتل و دہشتگردی کی سرخیوں سے بھرے ہوتے ہیں ۔ٹی وی چینلز نے تو ان سیاستدانوں کو ایک دوسرے سے لڑوا لڑوا کر عوام کو ہلکان کر دیا ہے جو اینکر جتنا چبھتے سوالات کر کے سیاست دانوں کو الجھاتا ہے ان کو مشتعل کرتا ہے،اس کی اتنی ہی سامعین کی تعداد ہوتی ہے۔اس طرح اب جو اینکر صرف چند ہزار روپے لیتا تھا اب اس کی تنخواہ اور مراعات لاکھوں روپوں میں ہو چکی ہیں۔آج ایک چینل میں ہے چند ماہ بعد دگنی اور تگنی تنخواہ میں دوسرے چینل میں نظر آتا ہے پھر یہی اینکر تیسرے چینل میں بارگین کر کے اس کے سامعین کو گرماتا ہے۔

عوام پہلے ہی مہنگائی اور دہشت گردی کے ستائے ،سہمے ،دبکے ان سیاستدانوں کی لڑائی دیکھ کر اپنا ٹائم پاس کرنے پر مجبور ہیں۔حکومت نے معیشت کو بہتر بنانے اور عوام کو ریلیف دینے کے بجائے ٹیکس پر ٹیکس لگانے کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔ہر صبح اب تیل اور ڈیزل کی آڑ میں 10 سے 15 روپے بڑھانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔حالانکہ جب پیٹرول عالمی منڈی میں 150 ڈالرز تک پہنچا تھا تب پیٹرول 50 روپے لیٹر کر دیا گیا تھا مگر جب یہی تیل 75 ڈالر تک آیا تو صرف 2 ڈھائی روپے کم کر کے عوام کو اشکِ بلبل فائدہ پہنچایا گیا۔مگر جب 80 ڈالرز پر پہنچا تو یہ فائدہ بھی واپس لے لیا گیا۔اب جبکہ لیبیا میں جنگ چھڑی اور پیٹرول 120 ڈالرز تک جا پہنچا تو ہر ہفتے 10 دس ،15 روپے بڑھا کر ہمارے وزیرِ اعظم جناب یوسف رضا گیلانی صاحب دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے سستے داموں میں فروخت کرنے والے ملکوں میں سب سے آگے ہیں۔عوام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جب سے شاہ عبداللہ سعودی فرماں روا بنے تو انہوں نے اپنے عوام کیلئے تیل کی قیمتیں آدھی کر دیں۔وہاں صرف یہ 13 روپے فی لیٹر فروخت ہوتا ہے۔ہماری معیشت کو ان 3 سالوں میں گھن لگ چکا ہے۔خصوصاً معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کراچی میں دہشت گردی سے بڑھ کر بھتہ خوری تو ایک کاروبار بن چکا ہے۔

صوبائی حکومت اس کو روکنے میں ناکام ہو چکی ہے۔وزیرِ داخلہ ذوالفقار مرزا کو ہٹا کر کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ان کا کام اب نوجوان وزیرِ اطلاعات شرجیل میمن سے لیا جائے گا۔جب تک رینجرز اور فوج دونوں مل کر دہشت گردی اور بھتہ خوری کا قلع قمع نہیں کریں گی۔صنعت کار اور تاجر حضرات اس چکی میں پستے ہی رہیں گے۔اس کی وجہ حکمرانوں کی پشت پناہی کی بدولت آج یہ غنڈے دندنا رہے ہیں۔کراچی کے علاقے انہوں نے اپنی اپنی پارٹیوں کی آڑ میں تقسیم کر رکھے ہیں۔پولیس بے بس ہو چکی ہے وہ خود ان سے نہیں نمٹ سکتی ہے تو معصوم،نہتے تاجر اور صنعت کار کیسے نمٹیں گے۔

خدارا ہوش کے ناخن لیں اور پاکستان کی سلامتی کیلئے ان 2 فیصد مفاد پرستوں سے نجات نہیں دلائی گئی تو ہر گلی اور ہر موڑ پر ایک ڈاکو یا بھتہ خور ملے گا۔ کب تک یہ ہڑتالیں ہونگی؟ کب تک یہ عوام پستے رہیں گے؟ یہ عجیب حکمران ہیں نہ خود چین سے رہتے ہیں اور نہ عوام کو چین سے جینے دیتے ہیں۔

﴿ محرومی کے مزید 30 سال ﴾

صوبہ سندھ کوٹہ سسٹم کی بنیاد ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دور میں رکھی گئی اور یہ وجہ بتائی گئی کہ شہری علاقوں کے لوگوں کو چونکہ اچھی تعلیم کے مواقع حاصل ہیں جبکہ دیہی علاقے کے نوجوان اس سے محروم ہیں۔ اور احساس محرومی کا شکار ہیں۔ لہذا دس سال کے لئے حصول روزگار میں دیہی علاقے کے باشندوں کے لئے کوٹہ رکھا گیا جس سے شہری اور دیہی تفریق کی بنیاد رکھ دی گئی شہر کے لوگوں نے خیر سگالی کے جذبہ کے تحت اس دس سال کے کوٹہ کو قبول کرلیا مگر بعد کی آنے والی حکومتوں نے اس کوٹہ سسٹم میں مسلسل اضافہ کرنا شروع کردیا اور اس دفعہ تو حد کردی کہ ایک دن اچانک اس بل کو قومی اسمبلی میں پیش کیا اور آناً فاناً یہ بل منظور کر کے ایک مرتبہ پھر شہری نوجوانوں کو سرکاری دفاتر میں 30 سال کے لئے نوکریوں سے محروم کردیا گیا۔

صوبہ سندھ کے آبادی کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس صوبہ میں 45 فیصد سندھی بولنے والے رہتے ہیں اور 55 فیصد دیگر زبانیں بولنے والے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق 45 فیصد سندھی بولنے والے چھوٹے چھوٹے شہروں اور دیہات میں رہتے ہیں جبکہ 45 فیصد اردو بولنے والے جن کو اصطلاح میں مہاجر کہا جاتا ہے۔ بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور دس فیصد پاکستان کے دیگر صوبوں سے آنے والے بھی زیادہ تر شہروں میں رہتے ہیں۔ گویا اُردو بولنے والوں اور سندھی بولنے والوں کی آبادی کا تناسب کم وبیش برابر ہو چکا ہے۔ موجودہ حکومت نے اس سال مردم شماری کرائی اور نہ جانے کس مصلحت کے تحت آج تک اس کے نتائج کا اعلان نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے مردم شماری کا مقصد فوت ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے اعداد شمار حکومت توقع کے خلاف سامنے آئے ہیں۔ جن میں ردوبدل کیا جارہا ہے۔ جہاں تک صوبہ سندھ کا تعلق ہے اصولاً اردو اور سندھی زبان بولنے والوں کو مساوی نوکریاں ملنی چاہئے تھیں مگر ایسا نہیں ہوا۔ شروع ہی سے تقریباً 80 فیصد سرکاری نوکریاں

سندھی بولنے والوں کو ملتی رہیں۔اور 20فیصد اُردو بولنے والوں کے حصے میں آئیں۔کوٹہ سسٹم کے رائج ہونے کے بعد صرف 10فیصد اُردو بولنے والوں کو نوکریاں مل رہی ہیں اس کی زندہ مثال حکومت سندھ کے کسی بھی ادارے میں چوکیدار، چپراسی، نائب قاصد یا شاذونادر کلرک اُردو بولنے والے ملیں تو ملیں آفیسر گریڈ کا کوئی نوجوان نہیں ملے گا۔اب سیکرٹری اور انتظامیہ کے چند افسران رہ گئے ہیں جو کہ ریٹائرمنٹ کے نزدیک ہیں کیونکہ بھرتی کے وقت باپ، دادا اور پردادا کا خانہ پر کرتے وقت یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نوکری کا طلب گار کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر نوکریوں کے دروازے کسی نہ کسی بہانے بند کر دیئے گئے ہیں اس سلسلے میں اگر تصویر کا دوسرا رُخ دیکھا جائے تو یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایسے اچھے غیر سرکاری اداروں میں جہاں ملازمت کا معیار صرف اہلیت ہوتا ہے، کام چوری اور سستی ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کی جاتی سندھی بولنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اردو بولنے والے نوجوانوں سے سرکاری سطح پر روا رکھی گئی یہ ناانصافی ہی ہے جس کی وجہ سے ان میں مایوسی پھیلی اور مایوس و بیروزگاری کے مارے یہ نوجوان منشیات، اسلحہ اور دیگر غیر قانونی حربوں میں ملوث ہوئے سندھ کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا، مفاد پرست لوگوں نے ان سے غلط کام لیے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے شہروں میں قانون نام کی کوئی شے باقی نہ رہی اور گروپوں کی شکل میں ایک دوسرے کے مدمقابل آ کر شہروں کا سکون ختم کر دیا۔آج تک یہ منطق سمجھ میں نہیں آسکی ہے کہ پاکستان کے چار صوبوں میں سے صرف سندھ ہی کے لیے کوٹہ کیوں مقرر کیا گیا ہے جبکہ سرحد، بلوچستان اور پنجاب کے ساتھ بھی تو دیہی آبادیاں ہیں وہاں کوٹہ سسٹم کیوں نافذ نہیں کیا گیا جبکہ اسلام آباد میں اس قسم کی تفریق کو منع کیا گیا ہے اور ہماری وفاقی شرعی عدالت اور شرعی اپیلٹ بورڈ بھی اس کو غیر شرعی اور غیر انسانی قرار دے چکے ہیں۔

آج پھر مردم شماری کرائی جارہی ہے۔ہر طرف سے شور شرابا کیا جارہا ہے۔اگر کوٹہ سسٹم ختم نہیں کیا

گیا تو پھر اردو بولنے والوں کا حق مارا جائے گا۔اصولاً صرف میرٹ کی بنیاد پر شہری اور دیہی علاقوں کے نوجوانوں کو تعلیم اور روزگار کے یکساں مواقع فراہم کر کے اس غیر منصفانہ نظام کو ختم کر کے ہی اس صوبے میں انصاف ملے گا۔

﴿ عوام کی مشکلات کون حل کرے گا ؟ ﴾

ایک مریض پیٹ پکڑے ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوااور کہا "ڈاکٹر صاحب میرے پیٹ میں سخت درد ہے مجھے دوا دیجئے" ڈاکٹر نے مریض کے حلیے سے پہچان لیا یہ بہت شور مچا رہا ہے اور زیادہ پیسے بھی نہیں دے گا۔اس نے مریض کو بیٹھنے کیلئے کہا اور اندر سے ایک نشتر لا کر اس کی ران میں چبھا لگا دیا اب تو مریض اور بلبلا اُٹھا۔ڈاکٹر نے پوچھا اب تمہارے پیٹ کے درد کا کیا حال ہے؟اس نے کہا پیٹ کا درد تو ٹھیک ہو گیا ہے مگر ٹانگوں کا درد نا قابل برداشت ہو گیا ہے۔ڈاکٹر نے اطمینان سے کہا کہ تم نے پیٹ کے درد کی شکایت کی تھی وہ میں نے دور کر دی اب ٹانگوں کا درد بھی ختم ہو جائے گا۔یہی کچھ حال آج کل کراچی کے عوام کے ساتھ ہو رہا ہے۔عوام بجلی کی لوڈشیڈنگ اور پیٹرول کے بے تحاشہ اضافے پر شور مچا رہے تھے تو اب ان کو بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ میں ایسا الجھایا کہ وہ لوڈشیڈنگ اور تیلوں کے بار بار اضافے کو بھول گئے۔اگر چہ ہمارے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا صاحب پر ان کی سرپرستی کا الزام تھا وہ بھی سبکدوش کر دیے گئے یا یوں کہئے کہ انہیں ریسٹ دے دیا گیا ہے۔مگر کراچی شہر میں ان بھتہ خوروں کی وارداتوں میں کمی آنے کے بجائے اتنا اضافہ ہوا کہ تاجر اور صنعت کاروں نے تنگ آ کر کراچی چیمبر آف کامرس کا گھیراؤ کر لیا اور پاکستان کی 67 سالہ تاریخ میں چیمبر کی عمارت پر زبردست پتھراؤ کیا۔ان کے عہدیداران کو یرغمال بنایا پھر جب تک انہوں نے ہڑتال کی کال نہیں دی ان کو کمروں سے نہیں نکلنے دیا۔حکومتِ سندھ نے مداخلت کی ہڑتال کی کال تو واپس لے لی مگر تاجروں نے پورے شہر کو بند کروا کر اپنے غصے کا بھرپور اظہار کر دیا۔میں گزشتہ کئی ماہ سے حکمرانوں کی توجہ بار بار اس شہر کراچی کی طرف مبذول کرا رہا ہوں جو معیشت میں پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی اور تمام صوبوں کی ترجمانی کرتا ہے۔اس شہر میں ہر صوبے کے خصوصاً غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے یہاں آ کر روزگار حاصل کرتے ہیں اور اس شہر میں

اب وہ معہ اپنے بال بچوں کے آباد بھی ہو چکے ہیں ان میں روزانہ کی دہاڑی پر کام کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور وہ آئے دن کی ہڑتالوں، مظاہروں اور ٹارگٹ کلنگ سے بے حد پریشان ہو کر سہمے ہوئے ہیں۔پولیس اور رینجرز دونوں ہی ناکام ہو چکی ہیں۔روزانہ اخبارات کی خبروں کے مطابق 10 سے 12 معصوم افراد مارے جا رہے ہیں جن میں اس صوبے کی کولیشن حکومت کے عہدیداران، ایم کیو ایم، اے این پی، پی پی پی کے علاوہ سنی تحریک اور جماعت اسلامی کے افراد تو نمایاں تھے اب پولیس کے افراد بھی ان کا نشانہ بن رہے ہیں۔اغواء برائے تاوان کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ صرف ایک ہفتے میں راقم کے 3 قریبی رشتہ داروں کو دن دہاڑے اغواء کیا گیا جس میں سی پی ایل سی نے ایک صنعت کار کو آدھی رات لیاری سے بازیاب کرایا باقی 2 افراد اے ٹی ایم سے رقم نکلوا کر رہا ہوئے۔یہ اغواء کار اب نئے نئے طریقوں سے اغواء کرتے ہیں۔ان کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک بچہ بھی ساتھ ہوتا ہے تا کہ پولیس کی نظروں میں گاڑی میں فیملی کا گمان لگے اور وہ آرام سے ٹی ٹی کی نوک پر شہر میں گھما کر ہراساں کرتے ہیں پھر جیب کی رقم، موبائل اور قیمتی گھڑیاں تو وہ اتروا لیتے ہیں پھر اے ٹی ایم یا پھر رشتہ داروں سے تاوان وصول کر کے رہا کرتے ہیں۔ان چند گھنٹوں میں اتنا ہراساں کر دیتے ہیں کہ وہ موت کو قریب سے دیکھتا ہے اور اللہ کو یاد کر کے ہر سانس آخری سانس سمجھ کر لیتا ہے۔جبکہ ہر راستے میں پولیس اسکواڈ اور رینجرز کی گاڑیاں بھی کھڑی ہوتی ہیں۔یہ بڑی دیدہ دلیری سے واردات کر کے روپوش ہو جاتے ہیں یہ بھی سننے میں آیا کہ کئی مدارس میں مفلوک الحال طبقہ سے تعلق رکھنے والوں نے علماء اور مفتی صاحبان سے فتویٰ مانگا ہے کہ انہیں اس غربت کے ہاتھوں مرنے سے بچانے کے لیے چوری اور ڈاکہ کی اجازت دی جائے کیونکہ حکومت ان کی کفالت نہیں کر سکتی اور جس طرح حضرت عمرؓ کے دور میں جب وہاں قحط پڑا اور حکومت ان کو غلہ مہیا نہیں کر سکی تو چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی سزا موخر کر دی گئی

تھی۔ایک طرف عوام بھوکے مر رہے ہیں تو دوسری طرف اخبار اور میڈیا سے خبر ملتی ہے کہ فلاں محکمے سے اتنے اربوں کا گھپلا ہوا۔فلاں پارٹی کا اعلیٰ عہدیدار اس میں ملوث ہے۔فلاں وزیر کو جیل میں جانا پڑا اور فلاں وزیر کو برطرف کر دیا گیا۔بڑے بڑے گھپلے قوم دیکھ رہی ہے اور وہ خاموش ہے کیونکہ چند ہی دنوں بعد یہ سب کچھ ملک مُکا ہو جائے گا۔بے شک چیف جسٹس اور عدلیہ چیختی رہے کسی پر اثر نہیں ہوتا ہر صبح ایک تازہ گھپلا سامنے آتا ہے۔تمام سیاستدان میڈیا پر آکر بچوں کی طرح لڑتے ہیں شاید بچے بھی اس طرح نہیں لڑتے جس طرح عوام ان کو دیکھ کر پریشان ہوتی ہے۔بہت سے چینل تو شاید یہی لڑائی جھگڑے دکھا کر دونوں ہاتھوں سے روپیہ بنا رہے ہیں اور عوام اب اس کو تفریح سمجھ کر باجماعت دیکھتی ہے۔حکمران عوام سے غافل ہو کر صرف اپنی اپنی حکومت بچانے پر لگے ہوئے ہیں حزب اختلاف حکومت پر صرف تنقید کرنے کو ہی اپنی ضرورت سمجھتی ہے کبھی کبھی اسمبلی فلور سے واک آؤٹ کر کے اپنا حق ادا کرتی ہے۔حکمران بجٹ کو پاس کروانے کے جوڑ توڑ میں لگے ہوئے ہیں آپس میں لوٹوں کا تبادلہ ہو رہا ہے۔اس کی آڑ میں جو گھپلوں میں ملوث ہیں ان کے مقدمات یا تو ختم کر دیئے جائیں گے یا پھر ان کی ضمانت ہو جائے گی۔اب تو بہت سے لوگ پرویز مشرف دور کو سنہرا دور سے تشبیہ دینے لگے ہیں۔کم از کم ان کے دور میں اتنی مہنگائی، ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ خوری تو نہ تھی اور نہ ہی اتنی لوڈشیڈنگ ہوتی تھی۔اب تو گیس کی سپلائی بھی ہفتے میں کئی بار ناغہ کا شکار ہے۔کارخانے بند ہو رہے ہیں۔ہمارے وزیر خزانہ بڑے ڈراؤنے بیانات دے کر بجٹ کو پاس کروانے کیلئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔دیکھتے ہیں اب کتنے نئے ٹیکس لگیں گے۔کہیں سڑک پار کرنے اور فٹ پاتھوں پر چلنے پر ٹیکس نہ لگ جائے۔کسی کو فکر نہیں ہے نہ عوام میں دم خم ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔اس نفسا نفسی کے دور میں ایک میرے قاری نے نصیحت آمیز ای میل بھیجی ہے قارئین کی نظر کرتا ہوں۔لکھتے ہیں۔ایک فقیر بازار میں مصلیٰ بچھائے عبادت کر رہا تھا راہگیر

نے پوچھا بابا کیا کر رہے ہو۔فقیر بولا اللہ اور بندے کی صلح کرا رہا ہوں اللہ راضی ہے مگر بندے کے پاس دنیاوی مشاغل کے سوا وقت نہیں ہے چند دنوں کے بعد یہی فقیر ایک قبرستان میں اسی طرح مصلیٰ بچھائے بیٹھا تھا۔پھر ایک راہگیر نے پوچھا بابا کیا کر رہے ہو؟فقیر بولا!میں اللہ اور بندے کی صلح کرا رہا ہوں۔بندہ عاجز لیٹا گڑگڑا رہا ہے مگر اب اللہ راضی نہیں ہے کہ میں نے اس بندے کو پوری مہلت دی مگر یہ مجھ سے غافل رہا اور زندگی گزار دی۔

ریکارڈ درست کر لیجئے

گذشتہ ہفتے میرے ایک کالم نگار رہبر بان نے ''آؤ معافی مانگیں'' کے عنوان سے کالم لکھا اور یکطرفہ مشرقی پاکستان کے رہنے والے بنگالیوں کا نقطہ نظر پیش کیا اور ہمارے جرنیلوں کو پاکستان توڑنے کا ذمہ دار ٹھہرایا خصوصاً ایوب خان کے حوالے سے تو پاکستان کئی بار ٹوٹ سکتا تھا۔ کئی کتابوں کے مصنفوں کے حوالے بھی دیئے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ پاکستان کے قیام کے چند ماہ بعد قائداعظم نے ایک بنگلہ اسٹوڈنٹس کے وفد سے قومی زبان کے بارے میں فرمایا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان صرف اردو ہوگی بقایا زبانیں صوبائی تصور کی جائیں گی۔ اس کا بنگالیوں نے برا منایا تھا اور قائداعظم کے احترام کی وجہ سے ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ پھر اسی لینگویج موومنٹ میں چند طلباء پولیس کے ہاتھوں مارے گئے تو پھر ہر سال اس دن کو منایا جاتا رہا۔ ایوب خان کا تو ابھی دور دور تک نام ونشان بھی نہیں تھا اس چنگاری کو شیخ مجیب الرحمٰن نے سہروردی کی موت کے بعد عوامی لیگ پر قابض ہو کر خوب ہوا دی۔ آئے دن وہ ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں جلسہ کر کے بنگالیوں کو بھڑکاتا تھا۔ ایوب خان نے جتنی بنگالیوں کو مراعات دیں اتنی مغربی پاکستانیوں کو نہیں دیں۔ ڈھاکہ دارالخلافہ بھی بنایا گیا۔ امپورٹ لائسنس، پرمٹ جتنے مشرقی پاکستانیوں کو دیئے جاتے تھے اس سے آدھے بھی مغربی پاکستانیوں کے حصے میں نہیں آتے تھے اور یہی بنگالی کراچی آکر یہ پرمٹ بیچ جاتے تھے۔ مشرقی پاکستان میں ہر سال طوفانی سیلاب آتا تھا اس سیلاب میں اس وقت کے گورنر جنرل اعظم خان نے ایوب خان کی ہدایت پر دن رات کام کر کے بنگالیوں کے دل جیت لیے تھے مگر عوامی لیگ کا کردار ہمیشہ بھارت کے ساتھ رہا۔ اس کی مالی امداد ہندو بنگالی جن کی آبادی 20 فیصد تھی بھرپور طریقے سے کرتی تھی۔ 1965ء کی جنگ میں بنگالیوں نے Crush India کا نعرہ لگایا۔ بھارت کو یہ بہت بُرا لگا۔ تاشقند معاہدہ کے بعد بھارت نے

اپنے ایجنٹ جن میں مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کو استعمال کیا اور مغربی پاکستانیوں کے خلاف اُکسایا۔ بنگالی ہر غیر بنگالی کو خواہ وہ پٹھان، پنجابی یا سندھی ہو بہاری کہتے تھے۔ اس میں نفرت کا بیج بوکر بہاریوں کو بدنام کیا۔ اس کی وجہ بھی یہ ہندو بنئے تھے کیونکہ مشرقی پاکستان میں کاروبار یا تو ہندوؤں کے پاس تھا یا پھر مغربی پاکستانیوں کے پاس تھا۔ مجیب الرحمٰن نے پٹسن (جوٹ) جو صرف مشرقی پاکستان میں پیدا ہوتا تھا۔ اس کی ایکسپورٹ کو مبالغہ آمیز بنا کر بنگالیوں کو اُکسایا اور کہا ہماری دولت مغربی پاکستان جا رہی ہے۔ بنگالی طبعیتاً امن پسند قوم ہے غربت بھی زیادہ تھی وہ ان سیاسی لیڈروں کے بہکاوے میں آگئے اور بہاریوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔

1967ء میں راقم نے ایک امریکن کمپنی سے مشرقی پاکستان میں مشترکہ فیکٹری لگانے کیلئے سروے کیا کیونکہ مشرقی پاکستان میں نئی فیکٹریاں لگانے کیلئے حکومت کی اجازت با آسانی مل جاتی تھی۔ 3 دن تک مشترکہ سروے ہم کرتے رہے۔ چوتھے دن ڈھاکہ سے واپس کراچی جانے کیلئے ہم ہوٹل سے ائیر پورٹ روانہ ہوئے اس دن بدقسمتی سے لینگویج ڈے تھا۔ ہر ہر موڑ پر طلباء حکومت کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے۔ ہر سگنل پر ہماری گاڑی رکوائی جاتی اور زبردستی چندہ وصول کرتے اگر ہم منع کرتے تو دھمکی بھی دی جاتی تو اس کے برعکس بنگالیوں کی گاڑی بغیر چندہ لیے چھوڑ دی جاتی تھی۔ ائیر پورٹ تک پہنچتے پہنچتے ڈر کے مارے ہمارے تمام ساتھی بددل ہو گئے وہ ارادہ جو ہم نے فیکٹری لگانے کا کیا تھا ختم کر دیا۔ اس دن میں نے اپنے انگریز پارٹنر سے کہا کہ لگتا ہے جلد ہی ہمیں پاسپورٹ لے کر آنا پڑے گا باوجود ہمارا کاروبار چٹ گاؤں میں تھا۔ پھر جب یحییٰ خان کے غالباً 3 مارچ 1971ء تھا ڈھاکہ میں PIA کے دفتر میں اپنا سامان بھجوانے پہنچا تو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کی خبر پہنچی تو پورے ڈھاکہ میں عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ غیر بنگالیوں کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ ان کی دکانیں، دفاتر اور گھروں کو آگ لگانی شروع کر دی۔ ہر طرف مجیب الرحمٰن کی کال پر یحییٰ خان

حکومت کو مفلوج کر دیا۔ پاکستان کے جھنڈے اُتار کر بنگلہ دیش کے جھنڈے لہرا دیئے گئے۔ بنگالی غنڈوں نے مکتی باھنی نامی تنظیم بنا کر وہ غنڈہ گردی کی غیر بنگالیوں کی عورتوں کی عصمتیں لوٹیں۔ نوجوانوں کو گھروں سے نکال کر گھر والوں کے سامنے گولیوں سے بھون ڈالا۔ گھروں، دفتروں اور دوکانوں کا سامان لوٹ لیا۔ پولیس ناکام ہوگئی۔ فوج نے مداخلت کی۔ جنرل ٹکا خان نے ڈھاکہ اور چٹ گاؤں میں امن قائم کیا۔ ایک طرف یحیٰ خان مذاکرات کرتا رہا دوسری طرف بھارت کو موقع مل گیا اس نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ عوام چونکہ پاکستانی فوج سے متنفر ہو چکی تھی لہٰذا بھارت کو زیادہ دن نہیں لگے۔ اس کی چھاتہ بردار فوج ڈھاکہ میں بنگالیوں کی مدد سے اُتر گئی اور ڈھاکہ خالی ہوگیا۔ پاکستانی فوج کے آنے سے پہلے غیر بنگالی مارے گئے اور فوج کے آنے کے بعد بنگالی مارے گئے۔ دونوں کا نقصان ہوا پھر ایک فریق کیوں معافی مانگے۔ دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی گئی تھی مگر بدنامی ہماری فوج کے حصے میں آئی۔ بھارت غاصب تھا اس سے کسی نے کچھ نہیں کہا صرف چھٹے بیڑے کی کہانی سنائی گئی۔ امریکہ نے بھی مخالفت نہیں کی۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ پھر حقیقت کھلی بنگلہ دیش کے پاس کچھ نہیں تھا۔ جو چند غیر بنگالیوں کی فیکٹریاں تھیں ان کا قیمتی سامان اور مشینری بھارتی فوج اپنے ساتھ لے گئی۔ 5 لاکھ بنگالی پاکستان میں نوکری کیلئے آ گئے ہم نے ان کو نوکریاں دیں آنے جانے کیلئے ویزے دیئے جو بعد میں وہ پاکستانی بن کر رہنے لگے۔ ہمارے ڈھائی لاکھ محصورین جن کو بنگلہ دیش بننے کے بعد بے گھر کر کے کیمپوں میں ڈالا گیا تھا آج بھی انہی کیمپوں میں فاقہ زدہ زندگی گزار رہے ہیں۔ حکومت پاکستان ان کو پاکستانی نہیں مانتی بنگلہ دیشی وہ بننا نہیں چاہتے صرف ایک مرتبہ نواز شریف صاحب نے ان کو لانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ صرف 400 محصورین کا ایک جہاز ملتان کے قریب میاں چنوں لا کر بسایا پھر وہ بھی اپنے وعدے سے مُکر گئے۔ ضیاء الحق کو سعودی عرب نے فنڈ دیا تھا اس کا آج تک کچھ پتہ نہیں کہاں ہے؟ کون کھا

گیا؟ میرے کالم نگار بھائی نے لکھا ہے آج بنگلہ دیش پاکستان سے بہت آگے آ گیا ہے اس کی وجہ بھی پاکستان ہے کیونکہ امریکہ اور یورپی یونین نے پاکستان پر ٹیکسٹائل کا جب کوٹہ لگایا تو بنگلہ دیشن کو اس سے مستثنیٰ کر دیا تو بنگلہ دیش میں گھر گھر ٹیکسٹائل کے لوم لگ گئے اور پاکستانیوں نے بھی اپنا مال بنگلہ دیش بھیج کر وہاں سے ایکسپورٹ شروع کر دی جس سے وہاں کی کرنسی مضبوط ہوگئی مگر پھر بھی کل ہی گیلپ کے سروے کے مطابق غربت میں پاکستان 39 ویں نمبر پر ہے اور بنگلہ دیش 92 ویں نمبر پر ہے۔ مگر ایک معمہ آج تک سمجھ سے بالاتر ہے سقوط ڈھاکہ کے تینوں کردار یعنی مجیب الرحمٰن، ذوالفقار علی بھٹو اور اندرا گاندھی غیر طبعی موت کا شکار ہوئے البتہ اندرا گاندھی کے قاتل کو سزائے موت ہوئی۔ مجیب الرحمٰن کے قاتلوں کو 40 سال بعد سزائے موت ہوئی اور ذوالفقار علی بھٹو کا مقدمہ 34 سال بعد عدلیہ خود عدلیہ کا ٹرائل کر رہی ہے اور مرحوم بھٹو کی موت پر مٹھائی بانٹنے والے آج اس کا دفاع کر رہے ہیں۔ معافی کون اور کس سے مانگے؟

کرکٹ ٹیم کی تنزلی کا ذمہ دار کون ہے؟

گزشتہ 20 پچیس سال سے کراچی سے تعلق رکھنے والے کرکٹرز کے ساتھ پاکستان کرکٹ کنٹرول بورڈ مسلسل ناانصافی کر رہا ہے جس کی وجہ سے ہماری قومی کرکٹ کو کافی نقصان بھی پہنچ چکا ہے۔ ہم اچھے کرکٹرز جنہوں نے قائداعظم ٹرافی اور پینا کولر کپ جو ہر سال کھیلے جاتے ہیں ان میں اچھی کارکردگی کے باوجود ٹیم میں شامل نہیں کیے جاتے اور کراچی سے باہر سے تعلق رکھنے والے راتوں رات قومی ٹیم کا حصہ بن جاتے ہیں پھر یہی کھلاڑی سٹہ بازی، میچ فکسنگ میں ملوث ہو کر پاکستان کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور پاکستان کی شکست بھی اسی کا نتیجہ رہتی ہے۔ قوم میں مایوسی چھا جاتی ہے مگر ہمارے بورڈ پر ہار جیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شکست کے بعد آج تک کسی نے نہ اپنی ذمہ داری قبول کی نہ کبھی کسی نے استعفیٰ دینے کی ابتدا کی۔ کبھی سلیکشن کمیٹی کو تبدیل کر دیا تو کبھی کسی منیجر کو برطرف کر کے مٹی ڈال دی گئی۔ یہ روایت بہت عرصے سے جاری و ساری ہے۔ کبھی ہم جیتتے جیتتے پھر ہار جاتے ہیں یہ معمہ بھی ناقابل حل ہے۔ مثلاً ویسٹ انڈیز سے ہم نے پہلے 3 ون ڈے جیتے پھر اسی ٹیم سے 2 میچ ہار گئے۔ شاہد آفریدی جو آج کل بالکل آؤٹ آف فارم ہیں، نہ ان سے رنز بن رہے ہیں اور نہ ہی وہ باؤلنگ میں کچھ کر پا رہے ہیں۔ صرف اپنی چوہدراہٹ کے بل بوتے پر اپنے مخصوص دوستوں کو نواز رہے ہیں جس میں احمد شہزاد سرفہرست ہیں۔ یہ موصوف نیوزی لینڈ کے دورے میں ناکام رہے پھر بھی ان کو ورلڈ کپ کھلا دیا۔ یہاں بھی وہ کوئی کارکردگی نہیں دکھا سکے ناکام رہے، ہم سیمی فائنل بھارت سے ہار کر بھی بہت خوش ہو رہے تھے۔ گویا ہم نے اپنی منزل پا لی ہو پھر ان کو ڈراپ نہیں کیا گیا اور ویسٹ انڈیز کا بھی دورہ کرا دیا گیا جس میں وہ پہلے دو میچوں میں ناکام رہے خوش قسمتی سے تیسرے میچ میں وہ ایک سنچری کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بقایا دو میچ بھی کھلا دئے جس میں وہ پھر ناکام رہے اور پاکستان ابتدائی کھلاڑیوں کی غیر اعتمادی سے دونوں میچ ہار

گیا جبکہ ویسٹ انڈیز کی موجودہ ٹیم میں ایک بھی قابل ذکر کھلاڑی نہیں ہے اور وہ تاریخ کی کمزور ترین ٹیم بن چکی ہے مگر ہم پھر بھی اس سے ہار گئے اور ہم نے اس ہار سے بھی سبق نہیں سیکھا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کراچی سے تعلق رکھنے والے کھلاڑیوں کو ایک تو بڑی مشکل سے ٹیم میں شامل کیا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ وہ اپنے پہلے میچ میں ناکام ہو جائے تو اس کو بٹھا دیا جاتا ہے جیسا خالد لطیف کے ساتھ اکثر ہوتا رہا مگر احمد شہزاد کے ساتھ وہ خصوصی رعایت کپتان شاہد آفریدی کیوں کرتے ہیں سب حیران ہیں۔ خالد لطیف نے قائداعظم ٹرافی میں 7 میچ کھیلے 586 رنز بنائے جس میں ایک ڈبل سنچری، 2 سنچریاں، 2 نصف سنچریاں اور 4 کیچ پکڑے مگر جب ویسٹ انڈیز کے دورے کا اعلان ہوا تو شاہد آفریدی کو جن کا خوش قسمتی سے کراچی سے تعلق ہے خالد لطیف نظر نہیں آیا اور ناکام احمد شہزاد کو ساتھ لے گئے۔ اگر خالد لطیف کی بیٹنگ کا ریکارڈ دیکھا جائے تو وہ شاہد آفریدی کا نعم البدل ثابت ہو سکتا ہے مگر ہمارے سلیکٹر محسن حسن خان جن کا تعلق بھی کراچی سے ہے ان کو بھی خالد لطیف کا ریکارڈ نظر نہیں آیا اور وہ بھی شاہد آفریدی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور یوں خالد لطیف کا مستقبل تاریک کرنے میں شامل رہے۔ اس طرح کامران اکمل جن کی وجہ سے ہم سیمی فائنل ہارے ان کی جگہ سرفراز کی منی تھی بدقسمتی سے ان کا تعلق بھی کراچی سے تھا نہ سلیکٹر نے ان کو اس قابل سمجھا نہ شاہد آفریدی نے ان کو میرٹ پر سلیکٹ کیا کیونکہ سرفراز احمد نے 5 میچوں میں 493 رنز بنائے جس میں ایک ڈبل سنچری 213 رنز کی، 3 نصف سنچریاں، 19 کیچ اور 2 اسٹمپ کیئے ان کا اوسط 164 رنز تھا مگر بالکل نئے وکٹ کیپر محمد سلمان جن کو انٹرنیشنل میچوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا ڈیبو کرا دیا گیا جو فلاپ ثابت ہوئے۔ یہی کچھ فواد عالم جن کا تعلق بھی کراچی سے ہے انہوں نے 5 میچوں میں 534 رنز بنائے، 196 رنز ان کا سب زیادہ اسکور رہا آل راؤنڈر ہیں 2 سنچریاں اور 2 نصف سنچریاں بنائیں مگر ان کو بھی نہیں چنا گیا اسی طرح خرم منظور جنہوں نے

صرف ایک میچ ساؤتھ افریقہ کے خلاف کھیلا تھا اور 94 رنز بنائے تھے ان کو بھی دوسرا چانس نہیں دیا گیا۔ پاکستان A ٹیم کے ساتھ کھیلنے گئے وہاں بھی انہوں نے سب سے زیادہ رنز بنائے ان کو بھی ویسٹ انڈیز کے دورے میں دور رکھا گیا۔ حسن رضا کی کارکردگی بھی شاندار تھی مگر اس کو بھی نہیں لے جایا گیا جب تک ہم میرٹ کا قتل کرتے رہینگے اور اعجاز بٹ، محسن خان جیسے بورڈ کے کرتا دھرتا رہینگے پاکستان کی ٹیم یکسوئی حاصل نہیں کر سکے گی۔ صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری جو پاکستان کرکٹ بورڈ کے پیٹرن ان چیف بھی ہیں ان کا تعلق بھی سندھ اور کراچی سے ہے۔ روزِ اوّل سے اعجاز بٹ صاحب کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے آرہے ہیں، ان سے میری درخواست ہے کہ وہ خدارا اس طرف بھی توجہ دیں۔ سیاست کے میدان میں تو انہوں نے تقریباً سب کو مات دے کر حیران کر دیا ہے کاش وہ ایسی ہی مہارت ہمارے کرکٹ کی تنزلی کی طرف بھی مبذول فرمائیں تو پاکستانی ٹیم ایک مرتبہ پھر ورلڈ کپ جیت سکتی ہے۔ صرف اس میں صحیح اور حقدار عہدیداروں کی ضرورت ہے جو اقربا پروری، رشتہ داری اور دوستی کو نہیں صرف اور صرف کارکردگی کے لحاظ سے ٹیم ترتیب دیں، میرٹ کے علاوہ کسی کی سفارش کو نہیں دیکھیں۔ صدر صاحب کا اور پاکستان کا نام روشن ہو سکے گا آخری خبریں آنے تک معلوم ہوا کہ کراچی سٹی کرکٹ ایسوسی ایشن نے کراچی کے کرکٹرز کے ساتھ ناانصافی کے خلاف 14 مئی 2011ء کو پریس کلب کے باہر مظاہرے کا پروگرام ترتیب دیا ہے بعد میں وہ پریس کانفرنس بھی کرینگے اور میڈیا کو تفصیل سے آگاہ بھی کرینگے کہ پاکستان کرکٹ بورڈ کس طرح کراچی کے ساتھ میرٹ کا حشر نشر کرتا رہا ہے۔

﴿ آخر جمہوری دور میں عوام کیوں پریشان رہتے ہیں ﴾

میڈیا تو پرویز مشرف کے دور میں بھی آزاد تھا مگر جس قدر پروان پی پی پی کے موجودہ دور میں چڑھا اس کی مثال نہیں ملتی ادھر کوئی واقعہ پاکستان میں پیش آئے منٹوں کے بعد پاکستان میں ہی نہیں، بین الاقوامی میڈیا، یوٹیوب (Youtube) پر آپ دیکھ سکتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو پاکستانی میڈیا میں بعد میں دکھائے اور بتائے گئے۔ یوٹیوب (Youtube) اور دیگر چینلز پر پہلے ہی دکھا دیئے گئے۔ پرویز مشرف کا فوجی دور جو تقریباً 9 سال رہا صرف آخری دو سال ان پر بہت بھاری گذرے اور اس وجہ سے وہ اقتدار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے مگر پی پی پی کے 3 سالہ جمہوری دور میں شروع ہی سے میڈیا نے انہیں چین سے حکومت نہیں کرنے دی انکے وزراء کی کارکردگی بھی قوم کو متاثر نہیں کر سکی خصوصاً بجلی کے بحران کا پہلا سال وزیر بجلی راجہ پرویز اشرف کے لوڈشیڈنگ ختم کرنے پر گزر گیا۔ لوڈشیڈنگ تو کیا ختم ہوتی کراچی سے نکل کر پورے ملک میں پھیل گئی اور آج پورا ملک اس لوڈشیڈنگ کے عذاب سے دوچار ہے اور ہمارے موجودہ وزیرِ بجلی نوید قمر صاحب نے فرمایا کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ 2012ء میں بھی نہیں ختم ہوگی مگر اسکے فوراً بعد آزاد کشمیر کی لوڈشیڈنگ کے خاتمے کا اعلان پی پی پی آزاد کشمیر کے صدر کے کہنے پر کر دیا گیا۔ کیونکہ آزاد کشمیر میں الیکشن ہونے والے ہیں گویا معاشی بحران حل کرنے کے بجائے صرف الیکشن پر نظر رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اس 3 سالہ دور میں بڑے بڑے لطیفے دیکھنے میں آئے مثلاً جب جعلی ڈگریوں کا اسکینڈلز سامنے آیا تو بہت سے وزراء بھی اسکی زد میں آئے یہاں تک کہ ہمارے بلوچستان کے وزیراعلیٰ نے ایک تاریخی جملہ بھی کہا کہ ڈگری تو ڈگری ہوتی ہے اصلی ہو جعلی یار لوگوں نے ہنس کر بات ٹال دی وہ تو اچھا ہوا کہ صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری صاحب نے اقتدار میں آکر پرویز مشرف کی طرف سے لگائی گئی گریجویٹ کی پابندی ختم کر دی اور معاملہ آہستہ آہستہ ختم ہوگیا۔

وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی کی کابینہ میں ایک وزیر قیوم جتوئی صاحب نے تو کرپشن کو سیاست کے لئے ضروری قرار دے دیا یہ سچ انہیں بہت مہنگا پڑا اور انہیں وزارت سے ہاتھ دھونا پڑا مگر چند دن قبل قومی اسمبلی کے اجلاس میں وزیر مملکت برائے اقلیتی امور اکرم مسیح گل نے تو عجب گل کھلایا اور اسمبلی ہی میں وزیر اعظم صاحب کی کرسی کے سامنے دھرنا دے ڈالا جس کو وزیر اعظم اور چیئر پرسن اسپیکر محترمہ فہمیدہ مرزا صاحبہ نے بھی برا منایا۔ اب دیکھتے ہیں ان صاحب کی وزارت کا کیا بنے گا مگر یہ تاریخی اکلوتا واقعہ بھی اس جمہوری دور میں پیش آیا اس دور میں سیاسی جوڑ توڑ کے بھی بہت انوکھے واقعات پیش آئے جو محترمہ بے نظیر بھٹو کے ادوار میں بھی دیکھنے کو نہیں ملے مگر صدر زرداری صاحب نے سیاسی عمل میں کمال ہی دکھا دیئے مثلاً پہلے مسلم لیگ (ن) کی پارٹی کے ساتھ الحاق کر کے انہیں بہت بڑی بڑی وزارتیں دے دیں، یہاں تک کہ وزارتِ خزانہ بھی دے دی مگر مسلم لیگ (ن) والے چند ہی ماہ میں اتحاد ختم کر کے حزبِ اختلاف کی کرسیوں میں جا بیٹھے۔ ٹھیک 3 سال بعد مسلم لیگ (ق) کے صدر صاحب معمولی وزارتوں کے عوض اتحاد میں شامل ہو گئے اس کا مسلم لیگ (ق) کو بہت نقصان پہنچا اور وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی اور ایک رکن قومی اسمبلی سندھ سے تعلق رکھنے والی ماروی میمن صاحبہ نے تو بجٹ اجلاس میں پارٹی کے خلاف ووٹ دے کر استعفیٰ بھی دے دیا جبکہ ان کے والد بزرگوار ابھی تک مسلم لیگ (ق) سے وابستہ ہیں، البتہ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی اس اتحاد کی بدولت اپنے صاحبزادے مونس الٰہی جو این آئی سی ایل اور الائیڈ بینک کے اربوں روپے کے اسکینڈلز میں سپریم کورٹ کے حکم سے گرفتار زندان جیل ہیں شاید الزامات سے بچ جائیں اور معاملہ مک مکا ہو جائے مگر اس اتحاد سے نواز شریف صاحب بہت چراغ پا ہیں انہوں نے اپنی سیاست کا رخ الزامات کی بھرمار سے صدر آصف علی زرداری کی طرف موڑ دیا ہے۔ انہیں فیملی اپوزیشن کا چوغہ اتارتے ہوئے کرپشن کا استاد قرار دیا جواب میں صدر زرداری

صاحب نے بھی 3 سالہ خاموشی کو توڑ کر نواز شریف صاحب کو مولوی کا خطاب دے ڈالا اور ساتھ ساتھ اپنی شاگردی میں لینے کا اعلان بھی کر ڈالا، انہوں نے محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی حالیہ سالگرہ کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے یاد دلایا کہ اگر وہ پرویز مشرف کی صرف ایک شرط پر نواز شریف کو سیاست سے دور رکھنے والی بات مان لیتے تو آج نواز شریف سیاست سے باہر ہی رہتے مگر انہوں نے مسلم لیگ (ن) کو سیاست میں واپس لانے کا اہم کردار ادا کیا مگر میاں صاحب ان کا احسان ماننے کے بجائے ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ ان ہی کی دیکھا دیکھی ایک طرف مسلم لیگ (ن) کے عمائدین جن میں چوہدری نثار، احسن اقبال، سعد رفیق مورچہ لگا کر صدر صاحب پر الزامات لگا رہے تو دوسری طرف پی پی پی کی وزیر اطلاعات و نشریات محترمہ ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان اور شرجیل میمن مسلم لیگ (ن) کے خلاف جوابی حملہ آور ہیں دونوں کی طرف سے گھمسان کی جنگ جاری ہے اور عوام بجلی، مہنگائی، دہشتگردی کے ستائے ٹک ٹک دونوں کی طرف دیکھ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنے مسائل کس سے حل کروائینگے۔

حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دونوں عوام کو گویا ایسے بھول چکے ہیں کہ انہیں آئندہ الیکشن ہی نہیں لڑنا اس جنگ میں سورۂ اخلاص فہم ہمارے وزیر داخلہ رحمان ملک صاحب نے کود کر عجیب بیان دے کر سب کو حیران و پریشان کر دیا اور میڈیا پر آ کر فرمایا اگر ان کی پارٹی قیادت اجازت دے تو وہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے قاتلوں کے نام بتا سکتے ہیں، تعجب ہے کہ ہمارے چیف جسٹس صاحب نے اگر سوموٹو ایکشن لے کر نام پوچھ لیا تو وہ کس کس کا نام لینگے جبکہ انہی کی پارٹی کے سابق وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی بار بار اپنی حالیہ تقاریر میں کہہ چکے ہیں کہ شہید بے نظیر بھٹو صاحبہ اپنی زندگی میں جس جس پر شک ظاہر کرتی تھیں وہ سب کابینہ میں شامل ہیں اگرچہ انہوں نے کسی کا نام نہیں لیا۔ قوم اور خصوصاً پی پی پی کے کارکن حیران ہیں وزیر داخلہ آخر نام بتانے میں کیوں اتنا عرصہ گزر جانے کے

باوجود کترا رہے ہیں اس جمہوری دور میں امریکہ کے ایک جریدے "فارن پالیسی" نے پاکستان کو امریکہ کی بے جا حمایت کرنے اور اسکی پالیسی اپنانے کی وجہ سے دنیا کے 12ویں نمبر پر نا کام ریاستوں میں نام لکھوالیا ہے گویا دنیا کی 177ریاستوں میں مشرف دور میں 147ویں نمبر پر تھا صرف 3 سالوں میں ہمیں دنیا کی نظروں میں امریکن پالیسیاں اپنانے کی یہ سزا ملی۔حکومت کی طرف سے کوئی موقف بھی سامنے نہیں آیا اسی دور میں صوبۂ سندھ کے وزیراعلیٰ سید قائم علی شاہ صاحب کا بیان بھی نظروں سے گزرا کہ ہم فرشتے نہیں جواتنے بڑے شہر کراچی میں امن قائم کردیں ،تعجب اس بات پر ہے کہ کراچی کی تین بڑی طاقتیں پی پی پی،ایم کیوایم اوراےاین پی اقتدار میں شامل ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ 3 سال گزرجانے کے بعد ہمارے وزیراعلیٰ یہ بیان دے کر حقائق سے کنی کترا رہے ہیں کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ امن کی راہ میں کون حائل ہے اور ٹارگٹ کلنگ کو کس کس کی پشت پناہی حاصل ہے۔

لوڈشیڈنگ اور بجلی کا بحران

پورا ملک لوڈشیڈنگ کا عذاب بھگت رہا ہے،بجلی کے اس بحران نے صنعتکاروں ،تاجروں اور دوکانداروں کو معاشی بحران میں مبتلا کر دیا ہےتو ساتھ ساتھ 18 کروڑعوام گرمی کے اس موسم میں دن رات پریشان ہیں نہ حکومت کے کانوں پر جوں رینگتی ہےاور نہ ہی حزب اختلاف اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔عوام جائیں تو جائیں کہاں ایک لے دے کر عدلیہ باقی رہ جاتی ہے سووہ بھی سوموٹو ایکشن لے لے کر خاموش ہوچکی ہے۔بہت سے شہروں میں تو صنعتیں بند ہوچکی ہیں ہمارے ایکسپورٹ آرڈر بھی وقت پر سپلائی نہ ہونے کی وجہ سے منسوخ ہو چکے ہیں۔ بھارت اور چین سے ہم پاکستانی روپے کی کم قیمت ہونے کے باوجود مقابلہ نہیں کرسکتے۔کراچی جو ملک کو دوتہائی ٹیکس اورزرِمبادلہ کما کر دیتا ہے کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے ہاتھوں یرغمال بناہوا ہے۔پہلے 4 گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ ہوتی تھی اب جوں جوں گرمی بڑھ رہی ہے 18 گھنٹوں تک لوڈشیڈنگ پہنچ چکی ہےعوام راتیں سڑکوں پر گذارنے پر مجبور ہیں۔کےای ایس سی نے اپنے 4ہزار ملازمین کو حکومت کے سرپلس پول میں ڈلوا کر زخموں میں اضافہ کروادیا اب ان کو گولڈن شیک ہینڈ کی آفر کی مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔بہت بھاری اکثریت نے گولڈن شیک ہینڈ لینے سے انکار کردیا تو ان کی نوکریاں ختم کردیں جس کی وجہ سے وہ 3ماہ سے ہڑتال پر ہیں۔اس ادارے کے اندرونی ذرائع بتاتے ہیں کہ یہ ہڑتال انتظامیہ کی ملی بھگت سے یونین لیڈروں کو ساتھ ملا کر کی گئی ہے یہ سب نورا کشتی ہے اور کچھ نہیں۔کےای ایس سی صرف واپڈا سے ملنے والی بجلی جو صرف 25فیصد ضرورت اور کھپت کی تھی ہے وہ ہی آگے عوام کو دے رہی ہے بقایا 75فیصد اس کو خام اور فرنس آئل ڈیزل سے پیدا کرنی پڑتی ہے۔چونکہ اس کی لاگت زیادہ آتی ہےتو وہ اس نام نہاد خسارے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔اس میں کچھ حکومتی ذمہ دار بھی ملے ہوئے

ہیں جو اس بحران کو حل کرنے کے بجائے اپنا ذاتی فائدے اُٹھا کر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں کیونکہ کے ای ایس سی لوڈشیڈنگ کے باوجود Average ٹل بھیج بھیج کر ایک طرف عوام کو بے وقوف بنا رہی ہے تو دوسری طرف خسارے کے بجائے درپردہ نفع کما رہی ہے۔ اگر تمام ملازمین ہڑتال پر ہیں تو یہ ٹل کہاں بنائے جا رہے ہیں لوڈشیڈنگ کے لئے علاقوں میں بجلی بند اور کھولنے کے لئے ملازمین کہاں سے دستیاب ہیں۔ شکایت درج کرانے کے لئے تو اس نے دفاتر بند کر رکھے ہیں کہ یونین کے غنڈے کام کرنے نہیں دیتے جبکہ خاموشی سے اس کے ملازمین پرائیویٹ طور پر جا کر صنعتکاروں کے بریک ڈاؤن ختم کر دیتے ہیں اور بجلی چالو کر دی جاتی ہے جو دوکانداروں اور صنعتکاروں کو پیسے نہیں دیتے تو دورانیہ کو طول کر دیتے ہیں دوسری طرف بجلی کے نہ ہونے کے باوجود بجلی کے ٹل اب بھی پورے کے پورے آ رہے ہیں جبکہ یہی عوام اور صنعتکار ذاتی جنریٹروں سے اپنا کاروبار اور فیکٹریاں چلا کر گذارہ کر رہے ہیں جو ایک اضافی اخراجات کی صورت میں انہیں برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ اس پر مزید 4.50 روپے ایکسٹرا سرچارج کی بات کی جا رہی ہے اگر ایسا کیا گیا تو پھر یہ صنعتکار اور دوکاندار مجبوراً قیمتوں میں اضافہ کرنے پر مجبور ہو جائینگے اس کا کُل بوجھ بھی عوام پر پڑے گا جو پہلے ہی مہنگائی کے ہاتھوں پریشان ہیں، دوسری طرف کل ہی ہمارے وزیر پیٹرولیم نے یکم جولائی سے 10 سے 100 فیصد تک گیس کی قیمتوں میں اضافے کا اعلان کر دیا ہے وجہ اس کی سبسیڈی ختم کرنے سے جو نقصان حکومت اٹھا رہی تھی اب اس کو بھی عوام کے کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ غالباً یہ سب کچھ ہمارے وزیر خزانہ اور آئی ایم ایف کی ہدایت پر کیا جا رہا ہے ہر طرف سے عوام پر بوجھ ڈال کر بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ اب جب بجٹ میں 2 ارب روپیہ زیادہ وصول ہو چکا ہے تو پھر یہ سبسیڈی بند کرنے کی کیا وجہ ہے؟

کرپشن کی روک تھام اور فضول اخراجات سے ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا اس میں سب کے سب ملوث ہیں

رشوت اب کھلے عام لی جاتی ہے بغیر اس کے کوئی صحیح کام بھی نہیں ہوتا۔ عوام سوال کرتی ہے کہ اگر یہی سب کچھ ہونا تھا تو پھر کے ای ایس سی کی نجکاری کیوں کی گئی تھی اس ادارے کو خریدتے وقت یہ تمام یقین دھانیاں کرائی گئیں تھی کہ اول اس میں اضافہ نہیں کیا جائیگا اور خریدار خود اپنے پیسوں سے بجلی خرید کر صارف کو پہنچائے گا۔ ملازمین کی بھی کانٹ چھانٹ نہیں ہوگی اس میں نیا سرمایہ لگا کر سستی بجلی پیدا کی جائیگی۔ مگر سب کچھ کاغذی کاروائی تھی اس وقت کی پرویز مشرف کی حکومت تمام اداروں کو نجکاری کرنے پر تلی ہوئی تھی سودا تو ہوگئی مگر جب خریدار نے شرائط پوری نہیں کی تو اس سے ادارے کو واپس کیوں نہیں لے کر دوبارہ پرانا نظام بحال کرنا چاہئے تھا نہ کہ اس کے اکاؤنٹ منجمد کر کے عوام کو مزید مشکلات میں ڈال دیا گیا ہے۔ اب کے ای ایس سی جو پہلے ہی اپنا سرمایہ نکال کر باہر منتقل کر چکی ہے اس کو کھلا بہانہ جو ملازمین کی ہڑتال کا ملا ہوا تھا اب اس کے اکاؤنٹ کو منجمد کرنے سے سونے پر سہاگہ ثابت ہوگا کہ ہمارے پاس فرنس آئل اور ڈیزل خریدنے کے لئے اور بقایا ملازمین کی تنخواہوں کے پیسے ہی نہیں ہے تو عوام کیا کر پنگے سڑکوں پر آ کر اپنی ہی املاک اور بسوں، گاڑیوں کو آگ لگائینگے ویسے بھی پوری دنیا میں پیٹرول سستا ہو چکا ہے پھر سے 80 ڈالر کے قریب پہنچنے والا ہے تو پیٹرول کی شارٹیج کر کے اس نئے بحران کو ہوا دی جا رہی ہے جہاں ہر بات پر کمیشن بنانے کی بات کی جاتی ہے تو کیوں نہ عدلیہ خود اس نجکاری کا ریکارڈ طلب کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرے۔ قوم کو پتا چلے کہ اس میں کس کس نے ہاتھ رنگے ہیں اور جو بھی اس میں ملوث پایا جائے اس کو سزا دے کر عوام کا مسئلہ حل کروائیں اگر اب بھی اس مسئلے پر توجہ نہ دی گئی تو ہماری معیشت کا بھٹہ بیٹھ جائیگا اور بجٹ کا خسارہ اور بڑھ جائیگا۔ ہم ایران اور چین سے جو سستی بجلی فروخت کرنے کے لئے تیار ہیں کیوں نہیں خرید کر اس مسئلے کو حل کرتے کیا قباحت آڑے آ رہی ہے قوم کو بتایا جائے۔

﴾ماضی کے سیاسی الائنس کا انجام﴿

ملک میں آج کل گرینڈ الائنس کا شور ہے گرینڈ الائنس کرنے میں مولانا فضل الرحمٰن نے پہل کی پھر مسلم لیگ (ن) نے بھی اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کا عندیہ دے ڈالا۔ایم کیو ایم جو حال ہی میں پی پی پی حکومت سے علیحدہ ہوئی ہے وہ بھی اس الائنس میں دلچسپی رکھتی ہے خصوصاً مسلم لیگ (ن) جو ایک زمانے میں ایم کیو ایم سے ناراض تھی آج وہ پچھلے اختلافات بھلا کر اپوزیشن بنچوں پر ایک ساتھ بیٹھنے کے لئے تیار ہوگئی ہے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق خیر سگالی کے لئے مسلم لیگ (ن) کے زعماء کراچی میں 90 پر جانے کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔اور متحدہ کی رابطہ کمیٹی کے اراکین اس کے جواب میں رائے ونڈ جا رہے ہیں دونوں جماعتیں اب مل کر کوئی اہم لائحہ عمل تیار کرنے کی تگ و دو کر رہی ہیں۔اور عالبا دونوں جماعتیں فرینڈلی اپوزیشن ختم کر کے حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کرنا چاہتی ہیں۔ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا مگر متحدہ قومی موومنٹ اب واپس پی پی پی کے ساتھ ہاتھ ملانے کے لئے تیار نہیں ہے۔اب موجودہ حالات میں جو پی پی پی دور کے سوغاتیں یعنی لوڈشیڈنگ،بجلی کا بڑھتا ہوا بحران،کراچی کی موجودہ صورتحال جس میں خونریزی ،دہشتگردی،گھیراؤ جلاؤ اور عوام جو بہت سے علاقوں میں محصور ہو چکے ہیں۔اس سے نکل کر نیا لائحہ عمل بڑتال کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔جو مزید کشیدگی کا باعث ہوگا تو ہوگا اور حالات بگڑ کر کس نہج پر جاتے ہیں کچھ کہنا قبل از وقت ہے کیونکہ یہ لسانی فسادات کا کھلا اشارہ دے رہے ہیں اور بہت سے مقامات پر مورچہ بند فائرنگ کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔رینجرز کراچی شہر میں سرفراز کے قتل والے واقعہ کے بعد اپنی آزادانہ پیش رفت ختم کر کے پولیس کے ماتحت کام کرنے کی خواہشمند ہے۔گویا کراچی کے شہری اب مزید غیر محفوظ ہوتے جا رہے ہیں۔ماضی کی ہولناک لسانی اور طبقاتی جنگ ایک مرتبہ کسی بھی فریق کی غلطی یا ہٹ دھرمی سے پھر شروع ہو سکتی ہے

۔ایک ماہ میں ایک ہزار سے زائد معصوم شہری اس کا نشانہ بھی بن چکے ہیں۔حکومت نام کی کوئی شے اس شہر میں اب نظر نہیں آتی کسی سیاسی جماعت کو کراچی کی بگڑتی صورتحال کا حل ممکن نظر نہیں آتا ۔سب چپ سادے بیٹھے ہیں۔البتہ میڈیا ان سیاستدانوں کو آپس میں الجھا کر کچھ کرانے پر زور دے رہا ہے۔اس گرینڈ الائنس کو ہوا بھی میڈیا کی طرف سے ملی ہے اگر ہم ماضی کے الائنس یا گرینڈ الائنس پر نظر ڈالیں۔تو سب سے پہلے 1958 میں جب تمام سیاست دان ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور دن رات حکومتیں بنتی تھیں۔اور ہفتے ہفتے بھر میں ٹوٹتیں تھیں۔اور ایسے میں اُس وقت کے ایک مشہور سیاستدان خان عبدالقیوم خان نے 32 میل لمبا تاریخی جلوس نکال کر فوج کا راستہ ہموار کر دیا۔اس سیاسی کشمکش کی وجہ سے پہلا مارشل لاء ایوب خان نے فائدہ اُٹھا کر سب کی بساط اُلٹ دی اور 10 سال تک حکومت کی۔اور پھر جب ایوب خان کے خلاف سیاستدان پھر یکجا ہوئے تو یحییٰ خان نے ایوب خان کو کنارے لگا کر دوسرا مارشل لاء لگایا جس کی وجہ سے 1971 میں ملک دو ٹکڑے ہو گیا پھر جمہوری حکومت پی پی پی وجود میں آئی۔مگر 1977 میں تمام سیاستدان اکھٹے ہو کر پی پی پی کی حکومت کے خلاف ڈٹ گئے اور ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو گرانے کے لئے پی این اے (پاکستان نیشنل الائنس) بنا کر سڑکوں پر نکل آئے ہنگامے ہوئے بھٹو صاحب نے الیکشن بھی کروائے مگر اُن الیکشن کو دھاندلی بتا کر اپوزیشن نے احتجاجی سیاست شروع کی اور پھر فوج کو موقعہ ملا۔اور ضیاء الحق نے تیسری بار حکومتی مارشل لاء لگا کر 11 سال حکومت کی ۔ضیاء الحق کا جہاز گرا تو قوم کو فوج سے نجات ملی پھر جمہوری دور شروع ہوا۔الغرض پی پی پی اور مسلم لیگ ن نے ماضی سے سبق نہیں سیکھا اور بار بار حکومت کی تبدیلی ہوتی رہی پھر مسلم لیگ ن نے پرویز مشرف جو چیف آف آرمی اسٹاف کے حیثیت سے سری لنکا سے واپس آ رہے تھے جہاز میں اُن کو معزول کر دیا جو بعد میں اُن کی حکومت کے خاتمے کا سبب بنا اور پرویز مشرف صاحب اقتدار پر

قابض ہو گئے پھر مزے سے 8 سال اقتدار سے چمٹے رہے اور پھر چیف جسٹس صاحب کو معزول کرنا اُن کی بدقسمتی کا سبب بنا اور وہ بھی اقتدار سے باہر ہو گئے۔اب گزشتہ 3 سال سے جمہوریت واپس لائی گئی پی پی پی اور دیگر جماعتیں مل کر شریک اقتدار رہی مگر جمہوریت ہم کو کم ہی راس رہی صرف 3 سال کے بعد سیاسی رسہ کشی پھر شروع ہو گئی اور اب مسلم لیگ ن پوری تیاری کے ساتھ پی پی پی کی حکومت گرانے کے لئے ہر قدم اٹھائے میدان سیاست میں صرف ایک نقطہ پر یعنی کسی طرح بھی پی پی پی کی حکومت ختم کرنے کا مکمل ارادہ رکھتی ہے۔چاہے اُس کے لئے اُن کو کسی سے بھی الحاق کرنا پڑے نہ مسلم لیگ ن نے یا اس لائنس نے کوئی تیاری کی نہ کوئی ایجنڈا بنایا کہ وہ کس طرح امریکہ سے تعلقات بحال کر کے اپنے آپ کو افغانستان جنگ سے گلوخلاصی کرائے ،بجلی کی لوڈشیڈنگ ،معیشت کی تباہی سے کیسے چھٹکارا پایا جائے ،دہشتگردی سے عوام کو کیسے نجات دلوائے جائے ،مہنگائی ،بیروزگاری کیسے دور ہو سکتی ہے۔پاکستان کیسے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتا ہے ۔کرپشن جو اپنے عروج پر ہے کیسے قابو پا کر آئندہ کے لئے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ایسا کوئی جواب اس گرینڈ الائنس بنانے والوں کے پاس نہیں ہے پھر حالات کیسے قابو میں آسکتے ہیں اگر اسی طرح افراتفری بڑھی تو اب عوام کے صبر کا پیمانہ بھی خصوصاً جو لوڈشیڈنگ اور دہشتگردی سے منہ کو آچکا ہے سڑکوں پر آنے میں اب کوئی کسر نہیں باقی جو اس ریلے کو روک سکے۔کیا پھر ایک نئے مارشل لاء کے راہ ہموار کر رہے ہیں۔آخر یہ سیاستدان اپنی اپنی دوکان چمکانے میں لگے ہوئے ہیں۔عوام کے مسائل کا حل سب مل کر کیوں نہیں تلاش کرتے سب کو نگے ،بہرے ،اندھے بنے ہوئے ہیں ۔رات دن ٹی وی چینلز میں بیٹھ کر ایک دوسرے پر پتھر برسا رہے ہیں سچ اور رواداری اب ختم ہو چکی ہے۔الزامات کے ڈھیروں سے اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ایک دوسرے پر الزامات اور کرپشن میں ملوث ہو کر مدہوش ہو چکے ہیں۔عدلیہ کو بھی بھنور میں ڈال رکھا ہے۔ہر توڑ کا جوڑ اور جوڑ کا توڑ

میں ہمارے حکمران ایک دوسرے کو بیوقوف بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔کب تک یہ کھیل جاری رہے گا۔عوام ان سب سے بیزار ہو چکے ہیں۔بہت سے پڑے لکھے تو اب مشرف دور کو بہتر بتاتے ہے،کم از کم اتنی کرپشن لوٹ مار،مہنگائی اور بجلی کی لوڈشیڈنگ تو نہیں تھی۔صرف 3 سال کے عرصے میں پاکستان کو نا کام ریاستوں کی قطار میں لانے میں لگے ہوئے ہیں۔خدارا اگر گرینڈ الائنس بنانا ہے تو عوام کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایک پاکستانی ہونے کا ثبوت دیں ورنہ ماضی کے الائنس کے انجام کے لئے تیار ہو جائیں اب زیادہ وقت نہیں ہے نئی تاریخ پھر رقم ہو سکتی ہے۔خدارا ہوش کے ناخن لیں اور وقت کی نزاکت کو سمجھیں کہیں وقت قیامت کے چال نہ چل جائے سب دیکھتے ہی رہ جائیں۔

نئے صوبوں کی سوچ

3ماہ سے کراچی کے حالات بہت گھمبیر ہو رہے تھے۔ ہر طرف ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کا راج تھا۔ تینوں متعلقہ سیاسی جماعتیں جو حکمرانی کر رہی تھیں۔ جن میں پاکستان پیپلز پارٹی، متحدہ قومی موومنٹ اور اے این پی سب اس دہشت گردی کا سدباب کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ پھر الزامات کی بوچھاڑ میں متحدہ نے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ رحمٰن ملک بھی ان کو منا کر لانے میں ناکام ہو گئے۔ شہر میں امن وامان بگڑ کر تباہی کے دہانے کی طرف گامزن تھا کہ ایسے میں سابق وزیر داخلہ سندھ ذوالفقار مرزا نے ایک سیاسی تقریب میں جناب الطاف حسین اور ان کے گورنر عشرت العباد خان جنہوں نے کراچی کی تاریخ میں سب سے زیادہ گورنر رہنے کا ریکارڈ توڑ رکھا تھا۔ ان کے خلاف نازیبا کلمات کہہ کر اور پھر سارے اردو بولنے والوں کیلئے جوش خطابت میں ایسے الفاظ استعمال کیے کہ پورا سندھ سراپا احتجاج بن گیا۔ چند گھنٹوں میں پورا کراچی، حیدرآباد اس کی لپیٹ میں آ گیا پھر یہ کہہ کر کہ سندھ میں نیا صوبہ ہماری لاشوں پر بنے گا وغیرہ وغیرہ جو ہمارے میڈیا نے بار بار دکھایا۔ میں دہرانے کا دوبارہ تجربہ نہیں کروں گا۔ البتہ اس خطرناک صورتحال کو متحدہ کے الطاف حسین کی دوراندیشی کو سہرا دونگا۔ کہ انہوں نے بروقت تمام لوگوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے، پُر امن رہنے اور ہڑتال، جلاؤ گھیراؤ بند کرنے کا حکم دیا اور شہر کو آگ وخون کی ہولی کھیلنے والوں سے بچا لیا تو دوسری طرف ہمارے صدر پاکستان آصف علی زرداری نے بھی اپنے شعلہ بیان سینئر وزیر کو اسلام آباد طلب کر کے اس جلتی ہوئی آگ پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔ یوں جا کر امن وامان کی فضاء ہموار ہوئی اور کراچی کے عوام نے سکون کا سانس لیا۔

سیاسی صورتحال اس ملک میں اگرچہ گذشتہ 3 سالوں میں کافی بگڑ چکی ہے۔ سیاسی گٹھ جوڑ اپنے عروج پر ہے ساتھ ساتھ پاکستان میں صوبے بڑھانے کیلئے اکثر آوازیں ابھرتی رہی ہیں۔ خصوصاً

پنجاب میں سرائیکی صوبہ، پختونخواہ میں ہزارہ صوبہ اور اب پھر سے سندھ میں کراچی صوبے کی آوازیں دوبارہ سنائی دے رہی ہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس ملک میں اتنے تجربات ہوئے ہیں کہ جس کی مثال کسی اور ملک میں نہیں ملتی مثلاً پہلے ہی پاکستان سمندروں میں بٹا ہوا ملک ملا جس کو مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کہتے تھے۔ پھر ہمارے بوجھ بجھکو سیاست دانوں نے ان کے صوبوں کو الگ الگ ملا کر ون یونٹ بنا ڈالا جس سے صرف 2 صوبے رہ گئے اس کے پیچھے کیا کہانی تھی وہ آج تک صیغہ راز ہے۔ پھر پہلا مارشل لاء لگا ایک دارالخلافہ ڈھاکہ بھی بنا دیا گیا۔ دوسرا مارشل لاء لگا تو یحیٰی خان نے ون یونٹ توڑ کر دوبارہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے صوبے بحال کر دیئے۔ الغرض یہ بھی نظام پاکستان کو راس نہیں آیا اور انہی کے فوجی دور میں ملک ٹوٹ گیا۔ اب صرف مغربی پاکستان اور صرف نیا پاکستان بن گیا۔ اب اس کے 5 صوبے تھے کہ نئے پاکستان میں کراچی صوبے کی آوازیں بلند ہوئیں مرزا جواد بیگ اس آواز کے روح رواں تھے مگر آوازیں دبا دی گئیں سارا مرکزی نظام اسلام آباد پہنچا دیا گیا۔ مگر ان صوبوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچا گیا کہ دنیا میں نئے صوبوں کا نظام کیوں لایا جاتا ہے۔ ماضی میں ضیاء الحق نے بھی اس پر تجربہ کرنا چاہا تھا اور ایک کمیشن انصاری صاحب کی سربراہی میں تشکیل دیا تھا اس انصاری کمشین نے اپنی حتمی رائے میں سفارش کی تھی کہ ہمارے ملک کو ڈویژن کی بنیاد بنا کر اس کو صوبوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ غالباً اس وقت 18 ڈویژن ہوتے تھے۔ ضیاء الحق اس پر آمادہ تھے اور وہ اعلان متوقع تھا کہ ان کے جہاز کا حادثہ اس منصوبے کو اپنے ہی ساتھ لے کر تباہ ہو گیا۔ پھر سرائیکی صوبے والے بھی غل مچا کر خاموش ہو گئے کہتے ہیں پنجاب والوں نے انہیں ابھرنے نہیں دیا۔ پھر چند سال قبل ہزارہ صوبے کا شور بھی بلند ہوا اور وہ آج خانپور کے ڈیم میں ڈوبا ہوا ہے پھر اچانک بلتستان کا صوبہ جس کا کوئی شور بھی نہیں ہوا تھا اچانک نیا صوبہ بنا کر بلتستان کے عوام کو حیران کر دیا گیا۔ راقم نے سوال کیا

تھا کہ صوبے کیوں بنائے جاتے ہیں اور آج تک سوائے پاکستان کے ہر ملک میں نئے نئے صوبے وجود میں آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے مثلاً قیام پاکستان کے وقت بھارت میں صرف 13 صوبے تھے آج 28 صوبے اور 7 یونٹ (آزاد) ہیں۔ گویا 35 صوبے ہو چکے ہیں کیونکہ گذشتہ 60 سال میں بھارت کی آبادی دگنی ہو چکی ہے مگر صوبے 4 گنا بنائے گئے۔ صوبوں کے بنانے میں عوام کی مشکلات کو حل کرنے کا عنصر سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ عوام کو جگہ جگہ دور دور جانے کے بجائے اپنے ہی علاقے میں ہر چیز میسر آجائے اور خصوصاً انتظامی معاملات بڑے بڑے شہروں میں بہت گھمبیر ہوتے ہیں۔ اس لیے شہروں کو صوبوں کا درجہ دے کر وہاں کے عوام کو مشکلات سے نکالا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم ڈسٹرکٹ کی سطح تک تو مانتے ہیں، ڈویژن بھی بڑھا دیتے ہیں مگر صوبوں کے نام سے ہم کو پاکستان کمزور یا ٹوٹتا نظر آتا ہے۔ پھر ہمارے ہاں آبادی کے لحاظ سے ایک صوبہ پنجاب بہت بڑا ہے۔ اتنا بڑا ہے کہ جس میں بقایا 3 صوبوں کی آبادی سمٹ آتی ہے مگر رقبہ کے لحاظ سے بلوچستان پورے ملک سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے کم ہے۔ اسی طرح سندھ معاشی لحاظ سے 65 فیصد مرکز کو ریونیو دیتا ہے جس میں صرف کراچی کا 97 فیصد حصہ بنتا ہے۔ اور پورے سندھ کی آبادی کا صرف ایک تہائی ہوتا ہے۔ اس فرق کو بقایا سندھ اپنا حصہ منوا کر کراچی پر حکمرانی کرتا ہے جس کی وجہ سے آج تک صوبہ سندھ کا وزیراعلیٰ اردو بولنے والوں کا نہیں آسکا اور ہمیشہ اندرون سندھ آبادی کی وجہ سے اس کے حصے میں آیا۔ البتہ اس کا ازالہ گورنر سندھ بنا کر دیا جاتا ہے جبکہ اس صوبے میں اردو بولنے والے، پنجابی بولنے والے اور پشتو بولنے والے اکثریت میں ہیں۔ صوبہ بلوچستان میں ہمیشہ بلوچ وزیراعلیٰ ہوتا ہے مگر آبادی میں بلوچوں کا دوسرا نمبر آتا ہے دیگر زبانیں بولنے والے پشتون، براہوی، سندھی، پنجابی سب مل کر اکثریت میں ہونے کے باوجود اپنا وزیراعلیٰ نہیں بنوا سکتے۔ یہی حال پنجاب میں سرائیکی علاقے ابھی تک اپنے حقوق

نہیں منوا سکے۔ پختونخواہ صوبے میں بھی اکثریت اب غیر پختونوں کی ہے مگر گورنر اور وزارت اعلیٰ صرف پختونوں کے حصے میں آتی ہے اور تمام انتظامی امور پر بھی انہی کی دسترس ہے۔ پورے ملک میں صوبے نہ بڑھانے سے ایک طرف تو لسانی امور پر لوگ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے علاقائی سیاست اور تعصب پیدا ہوتا ہے اگر آبادی کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو ایک ایک شہر آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہو چکا ہے جتنا بڑا دنیا میں ایک ملک بھی نہیں ہے۔ پھر اس کے مسائل حل کرنے کیلئے انتظامی امور بے کار ہو چکے ہیں اس لیے ہمارے مفکرین بلا تعصب بیٹھ کر پوری دنیا کے نقشوں پر نظر ڈالیں۔ آخر افغانستان جس کی آبادی صرف 3 کروڑ 60 لاکھ ہے اس میں 34 صوبے کیوں ہیں۔ ایران ساڑھے چھ کروڑ آبادی کیلئے اس کے 34 صوبے کیوں ہو چکے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا جس کی آبادی 25 کروڑ ہے اس کے 30 صوبے کیوں بن چکے ہیں۔ امریکہ دنیا کا سب سے مضبوط ترین ملک جس کی آبادی 32 کروڑ ہے اور اس کے 51 صوبے ہیں۔ معاشی لحاظ سے سب سے امیر ترین ملک سوئیزرلینڈ جس کی آبادی صرف 65 لاکھ (ایک تہائی کراچی کی آبادی) ہے اس کے 26 صوبے ہیں۔ سنگاپور جس کی آبادی 50 لاکھ سے بھی کم ہے اس کا صرف ایک ہی شہر ہے جس کا نام بھی سنگاپور ہے اس کے 63 جزیرے نما صوبے ہیں جو الگ الگ اور خودمختار ہیں۔ جن کو ملا کر سنگاپور کہلایا جاتا ہے۔ چائنا آبادی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہے اس کی ڈیڑھ ارب آبادی ہے اس ملک کے بھی 34 صوبے ہیں۔ آذربائیجان میں وجود آنے والا ملک جس کی آبادی ایک کروڑ ہے اس کے 59 صوبے ہیں۔ الغرض دنیا کے 201 ممالک کی فہرست میں پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کے صرف 4 صوبے ہیں اور آبادی کے لحاظ سے وہ پانچویں نمبر پر اور مسلم ممالک میں دوسرے نمبر پر آتا ہے اور ہمارے ملک میں نئے صوبے کی بات کرنے سے اس صوبے کے عوام کے جذبات بھڑک جاتے

ہیں۔نہ جانے کب تک ہم اس سوچ میں ڈوبے رہیں گے کہ صوبے بڑھانے سے پاکستان کمزور ہو جائے گا۔آج سب سے کمزور ملک پاکستان کو ہی سمجھا جاتا ہے مگر پوری دنیا اپنے عوام کی بھلائی کی خاطر اپنے ملک میں ہر سال نئے صوبوں کی تشکیل کو خوش آئند قرار دیتی ہے۔اگر کسی کو یقین نہیں ہے تو وہ انٹرنیٹ پر جا کر World Statistics پر جا کر Population Statistics سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے میں نے صرف چند ممالک کے حوالے دیئے ہیں اس پر تو 500 صفحات کی ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے جس کی میں ایک سال سے کوشش کر رہا ہوں۔

﴿ کاش ہم پاکستان کی افادیت کو سمجھیں ﴾

کراچی میں ٹارگٹ کلنگ گذشتہ 3 ماہ سے دن بہ دن زور پکڑ رہی تھی ایسے میں میرے ایک مہربان دوست ڈاکٹر جو حال ہی میں فوج سے ریٹائر ہو کر ٹیکسلا میں واقع ہیوی مشینری کمپلیکس کے مرکزی ہسپتال میں انچارج لگ گئے تھے۔چونکہ انہوں نے کراچی میں بہت وقت میر چھاؤنی میں گزارا تھا اور فوج اور سول اداروں کی شراکت میں میر کینٹ میں میڈیکل کالج بنانا چاہتے تھے جس میں میرے ادارے نے بھی مل کر مشترکہ فلاحی ہسپتال اور میڈیکل کالج میں کافی کام کیا تھا مگر بعد میں کراچی کے حالات مخدوش ہونے کی وجہ سے طوالت میں پڑ گئے اور وہ پروجیکٹ درمیان میں ہی ختم ہو گیا۔ڈاکٹر صاحب بھی ریٹائرڈ ہو کر خان پور اپنے گاؤں چلے گئے۔ایک دن انہوں نے فون پر کراچی کی صورتحال جو وہاں پڑھ پڑھ کر پریشان ہوتے رہتے تھے مجھے اپنے گاؤں آنے کی دعوت دی۔راقم نے قبول کر لی۔ان کا کہنا تھا کہ چند دن کراچی سے باہر رہ کر فریش ہو جائیں میں بھی اپنے خاندان کے ساتھ کراچی میں اب غیر محسوس کرنے لگا تھا جس کی وجہ سے ہمارے خاندان کا بڑا حصہ یہاں سے شفٹ ہو کر بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے کینیڈا منتقل ہو گیا ہے۔سوچا چند دن باہر کی بھی سیر کر لی جائے اور ویک اینڈ اچھا گزارا جائے۔ڈاکٹر صاحب نے راقم کو اسلام آباد ائیر پورٹ سے صبح ریسیو کیا اور سیدھے اپنی گاڑی میں خان پور لے گئے۔وہاں خان پور ڈیم کی کشتی کی سیر کرائی۔خان پور ڈیم میں سیاحوں کیلئے صرف دن ہی دن میں تفریح کا انتظام ہوتا ہے۔جھیل میں پبلک کیلئے نہانے، تیراکی، کشتی رانی کی سہولتیں ہیں۔تازہ مچھلی پکڑنے کے علاوہ وہاں کنارے پر مچھلی بیچنے کیلئے ریسٹورنٹ بھی ہیں۔وہاں پبلک تازہ ڈیم سے نکلی مچھلی تلوا کر کھا سکتی ہے اور خرید کر گھروں کو بھی لے جا سکتی ہے۔خان پور میں تازہ مچھلی کھائی بہت عمدہ، خستہ اور لذیز تھی۔ضرورت سے زیادہ ہی کھائی کیوں کہ کشتی رانی میں بہت لطف آیا تھا اور موسم بھی بہت خوشگوار تھا۔زیادہ ہوا کا

دباؤ بھی نہیں تھا اور ہلکی ہلکی دھوپ نکلی ہوئی تھی ۔پھر ڈاکٹر صاحب اور ان کے ایک دوست ریٹائرڈ کرنل افضل صاحب بھی ساتھ تھے لہٰذا وقت گزرتا معلوم نہیں ہوا ۔اسی خان پور ڈیم کے ایک کنارے پر ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست کا بھی باغ تھا۔کشتی کے راستے صرف 20منٹ کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے۔اگر سڑک کے ذریعے جاتے تو 2ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے اس کی وجہ کچے پکے روڈ تھے۔باغ میں صرف انگوروں کے بیلوں سے قطار در قطار درخت نما لوہے کے جنگلے تھے ۔بالکل ترقی پذیر ملکوں کی طرح جدید طریقے سے کاشت کاری کی گئی تھی جو بہت خوشنما لگ رہے تھے۔وہاں انگور کی شاخیں بھری پڑی لٹک رہی تھیں۔حالانکہ ابھی تک پوری طرح انگور کا موسم نہیں آیا تھا مگر ان کے باغ میں انگور لال رنگ کا وہ بھی بغیر بیج تھا۔بہت شیریں تھا وہ بھی خوب کھایا اور چلتے ہوئے ان کے دوست نے ایک پیٹی میں انگوروں کے تازہ خوشے توڑ کر ہمارے حوالے کیے ۔وہ تو بضد تھے کہ رات ان کے فارم ہاؤس پر گزاری جائے مگر ڈاکٹر صاحب ہم کو ٹیکسلا دکھانے کی ضد کر کے آخر وہاں لے گئے ۔یہ ٹیکسلا کے اندر ایک خوشنما کالونی تھی جو ہیوی مشینری کمپلیکس سے گزر کر اندر جا کر پہاڑیوں کے دامن میں بنائی گئی تھی ۔جہاں صرف اس کمپلیکس میں کام کرنے والے فوجی، نیم فوجی اور سویلین افراد کے رہنے کیلئے جگہ بنائی گئی تھی ۔تمام بلڈنگیں بہت صاف ستھری اور قطاروں میں بنی تھیں اس میں تمام رینکس کے اعتبار سے رہائشیں تھیں ۔بڑے بڑے افسران کیلئے بنگلے تھے ۔اس کی کل آبادی جو کمپلیکس کے ہی افراد پر مشتمل تھی تقریباً 25ہزار نفوس پر مشتمل تھی ۔ایسا لگ رہا تھا ہم سوئیز رلینڈ میں گھوم رہے ہیں ۔سامنے پہاڑیوں کا سلسلہ جن پر سبزہ تھا، نیچے چھوٹی موٹی جھیلیں اور ننھے آبشار، سڑکیں ایسی صاف اور شفاف کہ ایک تنکا بھی نظر نہیں آیا۔ پھر پبلک گارڈن جو ایسی ہی کسی پہاڑی کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔انتہائی نفاست سے درختوں سے اور چھوٹے چھوٹے پودوں سے ترتیب دیا گیا تھا اس باغ میں بھی کوڑے کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آیا۔

تمام سڑکوں کے دونوں اطراف خوبصورت پودے اور درختوں کے جھنڈ درجھنڈ بڑے ترتیب سے لگائے گئے تھے ۔کسی طرح سے بھی نہیں لگتا تھا کہ ہم پاکستان کے کسی شہر میں ہیں ۔بعد میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ پورا علاقہ گلشن کالونی کہلاتا ہے اور اس کی باغبانی کی تمام کاوشیں ان کے دوست کرنل افضل کی 10سال کی دن رات کی محنت کا نتیجہ تھا۔جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ۔بعد میں ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے بتایا کہ اس کالونی میں صفائی کا انتظام ٹھیکے پر دیا ہوا ہے۔ اگر کوئی کچرا زمین پر پایا گیا تو ٹھیکیدار پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوتا ہے ۔اس لیے اس کے ملازمین ہر وقت چوکس رہتے ہیں اور فوری طور پر کچرا یا کوئی چیز زمین پر نہیں رہنے دیتے ۔اس طرح بلڈنگوں کا بھی ٹھیکہ اسی کے پاس ہے اور وہ رنگ و روغن، ٹوٹ پھوٹ دور کرنے کا ذمہ دار ہے ۔اس طرح یہاں کے رہائشی صفائی ستھرائی کے معاملے میں بہت معاون ہوتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کالونی میں کسی بھی قسم کی گندگی نہ ہو ۔ڈاکٹر صاحب نے ایک اور انکشاف کیا کہ یہاں 100بستروں کا ہسپتال ہے جس میں وہ آج کل انچارج ہیں ۔چند سال قبل یہاں کی انتظامیہ نے تمام علاج و معالجہ تو مفت رکھا ہوا ہے البتہ 3بچوں کی پیدائش کا خرچہ بھی نہیں لیا جاتا ۔مگر چوتھے بچے کی پیدائش کا پورا خرچہ لیا جاتا ہے جو 15سے 20ہزار روپیہ ہوتا ہے ۔یہ پابندی چھ 7سال قبل لگائی گئی تھی ۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ 90فیصد لوگوں کے صرف 3بچے ہی ہیں ۔اور اس سے برتھ کنٹرول میں بہت کامیابی ہوئی ۔اس سے ایک طرف آبادی میں کنٹرول ہوا تو دوسری طرف والدین اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کر سکتے ہیں ۔بعد میں ڈاکٹر صاحب اپنے بنگلے پر لے گئے انہوں نے اپنے بنگلے کا پچھلا لان دکھایا جو بہ مشکل 500میٹر ہوگا اس چھوٹے سے لان میں ہر قسم کی سبزیاں لگی ہوئی تھیں اور بتول ڈاکٹر صاحب ہم بازار سے کوئی سبزی نہیں خریدتے اور ہم میاں بیوی دونوں مل کر اس کھیتی باڑی میں روز صبح بعد نماز اپنی پسند کی سبزیاں توڑتے ہیں اور نئے نئے بیج

جوضروری ہوں لگاتے ہیں۔ان کا باغیچہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا،تمام بیلیں انہوں نے اوپر نکال کر آسمان کی طرح سایہ کن کر رکھی ہیں تا کہ زمین پر زیادہ بوجھ نہ پڑے اور لکڑی کے ڈنڈے ان بیلوں کا وزن با آسانی اٹھا لیتے ہیں۔بعد میں ڈاکٹر صاحب نے بہت پُرتکلف ضیافت کا بھی انتظام کر رکھا تھا جس میں طرح طرح کی سبزیوں کے علاوہ خصوصی مکئی کی روٹی،ساگ،مچھلی،مرغی اور اپنے باغوں کے تازہ تازہ آم جی بھر کے کھلائے اور بتایا کہ اس کالونی میں آج تک لوڈشیڈنگ نہیں ہوئی کیونکہ بجلی ڈائریکٹ تربیلا ڈیم سے آتی ہے۔بعد میں یہ بھی بتایا کہ اس خان پور کے بازار میں جو مالٹے،لیچی اور مچھلی خان پور کے نام پر ملتی ہے۔دراصل سرگودھا اور نواحی علاقوں سے آکر بکتی ہے مگر نام خان پور کا ہوتا ہے۔خان پور تو بہت چھوٹا گاؤں ہے مگر یہاں کا مالٹا،لیچی واقعی بہت میٹھی اور سرخ ہوتی ہے۔اس لیے خان پور کے بازار میں آکر فروخت کی جاتی ہیں۔

الغرض دوسرے دن واپس کراچی روانہ ہوئے۔دو دن کا یہ سفر اتنا خوش آئند تھا کہ ہمارے پیارے ملک کے باغات،پہاڑ،دریا سب کچھ ہی ہمارے پاس ہے مگر افسوس ہم ان نعمتوں کو ٹھکرا کر کفرانِ نعمت میں مبتلا ہیں۔کاش ہمارے حکمران اور عوام اس ملک کی افادیت کو سمجھیں۔واپس جب کراچی ائیر پورٹ پر اترا تو معلوم ہوا کہ آج بھی 13 افراد لقمہ اجل بن گئے ہیں۔پولیس اور رینجرز دونوں ہی ناکام ہو چکے ہیں۔اللہ کراچی کی خیر کرے۔تمام امن ریلیاں ضائع ہو گئیں اور دہشت گرد اب اور منہ زوری دکھا کر اپنی اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

انقلاب کی دستک

مسلمان حکمرانوں کا غیر جمہوری یا یوں کہیں کہ ڈکٹیٹرشپ کے ذریعے آنے کے بعد جانے کا کم ہی رجحان رہا ہے۔30 سے 40 سال تک وہ اقتدار سے ایسے چمٹے ہیں گویا وہ ملک انہی کیلئے وجود میں آیا تھا۔پھر جب وہ بڑھاپے میں قدم جما لیتے ہیں تو اقتدار عوام کے نمائندوں کے بجائے اپنے ہی صاحبزادوں کو منتقل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ان ممالک میں لیبیا کے معمر قذافی،مصر کے حسنی مبارک اور شام کے حافظ الاسد کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے بشارت الاسد تازہ مثالیں ہیں۔تیونس سے چلنے والی عوامی تحریک مصر میں آکر رُک گئی اور دونوں ممالک کے سربراہ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے البتہ سب سے پہلے لیبیا کے صدر معمر قذافی نے اقتدار چھوڑنے کے بجائے اپنے ہی ملک کے دوسرے حصے پر جہاں سے یہ بغاوت شروع ہوئی تھی اپنا اقتدار بچانے کیلئے وہ کچھ کیا جو آج تک کسی بھی حکمران نے ایسا سوچا بھی نہ ہوگا۔یعنی اپنے ہی ملک پر بمباری کر دی گویا کہ وہ علاقہ غیر اور اس کے باشندے کسی اور ملک کے شہری ہوں۔وہ بھی اس بڑھاپے میں اپنا اقتدار اپنے صاحبزادے سیف الاسلام کے حوالے کرنے کی پوری تیاری کر چکے تھے۔مگر ایسا نہ ہو سکا اور اب جنگ شہروں تک پھیل چکی ہے۔

شام کے مرحوم صدر حافظ الاسد اپنی ہی زندگی میں اپنے چھوٹے صاحبزادے بشارت الاسد کو نامزد کر گئے تھے جبکہ ان کے بڑے صاحبزادے ان کی زندگی میں کار کے حادثے میں دمشق کے ائیر پورٹ کے قریب پُراسرار طور پر ہلاک ہو گئے تھے۔کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والدِ محترم کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ان کی گاڑی کا تعاقب کیا گیا کہ وہ فرار نہ ہو سکیں اور ائیر پورٹ کے نزدیک ان کی گاڑی دوسری گاڑیوں سے ٹکرا گئی اور کہتے ہیں کہ دھند کی آڑ میں ان کا کام تمام کر دیا گیا اور یوں وہ قصہ ختم ہو گیا۔حافظ الاسد کے بعد شام میں سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ یہاں بھی

بشارت الاسد کے خلاف عوام سڑکوں پر آ گئے۔ان پر بھی پہلے پولیس کی طرف سے گولیاں چلیں اور پھر فوج نے بھی ٹینک چڑھا دیئے اور 4 پانچ ماہ میں سینکڑوں شامی ہلاک ہو چکے ہیں۔تا حال وہاں بھی بغاوت جاری ہے اور جنگ کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے۔یہی کچھ حال یمن کے صدر کے ساتھ ہو رہا ہے وہاں بھی بغاوت اپنے عروج پر ہے۔ہر جمعہ کو مظاہرین باہر نکل کر توڑ پھوڑ کر رہے ہیں۔

وہاں البتہ زیادہ اموات نہیں ہوئیں۔حکمران صدر اپنا اقتدار بچانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں ان تینوں ممالک کے عوام کب تک ان حکمرانوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور معصوم شہریوں کے خون سے یہ ہولی کب تک کھیلی جائے گی۔البتہ عربوں کی یہ سر زمینیں نہتے معصوم شہریوں کے خون سے پہلی مرتبہ رنگین ہو رہی ہیں۔اس سے پہلے حکمرانوں کی آپس کی بغاوت میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ان بغاوتوں کے پیچھے تمام عوامل مشترکہ ہیں۔مثلاً عوام مہنگائی اور غربت کے ہاتھوں پس کر نڈھال ہو چکے ہیں۔کسی کے پاس رہنے کو گھر نہیں تو کوئی بھوک اور بے روزگاری کے ہاتھوں پریشان ہے۔مگر ان تمام ممالک کے حکمران اپنے 30 تیس سالوں کے اقتدار کے دوران اپنے دونوں ہاتھوں سے قومی دولت لوٹتے رہے اربوں ڈالرز کے اکاؤنٹس سوئیز رلینڈ میں موجود ہیں شاہانہ زندگی بڑے بڑے محلات بیوی اور بچوں کی عیاشیاں سب ہی جانتے ہیں اور پھر بھی ان کی ہوس ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔حزب اقتدار حزب اختلاف کو پوری قوت سے دبا کر رکھ رہے تھے کہ میڈیا آزاد ہوا پوری دنیا سمٹ کر ایک کوزے میں بند ہو گئی۔عوامی تحریکیں چلنا شروع ہو گئیں۔اب دیکھیں یہ کہاں تک پہنچتی ہیں اور ان کا آخری انجام کیا ہو گا۔آج میں خصوصیت کے ساتھ مصر کے صدر حسنی مبارک کے بارے میں لکھ رہا ہوں۔ایک سال قبل راقم نے مصر کا دورہ کیا تھا اور وہاں کی عیاشیوں اور حکمرانوں کی کرپشن کا کھل کر ذکر کیا تھا۔اس وقت صدر حسنی مبارک جو دو تہائی دولت کے مالک سمجھے جاتے تھے تمام

بڑے بڑے کاروبار اور ہوٹلز میں حصہ دار تھے۔ٹیلی کمیونیکیشن میں انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو بلا غیر مالک کل بنایا ہوا تھا اور جو بھی کاروبار مصر میں کرنا ہو تو یہ فرنٹ مین کا کردار ادا کرتے تھے۔ان کی شراکت کے بغیر کوئی بڑا کاروبار نہیں ہو سکتا تھا۔رہا اقتدار تو حسنی مبارک اس سال اپنے بڑے صاحبزادے جمال حسنی کیلئے اقتدار کا تمام راستہ صاف اور ہموار کر چکے تھے۔کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ ان کے اس فیصلے کے خلاف چوں بھی کر سکے۔تین صدیوں پر محیط ان کا اقتدار اتنا طویل اور مضبوط سمجھا جاتا تھا کہ حزب مخالف تو کجا علما کی قطار در قطار بھی ان کی ہمنوا تھی۔ ریفرنڈم کے طریقہ کار سے ان کے اقتدار کی مدتیں بڑھتی رہتی تھیں۔وہ سابق صدر انور سادات سے زیادہ مضبوط حکمران سمجھے جاتے تھے البتہ صرف اخوان المسلمین کبھی کبھی مذاہمت کرتی تھی مگر اس کا عوام پر زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔قاہرہ اور شرم الشیخ دونوں شہروں میں حسنی مبارک کے محلوں اور عیاشی کے اڈوں کی بھرمار تھی۔قاہرہ شہر میں ایسی کئی آبادیاں تھیں جن پر آثارِ قدیمہ کا گماں ہوتا تھا اور اگر گھر بن بھی جائے تو پلستر اور رنگ و روغن سے عاری عمارتیں کئی کئی میل تک نظر آتی تھیں۔ غربت کا یہ عالم کہ ہر بڑی بڑی شاہراہ پر بھیک مانگنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔وہاں بھی عوام غربت اور بے روزگاری کے ستائے ہوئے تھے۔قاہرہ اور شرم الشیخ میں ایک ایک ہوٹل کا کرایہ کئی کئی لاکھ روپے ہوتا تھا۔جہاں دنیا بھر سے امیر ترین سیاح عیاشی کیلئے آتے تھے۔اس کی وجہ شرم الشیخ نے لبنان کے شہر بیروت کی جگہ لے لی تھی وہاں رات دن میں اور دن رات کا سماں دکھائی دیتا تھا۔ رات کی روشنیاں اتنی ہوتی تھیں کہ بازاروں میں کھوا سے کھوا چھلتا تھا۔ریسٹورنٹس کی میلوں قطاریں سمندر کے کناروں پر عجیب منظر پیش کرتی تھی مگر افسوس آج یہ تمام عیاشی کے مواقع پیدا کرنے والا اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔عوام کی مضبوط تحریک نے اُسے اپنے ہی فوجی جرنلوں کے سامنے جنگلے لگے بستر پر پہنچا دیا ہے جہاں اس کے دونوں صاحبزادے اور سابق وزیر دفاع سب جیل کا لباس

پہنے عدالت میں اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کیلئے پیش ہو چکے ہیں۔ان پر کرپشن کے الزامات کے علاوہ سنگین ترین الزام 800 سے زیادہ عوام کے خون کی ہولی کھیلنے کا ہے جس پر انہیں سزائے موت تک دی جاسکتی ہے۔30 سال تک جو دوسروں کے فیصلے کرتے تھے آج وہ خود جنگلے لگے اسٹریچر پر لیٹے اپنا فیصلہ سننے کیلئے مضطرب ہیں۔کاش یہ حکمران اس عبرت ناک اللہ کی پکڑ سے ڈریں۔ایک نہ ایک دن تو یہ آکے رہے گی۔اب انقلاب نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جارہا ہے۔انقلاب کی جڑیں اب بڑھتی جارہی ہیں اور ان کا کھربوں ڈالرز کا سرمایہ سوئیز رلینڈ کے بینکوں میں سڑ رہا ہے۔عوام غربت اور فاقہ کشی کا شکار ہیں پھر انقلاب آنے سے کون روک سکتا ہے؟

﴿ کیا سندھ میں کوئی سیاسی تبدیلی آنے والی ہے؟ ﴾

کچھ عرصے سے ہمارے صوبائی سنیئر وزیر ذوالفقار مرزا صاحب سیاسی بے چینی میں نظر آرہے تھے جس کی معمولی جھلک انہوں نے اے این پی سندھ کے صدر شاہی سید کے عشائیے میں دکھا بھی تھی مگر یار لوگ بس کرنال گئے یا یوں کہیے بس کر پی گئے تھے۔انہوں نے پہلی مرتبہ کھل کر ایم کیو ایم کے خلاف زور لگا کر بولنے کی کوشش کی۔ایک طرف سے میزبان حیران و پریشان اُن کی طرف تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب مائیک پر کیا بول رہے ہیں۔دوسری طرف خود اُن کی پارٹی کی آغا سراج دُرانی بھی مائیک سے ہٹانے کی کوشش کررہے تھے کہ مرزا صاحب کا نزلہ مہاجروں پر کیوں گر رہا ہے جبکہ ایم کیو ایم اُن کی حلیف جماعت ہے۔اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا دوسرے دن صبح ہی سے عوام کا ردعمل صاف نظر آیا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک مرتبہ پھر کراچی میں جہاں پہلے ہی ٹارگٹ کلنگ کا جمعہ بازار لگا ہوا تھا شہر میں آگ لگ گئی۔40 پچاس جانیں چلی گئیں۔کراچی کے باشندے اس تقریر سے مزید دہل گئے۔شہر میں ہڑتال ہوئی ہر امن پسند مرزا صاحب کی تقریر سے نالاں تھا اور لگ رہا تھا کہ شہر اب کئی ہفتے نہیں کھل سکے گا۔مگر مرزا صاحب نے اپنے الفاظ واپس لے لئے۔ایم کیو ایم کے قائد نے کراچی کے سکون کے خاطر کراچی والوں کو درگزر کرنے اور کاروبار دوبارہ کھولنے کی ہدایت کی۔عوام نے اس پر لبیک کہہ کر شام ہی سے کاروبار کھول کر معاملہ کو سنگین ہونے سے بچالیا۔مگر ابھی چند ہی دن گزرے ہونگے کہ ذوالفقار مرزا صاحب پھر مرکزی وزیر داخلہ رحمٰن ملک پر برس پڑے کہ یہ بار بار ہمارے صوبے میں آکر بدامنی پھیلا رہے ہیں۔اُن کو چاہیے کہ وہ اسلام آباد ہی میں رہیں۔اور سندھ میں آنا جانا بند کریں ساتھ میں سابق وزیر قانون بابر اعوان کو بھی لتاڑا یہ بہت عجیب وغریب طرز عمل تھا۔کہ ایک ہی پارٹی کی دو اہم ستون ایک دوسرے پر لعن وطن کررہے ہیں۔کچھ آوازیں معافقت میں اور کچھ آوازیں مخالفت میں بلند

ہوئیں۔یہ کیا ڈرامہ ہورہا ہے پھر لوگوں نے دیکھا کہ تصویر میں دوسرے دن رحمٰن ملک اور ذوالفقار مرزا اخباروں کے صفحہ اول کے زینت بنے مسکرا کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہیں ۔سیاسی مبصرین پھر بھی کچھ نہیں سمجھے اور پی پی پی کا اندرونی معاملہ سمجھ کر آگے بڑھ گئے مگر کوئی بھی مرزا صاحب کے تیور نہیں پڑھ سکا اور یہ بھی نہیں جان سکا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔گویا پارٹی میں پارٹی پارٹی کھیلی جارہی ہو۔

مگر اچانک رمضان کے آخری عشرے میں راقم عمرے کے لئے مکہ میں تھا عصر کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل آیا اور پاکستان کا واحد چینل جو ہمارے ہوٹل میں آرہا تھا یعنی جیو پر اُن کی پریس کانفرنس دکھائی جارہی تھی میرے اس ہوٹل میں کئی صنعتکار، تاجر اور بیوروکریٹ اور اخباری نمائندے بھی ٹھہرے ہوئے تھے جن سے تقریباً نماز عشاء کے بعد پاکستان کے حالات پر روزانہ ہی گفتگو ہوتی تھی ۔کہ ایک دوسرے کے موبائل بجنے شروع ہو گئے اور ایک دوسرے کو ذوالفقار مرزا کی کانفرنس فوری طور پر دیکھنے کی باتیں ہونے لگیں۔ہر کوئی وقفے وقفے سے ایک دوسرے کو فون کر کے اس پریس کانفرنس پر حیران و پریشان تبصرہ کررہا تھا۔کانفرنس تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی ۔مرزا صاحب مسلسل ایم کیو ایم پر اُس کے قائد الطاف حسین اور اپنے پارٹی کے وزیر داخلہ رحمان ملک پر الزامات کی فہرست سُنا رہے تھے۔فہرست اتنی طویل اور ان کی گن گرج جو ان کے سیاسی تقریروں کا لازمی حصہ ہوتی ہیں۔آج پریس کو بھی وہ عوام سمجھ کر گرما رہے تھے۔اللہ اللہ کر کے اُن کی پریس کانفرنس ختم ہوئی پھر اخبار والے کہاں پیچھے رہتے ہے۔خاص طور پر مرزا صاحب پہلے سیاستدان تھے جنہوں نے قرآن پاک کی قسم کو بھی پیچھے چھوڑ ڈالا۔اور تمام اخبار والوں کے سامنے قرآن پاک سر پر رکھ کر اپنے الزامات کو سچ ثابت کرنے کا وسیلہ بنایا اور کافی دیر تک الزامات لگاتے وقت وہ اپنا ہاتھ خصوصی طور پر قرآن شریف پر رکھ لیتے تھے۔ہم سب روزے کے بعد نماز عشاء اور

کھانے پینے سے فارغ ہو کر جمع ہوئے تو ہر شخص اپنی اپنی رائے دے رہا تھا کچھ نے صدر صاحب کی طرف بھی اشارہ کیا کیوں کہ انہوں نے صدر آصف علی زرداری سے اپنا تعلق اٹوٹ انگ قرار دیا۔اور یہ بھی کہا کہ ان کی دولت، شہرت، عزت سب کچھ صدر صاحب کی مرہون منت ہے اسی لئے وہ ان کی امانت یعنی وزارت، عہدہ اور پارٹی سے مستعفی ہورہے ہے۔اور سیاست سے بھی کنارہ کش ہورہے ہے۔پھر جیو نے سوالات، جوابات اور زیادہ سے زیادہ سیاسی تبصرہ نگاروں اور جس جس کو وہ میڈیا پر لا سکتے تھے لے آئے صبح تک ہم سب گم سم ہو کر تبصرے سنتے رہے۔ایک بات پر سب متفق تھے کہ انہوں نے ایم کیو ایم کو ہدف تنقید بحیثیت پارٹی بنایا مگر اُن کی وزارتوں کے دیگر 2 حصہ دار یعنی خود اُن کی پارٹی اور اے این پی پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کیا۔اور خصوصاً امن کمیٹی جو گزشتہ 3 سال سے ان کے زیر سایہ لیاری سے نکل کر ملیر، لانڈھی، کورنگی سے ہوتی ہوئی اب پورے شہر میں پھیل چکی ہے۔اس پر بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ کا سب سے بڑا دھبہ لگا ہوا ہے۔قرآن پاک اُٹھاتے وقت وہ کیوں یاد نہیں آئی۔کیا صرف ایم کیو ایم اکیلے ہی کراچی شہر کی تباہی کی ذمہ دار تھی جس پر رحمان ملک کا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔کاش وہ قرآن کو بیچ میں نہیں لاتے اور جس پر مرضی آتا الزامات لگاتے مگر انہوں نے سارے الزامات ایک پارٹی کے پلڑے میں ڈال کر اپنا کیس خود کمزور کرلیا کیوں کہ کراچی کے متاثرین اور عوام معہ ایجنسیاں بشمول وزیر اعظم خود مان چکے ہیں کہ کراچی کے حالات بگاڑنے اور قتل عام میں پی پی پی اور اے این پی امن کمیٹی کے ارکان شامل ہیں اور یہ کیسے ممکن ہے ایک پارٹی اکیلے ذمہ دار ٹھہرائی جائے اور بقایا پارٹیاں صرف تماشا دیکھتی رہیں اور بھتہ بتاوان میں حصہ دار نہ ہوں۔اب روزانہ ہی ذوالفقار مرزا پریس کانفرنس کر کے سندھ میں اکیلے اپنا قد بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔دوسری طرف پی پی پی کے ذمہ داران اُن کے بیانات اور الزامات سے لاتعلق ہو کر ان کا ذاتی فعل قرار دے کر اپنی جان چھڑا رہے ہیں۔جس رفتار سے

ذوالفقار مرزا بیانات اور فہرستوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اگر اُن کے دوستوں نے نہیں روکا تو وہ سندھ قومی موومنٹ بنانے کا بھی اعلان کر سکتے ہے۔ جس سے پی پی پی کا پہلے کمشنری نظام کا اعلان پھر اُس کی واپسی خوداسی کے گلے پڑنے کا سبب بنے گی۔ کیوں کہ ایم کیو ایم کے مخالفین اور سندھی دونوں اُن کا ساتھ دینگے اور سندھ کے سیاست تقسیم ہو جائیگی۔ جو کام جئے سندھ اور انتہا پسند سندھی سیاسی پارٹیاں نہیں کر سکیں وہ ذوالفقار مرزا آج نہیں تو کل ضرور کر جائینگے۔ کیا پی پی پی نادانی میں اپنا ووٹ بینک گنوانے کی متحمل ہو سکے گی۔ ایم کیو ایم کا ووٹ بینک ذوالفقار مرزا کے صرف الزامات سے ختم نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ ثابت نہ ہوں۔ اب چونکہ سپریم کورٹ بھی کراچی کے حالات پر سوموٹو ایکشن لے چکی ہے۔ قوم کی نگاہیں فوج سے ہٹ کر اب عدلیہ کی طرف مرکوز ہو چکی ہیں۔ دیکھتے ہے وہ کیا فیصلہ کرتی ہیں۔

کراچی میں غیر جانبدار آپریشن کی ضرورت ہے

ہمارے سابق وزیر داخلہ سندھ ذوالفقار مرزا کی پریس کانفرنس کا دوسرا کھڑکی توڑ ہفتہ شروع ہو چکا ہے۔ میرے خیال میں یہ واحد طویل ترین پریس کانفرنس تھی جس کی وجہ سے 2 ہفتے سے عوام اپنے مسائل جن سے وہ 3 سال سے پریشان تھے جن میں بجلی کی لوڈشیڈنگ، مہنگائی، لاقانونیت، دہشت گردی وغیرہ وغیرہ کو بھول کر 95 فیصد ٹی وی چینلز نے اور 80 فیصد کالم نگاروں بشمول راقم کے ان پر بھرپور تبصرے شائع کیئے اور MQM کے مصطفیٰ کمال کے جوابی پریس کانفرنس جو عوام کے نقطۂ نگاہ سے پہلی مرتبہ بہت دیر سے جواب دیا گیا اور وہ بھی زیادہ متاثر کن ہرگز نہیں تھا۔ انہوں نے صرف ذوالفقار مرزا کے لگائے گئے الزامات کا دفاع کیا مگر بہت سی باتوں کا جو انہوں نے انکار کیا میڈیا نے ثبوت فراہم کر کے مزید الجھا دیا، خصوصاً وہ خط جو MQM لندن نے وزیراعظم (لندن) کو لکھا اور جس دفتر سے جاری ہوا اس کی فوٹو فائل جاری کردی مگر ایک بات جو ذوالفقار مرزا نے پاکستان توڑنے کا الزام لگایا اور اس کے عینی شاہد پیر مظہر الحق کو بتایا تھا اس کی تردید یا تصدیق ابھی تک پی پی پی کے کسی بھی کونے سے نہیں آئی اور سالوں پرانا الزام توڑنے کا الزام صرف الزام کی حد تک رہا اور کراچی کے عوام کسی بھی صورت میں اس الزام کو سچ نہیں سمجھتے۔

البتہ مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ہو سکتا ہو کہ یہ حقیقت بھی ہو آپ نے سن رکھا ہوگا کہ ایک سرکاری اسکول میں سالانہ چیکنگ کے لئے اوپر سے معائنہ اور کارکردگی جانچنے کے لئے ایک ان وسٹیگیٹر ایک کلاس روم میں آئے اور بچوں کی ذہانت (IQ) چیک کرنے کے لئے انہوں نے ایک بچے سے سوال کیا بیٹا بتاؤ سومنات کا مندر کس نے توڑا؟ بچے نے معصومیت سے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم سر۔ دوسرے بچے سے بھی یہی سوال دوہرایا تو اس نے بھی کہا کہ سر مجھے بھی نہیں معلوم، جب تیسرے بچے سے پوچھا تو اس نے روتے ہوئے جواب دیا کہ سر یقین کریں میں نے نہیں توڑا۔ پوچھنے

والے ان ٹیچر نے غصے سے اس کلاس کے استاد کی طرف دیکھا اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی کلاس کے بچوں کو یہ تک نہیں معلوم کہ سومنات کا مندر کس نے توڑا تو استاد نے جواب دیا کہ سر یہ بچے بہت شریر ہو چکے ہیں جب تک ان کی پٹائی نہیں ہوگی یہ نہیں بتائینگے کہ کس نے توڑا۔ یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں نہ صرف اس کا پتہ چلا لونگا بلکہ جس نے بھی توڑا ہوگا اس کے والدین سے پورا نقصان بھی وصول کرلونگا۔

یہ تو خیر مذاق میں چلا جائے گا مگر ایک بات مجھے بہت کھٹک رہی ہے کہ اپنی پریس کانفرنس سے لیکر آج تک ذوالفقار مرزا بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج جو کچھ بھی ہوں صرف اور صرف محترمہ بے نظیر بھٹو اور صدر آصف علی زرداری کی وجہ سے ہوں اسی لئے میں نے ان کی دی ہوئی وزارت اور اسمبلی کی سیٹ لوٹا دی ہے اور اگر وہ واقعی ان کے احسانات سے نکلنا چاہتے ہیں تو وہ 3 شوگر ملیں، عالی شان محلات، گاڑیاں سب کچھ لوٹا کر میدان سیاست میں کودتے تو انہیں شاید قرآن بھی سر پر نہیں رکھنا پڑتا اور پی پی والوں کو بھی برا نہیں لگتا اور عوام بھی بہت متاثر ہوتے، میڈیا بھی واہ واہ کرتا ابھی تو میڈیا ان کے ساتھ چٹکلے کر رہا ہے تاکہ قوم کو الجھائے رکھے اور قوم بھی دونوں طرف سے مزے لے رہی ہے۔

اس کی حقیقت میرے ایک قاری نے لکھی ہے جو یوں ہے! لکھتے ہیں کہ جب سے ہمارے وزیر داخلہ سندھ نے سر پر قرآن رکھ کر ایک نیا قرآن کلچر متعارف کرایا ہے میرے گھر دو خواتین میں بول چال بند ہوگئی ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ ایک خاتون نے دوسری خاتون پر الزام لگایا، دوسری خاتون نے کہا میں نہیں مانتی جب تک تم قرآن سر پر رکھ کر قسم نہیں کھاؤ، دوسری خاتون نے کہا میں قرآن سر پر نہیں رکھ سکتی کیونکہ قرآن پڑھنے اور عمل کرنے کے لئے اتارا گیا تھا نہ کہ سروں پر رکھ کر قسم کھانے کے لئے۔ بتایئے میں ان خواتین کی صلح کیسے کراؤں جبکہ دونوں کی بات چیت بند ہے؟

کراچی میں چیف جسٹس افتخار چوہدری اور ان کے فل بینچ نے سوموٹو ایکشن لے کر ایک بہت بڑا اقدام کیا ہے جس سے کراچی کے عوام کو کچھ سکون بھی ملا ہے اور دوسری طرف رینجرز کی کاروائیاں بھی اثر لا رہی ہیں مگر ڈی جی رینجرز کا یہ انکشاف کہ تمام سیاسی پارٹیاں کراچی میں بھتہ اور ٹارگٹ کلنگ میں ملوث ہیں رینجرز کے اختیارات محدود ہیں انہیں بڑھا کر پورے اختیارات دے دیئے جائیں تو حالات بہتر ہو جائینگے۔ اسکے باوجود نہ بھتہ رکا اور نہ ہی ٹارگٹ کلنگ رکی بلکہ اب علاقے لسانی بنیاد پر بٹ گئے ہیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے معصوم شہری اس کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اگر صورتحال کا فوری جائزہ لیکر روکا نہ گیا تو پہلے کی طرح پٹھان، پنجابی، بلوچ، سندھی اور مہاجر فسادات ہونے کا شدید اندیشہ ہے ایسے میں ذوالفقار مرزا کے 10 لاکھ اسلحے کے لائسنس اور 10 ہزار بھرتی شدہ افراد شہر میں تباہی مچا سکتے ہیں۔ سندھ انتظامیہ کو ہنگامی اقدامات کر کے اس پروپیگنڈے کا سدباب کرنا چاہئے صوبے میں بسنے والے سب مسلمان اور پاکستانی ہیں ان کو علاقائی یا زبانوں کی بنیاد پر تقسیم کراچی کی معاشی تباہی ثابت ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی صوبے میں حالیہ سیلاب اور بارشوں نے دوبارہ تباہی پھیلائی ہوئی ہے پوری دنیا اس تباہی کو دیکھ رہی ہے کہیں سے کوئی ریلیف نہیں مل رہی ہے سب طرف بدحالی کا دور دورہ ہے ایسے میں صرف عدلیہ ڈوبتے تنکے کا سہارا ہے، حقیقت سب کو معلوم ہے مگر مصلحتوں کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ خدارا الزامات در الزامات حالات کا مداوا نہیں ہیں۔ پولیس، انتظامیہ اور رینجرز کو پورے اختیارات دے کر ایک مرتبہ اسلحہ اور بھتہ مافیہ کے خلاف کریک ڈاؤن کا کھل کر آپریشن کیا جائے جو بالکل غیر جانبدارانہ ہو تب جا کر کراچی میں امن بحال ہو سکتا ہے۔ اس کو لولے لنگڑے آپریشن سے صرف وقتی روک تھام تو ہو سکتی ہے پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا۔

سپریم کورٹ کے جج صاحبان سے امید ہے کہ وہ جلد از جلد اس سنگین مسئلے کو سلجھائینگے اور ساتھ

ساتھ پھرا والوں کو بھی طلب کر کے ان سے پوچھیں گے کہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کب ختم ہوگی اور دنیا میں پیٹرول سستا ہو رہا ہے اور انہوں نے کیسے کراچی والوں پر 2 روپے پھر بجلی کے نرخوں میں اضافہ کر کے غریبوں پر ایک اور ہتھوڑا مارا ہے وہ واپس لیا جائے۔

﴿ بجلی کا بحران شدت اختیار کرنے کو ہے ﴾

ایک صاحب روزانہ صبح 9 بجے میری رہائش گاہ پر آ کر مجھے ہلکی پھلکی ایکسر سائز اور فزیوتھراپی کراتے ہیں۔ اگر چہ انکا وقت صبح 9 بجے کا ہے مگر 5 دس منٹ جو انکو گریس میں ملتے ہیں انکی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان منٹوں کو حاصل کریں جو انکا حق بنتا ہے۔ البتہ جب ان کو آنے میں اس سے زیادہ وقت لگتا ہے تو انکے پاس حضرت سلیمانؑ کے ھدھد کی طرح دیر ہونے کی ریڈی میڈ وجہ ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً کبھی ان کی آنکھ نہیں کھلی، گاڑی خراب ہوگئی تھی، اسٹارٹ میں دیر لگ گئی، بروقت پڑوسی آ گیا تھا۔ اس سے باتوں میں دیر لگ گئی تھی اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا ہے یا پھر رات بھر لائٹ نہیں تھی، صبح جا کر آنکھ لگی تھی گرمی کی وجہ سے ساری رات جاگنا پڑ گیا وغیرہ وغیرہ۔ ایک دن تو انہوں نے حد کر دی پورے ڈیڑھ گھنٹے دیر سے آئے بہت تپے ہوئے تھے آتے ہی فرمانے لگے کہ آپ ہر موضوع پر کالم لکھتے ہیں عوام کی تکلیف کا ذکر کرتے ہیں مگر ڈیڑھ سال سے خصوصیت سے بجلی والوں نے لوڈ شیڈنگ کی انتہا کر رکھی ہے اس پر خدارا قلم اٹھائیں آج پورا ایک ہفتہ ہوگیا ہے ہمارے محلے میں بجلی کا ایک فیز نہیں آ رہا ہے تمام محلے والے شکایتیں کر وا کر وا کر تھک چکے ہیں بجلی کی شکایات (Complaint) وصول کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے شکایت لکھ لی ہے جو ہمارا کام تھا اور آگے بھی پہنچا دی ہے اب آگے والوں کا کام ہے وہ جا کر اس کو درست کریں یہ ہمارا کام نہیں ہے آپ لوگ انتظار کریں گاڑیاں کم ہیں اور شکایات زیادہ ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جب میں نے زیادہ غل غپاڑہ کیا تو اس افسر نے کہا کہ جب کے ای ایس سی حکومت کے پاس تھی تو اوپر نیچے کے افسران عوام کی تکالیف کا خاص خیال رکھتے تھے اور شکایات ملتے ہی اس کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، مگر جب سے یہ کمپنی نئے خریداروں کے ہاتھ لگی تو نہ ان کو وقت پر تنخواہ ملتی ہے، بونس تو کجا اوور ٹائم بھی نہیں ملتا اس وجہ سے ملازمین پریشان رہتے ہیں اور آئے روز ہڑتال کا

نوٹس دیتے ہیں پھر جا کر ہمارے بقایا جات ملتے ہیں ۔اس خریدار سے پہلے کاپر کے تار استعمال ہوتے تھے جس کی وجہ سے بجلی بار بار نہیں جاتی تھی اور نہ اس کا ایک فیز اڑتا تھا ۔مگر اب کاپر کے مضبوط تاروں کی جگہ سلور کے گھٹیا تار استعمال کیئے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ کمزور تار بجلی کا لوڈ پوری طرح نہیں اٹھاتے اور ایک فیز اُڑ جاتا ہے اس میں ان کا کیا قصور ہے نئے مالکان عوام کو خوب بیوقوف بنا کر من مانی کر رہے ہیں،لوڈشیڈنگ تو اب بڑھتے بڑھتے گھنٹوں کے بجائے دنوں تک جا پہنچی ہے کتنا ہی غل مچاؤ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔موصوف نے یہ بھی بتایا کہ انکے محلے میں جتنے ٹھیلے والے ہیں انہوں نے بجلی والوں کی مدد سے کنڈے ڈال رکھے ہیں اس سے دو فائدے ہیں ایک تو وہ انکو ڈائریکٹ تاروں سے بجلی مل رہی ہے اس لئے ایک فیز بھی نہیں جاتا دوسرا ان کو کوئی بل بھی نہیں آتا اور وہ صرف 500 روپے ماہانہ دے کر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں اور وہ لوڈشیڈنگ سے بھی بچے ہوئے ہیں ۔اب تو انکی دیکھا دیکھی ان کے محلے کے دوکانداروں نے بھی اب کنڈے ڈلوا لیئے ہیں سارا عملہ ان سے ملا ہوا ہے ہر مہینہ عملے کا ایک فرد آ کر باقاعدہ جو بھی فکس کیا ہوتا ہے پیسے وصول کر جاتا ہے یہ کھلا کاروبار کی طرح تمام دیگر عملے میں بھی تقسیم ہو جاتا ہے ۔اسطرح بقول موصوف ان کو ایک کے ای ایس سی کے لائن مین نے بتایا کہ نئے میٹر باہر لگانے کی آڑ میں خود کمپنی نے ان میٹروں کو 20 فیصد تیز کر دیا ہے جسے وہ پہلے مل ملا کر میٹر سلو کر دیتے تھے اب عوام تو ڈرتے ہیں البتہ کمپنی ناقص تاروں اور میٹر کی تیزی سے اپنا کنڈوں کا نقصان پورا کر رہی ہے دوسری طرف اس کو در پردہ حکومت کی بھی حمایت حاصل ہے ۔آئے دن کمپنی والوں سے مل کر بجلی کے دام بڑھا دیتے ہیں جیسا وہ پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں آئے دن جب پوری دنیا میں پیٹرول سستا ہو رہا ہے،ڈالر گر رہا ہے ہمارے حکمران ہر ہفتے پیٹرول، ڈیزل اور گیس کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتے جس سے دیگر شعبے بھی متاثر ہو کر وہ بھی الگ الگ اس کی آڑ میں قیمتیں بڑھا دیتے ہیں ۔ٹرانسپورٹر تو اب حکومت

کی گرفت سے نکل چکے ہیں اگر حکومت 10 فیصد تیل کی قیمت بڑھاتی ہے تو وہ 25 فیصد کرائے بڑھا دیتے ہیں جس کا بوجھ غریب عوام پر ہی پڑتا ہے،عوام اور حزب اختلاف دونوں خاموش ہیں عوام کے دکھ درد کا اب کسی کو احساس نہیں رہا کبھی کبھی عدلیہ کوئی کاروائی ڈالتی ہے تو کچھ ہلچل مچتی ہے چند دن حکومت پیٹرول،گیس،تیل کی قیمتیں نہیں بڑھاتی مگر موقع ملتے ہی وہ اپنی کاروائی کر دیتی ہے ۔اخبارات ایک آدھ کالم لکھ کر اپنا غصہ نکال لیتے ہیں اور زندگی کا پہیہ اسی بے حسی کے ساتھ چل رہا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرف حکومت نے اس منافع بخش کمپنی کو جس کا شیئر 37 روپے کا تھا کیوں اس ادارے کو اونے پونے بیچا جس کا شیئر اب صرف 3 روپے رہ گیا ہے،اس کے مالکان حکومت سے مل کر اس کی سبسیڈری جو اربوں روپے ہے وصول کر رہی ہے دام میں الگ اضافہ کر رہی ہے اور اسکے بعد بھی لوڈشیڈنگ عوام کے ساتھ کھلا مذاق ہے جو عذاب کی شکل اختیار کر چکا ہے ابھی صرف پنجاب کے چند شہروں سے آوازیں اور احتجاج بلند ہوا ہے جو کافی نہیں ہے ۔پوری قوم کو اس لوڈشیڈنگ کے خلاف متحد ہو کر آواز بلند کرنی چاہئے اور ہمارے چیف جسٹس صاحب جنہوں نے اکثر معاملات میں سوموٹو ایکشن لیا تھا جس سے کچھ عوام کی ڈھارس بندھی تھی خصوصاً کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کو لگام لگا عوام کو کچھ ریلیف ملا،دہشت گردی کم ہوئی ہے رنجر زبھی اپنا آئینی کردار ادا کر رہی ہے ۔

عدلیہ کو چاہئے کہ اس ادارے کو واپس لینے کے احکامات دیں اور مالکان کے خلاف بھرپور کاروائی کریں انہوں نے ادارے خریدتے وقت اس بات کی ضمانت دی تھی کہ وہ نئے نئے پلانٹ لگائیں گے ان پلانٹوں کو لگانے کے بجائے ادارے کی قیمتی زمینیں گروی رکھ کر قرضے لے لیئے اور خاموشی سے کھا گئے اور ادارے کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے اور ملازمین میں آئے دن چھانٹیاں کر کے مزدوروں کو بے روزگار کر رہی ہے جس کی وجہ سے ان کی کارکردگی صفر کے برابر ہے ان کو عوام کی

تکالیف کا کوئی احساس نہیں رہا اگر بجلی کے اس مسئلے کی طرف عدلیہ یا ہماری افواج پاکستان نے توجہ نہیں دی تو وہ دن دور نہیں جب عوام پوری طرح سڑکوں پر نکل آئیں گے جس سے جلاؤ گھیراؤ کا نہ بند ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔عوام کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے ایک طرف دن رات کا چین حرام ہو چکا ہے تو دوسری طرف ان کے کاروبار کا بٹہ بیٹھ چکا ہے۔ایف بی آر ٹیکس پر ٹیکس لگا کر اپنا ٹارگٹ تو پورا کر رہی ہے مگر معیشت کے بگڑنے کی کسی کو پرواہ نہیں ہے۔بارشوں نے الگ تہہ و بالا مچا رکھا ہوا ہے،ہم نہ ہی کوئلے سے بھارت کی طرح کوئی نئے پلانٹ لگا رہے ہیں۔ اس وقت بھارت میں 100 سے زیادہ کوئلے سے چلنے والے بجلی گھر قائم ہو چکے ہیں جس سے وہ ایک تہائی اضافی بجلی حاصل کر رہے ہیں بقایا انہوں نے نئے ڈیم بنا کر اپنی بجلی کی ضرورت پوری کر لی ہے۔ہم سیاسی وجوہات میں گھرے ہوئے ہیں ڈیم نہیں بنانے دے رہے ہیں اس کو سیاسی مسئلہ بنا رکھا ہے دوسری طرف بھارت نے ہمارا پانی بھی روک کر ہماری زمینوں کو بنجر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔خدارا اس سنگین مسئلے کی طرف ہنگامی طور پر توجہ دیں ہمارے سائنسدان بار بار کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کا عندیہ دے چکے ہیں 3 سال سے زیادہ وقت اس حکومت نے بھی ضائع کر دیا ہے۔چین کی جس کمپنی نے اربوں ڈالرز کی انویسٹمنٹ کر کے کوئلے سے بجلی بنانا تھی وہ بھی اب اپنا سامان پیک کر کے واپس جانے کی تیاری کر چکی ہے۔ان کو اپنے جان و مال کی حفاظت کی کوئی گارنٹی دینے کے لئے تیار نہیں ہے ایسے میں یہ کوئلے کی کانیں مزید دھنستی جا رہی ہے یہ کوئلہ تو ہماری ضرورت پوری کرنے کے لئے 100 سال سے بھی زیادہ ذخائر رکھتا ہے مگر ماضی کی طرح کوئی بھی اس تھر کے علاقے کی طرف توجہ دینے کے لئے بظاہر تیار نہیں ہے پھر بجلی کا بحران کیسے دور ہو گا،اب وعدوں پر عوام کا اعتماد ختم ہو چکا ہے۔آج حکمرانوں کو سینیٹ کے الیکشن جیتنے کا ٹارگٹ ہے تو حزب اختلاف والے نئے وزیر اعظم کی تلاش میں ہیں۔

﴿بجلی کے بحران کو دور کرنے کا انوکھا فیصلہ﴾

4 سال کے طویل خاموشی کے بعد ہمارے وزیر اعظم کی زیر صدارت بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنے کے لئے ہمارے وزیر خزانہ حفیظ شیخ اور وزیر بجلی نوید قمر صاحبان نے ایک انوکھا فیصلہ کیا کہ پوری قوم 2 دن کی چھٹی کرے جن میں سرکاری ملازمین جو ایک چھٹی کم کر رہے تھے ان میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی دلی مراد پوری ہوئی مگر عوام،تاجر اور صنعتکاروں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے بیک زباں پر ناراضگی کا اظہار کر کے مسترد کر دیا مگر شاباش ہے وزیر اعظم کی کابینہ کو جس میں اکثریتی جماعتیں شامل تھیں فوراً اس لال بھجکڑ فیصلہ کو نہ صرف منظور کر لیا بلکہ اس کو 15 اکتوبر 2011ء سے نافذ بھی کر دیا اس پر مزید اسلام آباد اور فیصل آباد کے بجلی کے پیداواری یونٹوں کو بھی کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کی طرح اونے پونے بیچ کر جان چھڑانے کا بھی عندیہ دے ڈالا تا کہ عوام کو واپڈا جیسے کرپٹ ادارے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے اور کمیشن کھا کر اپنے پیٹ بھر لئے جائیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے فیصلے کرنے سے قبل تمام صوبوں کے نمائندوں سے مشاورت کی گئی،کیا تمام صنعتی اداروں جن میں فیڈریشن،چیمبرز،علاقائی صنعتی ایسوسی ایشن کے نمائندوں سے مشاورت کی گئی؟ دونوں کا جواب نہیں کی گئی یہ بالکل ماضی کی طرح سردیوں میں ایک گھنٹہ گھڑیاں آگے کرنے کا انوکھا تجربہ کر ڈالا اور وہ بھی ناکام رہا۔اس میں بھی مشاورت نہیں تھی ہم آخر صنعتکاروں،تاجروں کو کیوں نظر انداز کر کے صرف بیوروکریٹ حضرات اور عوامی نمائندوں جن میں اکثریت جاگیرداروں،وڈیروں اور چوہدریوں کی ہوتی ہے ان کو الف کے نام صنعتی ابجد سے بھی ناواقفیت ہوتی ہے جن میں صرف اس معاملہ میں انگوٹھا چھاپ اور وزیر اعظم وصدر صاحبان کی ہاں میں ہاں ملانے کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے 67 سال گزرنے کے باوجود ہم کوئی معاشی فیصلہ نہیں کر سکے۔دنیا نے بجلی کے بحرانوں پر قابو پا کر اپنی اپنی معیشت کو چار چاند لگا دیئے

جس کی تازہ ترین مثال ہمارا بہترین دوست چین ہے جس نے صرف 15 سالوں میں نا صرف بجلی پیدا کی بلکہ بجلی کو بیچنے کا عمل بھی شروع کر دیا اور ایک بجلی کے لئے کوئلے کی کانوں سے کوئلے نکالنے کا ٹھیکا لیا مگر ہم اس کمپنی کے افراد کو سیکورٹی فراہم کرنے میں ناکام ہوئے تو اربوں ڈالرز کی سرمایہ کاری بھی ختم کر کے وہ لوگ واپس جا رہے ہیں۔اب آیئے حقیقت کی طرف پاکستان دنیا کا خوش نصیب ترین ملک ہے جس میں خود بجلی پیدا کرنے کی بے پناہ قدرتی صلاحیتیں ہیں اول اس ملک پر سورج سے پڑنے والی شعاعیں بقول سائنسدانوں کے سب سے قریب اور تیز ہیں جنہیں ہم سولر سسٹم سے قابو کر سکتے ہیں، دوئم ہمارے دونوں سمندر جن سے ہم بجلی کے علاوہ دیگر کام بھی لے کر میٹھا پانی، نمک اور کیمیکل پیدا کر سکتے ہیں اس کی طرف ہمارے کوئی توجہ نہیں ہے جبکہ عرب ممالک اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے ریگستانوں کو ہرا بھرا کر کے اجناس، سبزیاں، پھل پیدا کر کے کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں، سوئم ہمارے سائنسدان بار بار ہمارے کوئلے کے خزانوں کی طرف توجہ دلا چکے ہیں جو 100 سال کے لئے بھی کافی ہیں مگر اس حکومت کو بھی آج 4 سال ہونے کو آئے ہیں تھر میں کوئلہ نکالنے کی توفیق نہیں ہوئی ہے جبکہ کوئلے کو قیمتی زرِ مبادلہ خرچ کر کے امپورٹ کیا جا رہا ہے، چوتھی خوش قسمتی ہمارے سمندری ساحل ہیں جس سے ہم جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے بجلی پیدا کر سکتے ہیں، پانچویں دریاؤں پر ڈیم بنا کر اپنے اپنے علاقوں کو بجلی فراہم کر سکتے ہیں مگر سائنسدانوں کا کام ہمارے سیاست دان مورچے بنا کر بیٹھے ہیں ایک ایک وزارت کے لئے لڑتے ہیں مگر پاکستان کی سالمیت کی ان کو پرواہ نہیں ہے معیشت بھاڑ میں جائے بجلی کی لوڈشیڈنگ کا عذاب قبول مگر ڈیم نامنظور۔ بھارت نے ایک طرف ہمارا پانی روک کر 100 سے زیادہ ڈیم بنا لئے ہیں اور جب بارشیں زیادہ ہو جائیں انہی ڈیموں سے فاضل پانی یک دم چھوڑ کر ان کا رخ ہماری طرف چھوڑ دیتا ہے جس سے 2 سال سے ہماری زمینیں سیلاب زدہ ہو چکی ہیں بھری فصلیں تباہ اور عوام

بے گھر ہو رہے ہیں۔ہماری حکومت کی ساخت خود اپنے عوام میں اور بیرون ملک اتنی خراب ہے کہ کوئی ہم پر بھروسا نہیں کرتا جتنے اعلانات اور وعدے کریں اس سال تو سیلاب زدگان کی کسی نے کوئی مدد نہیں کی۔

اب میں آپ کو بجلی کے بحران کا اصلی تجزیہ پیش کرتا ہوں، بقول وزیر پیداوار بجلی ہم 14500 میگا واٹ بجلی پیدا کر رہے ہیں جبکہ ہماری ضرورت 19000 میگا واٹ ہے گویا ہم صرف 4500 میگا واٹ کم بجلی پیدا کر رہے ہیں گویا صرف 20 فیصد بجلی کی کمی ہے۔دن کے 24 گھنٹوں میں اگر صرف 4 گھنٹے بجلی بند کریں تو بجلی کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے تو پھر 12 بارہ گھنٹے بجلی پورے ملک سے اوسطاً جا رہی ہے تو باقی 8 گھنٹے کی بجلی کہاں جمع کی جا رہی ہے یہ صرف الفاظوں کا ہیر پھیر ہے جو ایک وزیر بجلی سے دوسرے وزیر بجلی اور ایک وزیر خزانہ سے دوسرے وزیر خزانہ تک 4 سال سے جاری ہے، ہمارے پہلے وزیر بجلی راجہ پرویز اشرف نے کھلے عام میڈیا پر اعلان کیا کہ ایک سال میں بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کر دی جائیگی اس وقت اوسطاً تمام دن میں 4 گھنٹے کی بجلی کی لوڈشیڈنگ ہوتی تھی آج وہ بڑھ بڑھ کر آدھے دن تک تو جا چکی ہیں اور بعض علاقوں میں تو کئی کئی دن بجلی نہیں ہوتی لوڈشیڈنگ تو دور کی بات ہے۔عوام کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہمارے سب سے بڑے بجلی کے صارفین اپنی ضرورت کی بجلی اپنے اپنے کارخانوں میں جنریٹروں سے پوری کر رہے ہیں، گھروں میں چھوٹے جنریٹر اور دوکانوں اور دفتروں میں درمیانے جنریٹر ہی بجلی کی ضرورت پوری کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ڈیزل، گیس اور پیٹرول کا اضافی خرچہ بھی عوام خود اٹھا کر اس عذاب کو جھیل رہے ہیں اس لوڈشیڈنگ کی آڑ میں ڈیزل، تیل اور پیٹرول جو دنیا میں آدھے داموں پر دستیاب ہیں ہمارے عوام سے مہینے میں 2 دو مرتبہ اضافہ کر کے اپنے بجٹ کی رقم کو پورا کیا جاتا ہے۔ ہڑتالیں، قتل، لسانی تنظیمیں، مہنگائی کی وجہ سے کئی کئی دن کاروبار بند ہوتا ہے تو وہ بجلی کہاں جاتی ہے

کیااضافی 52چھٹیوں ،شادی ہالوں،نیون سائنوں سے بھلالوڈشیڈنگ ختم ہوسکتی ہے ہرگزنہیں ہر گزنہیں جب تک ہم بجلی کی پیداوار کی طرف جن کی راقم نے نشاندہی کی ہے حکومت اس طرف توجہ دےاور پورے ملک میں ایک چھٹی یا دوچھٹی کے نظام کے بجائے 7دنوں پر مشتمل چھٹیوں کا نظام رائج نہیں کیا جائیگا،لوڈشیڈنگ پر قابونہیں پایا جاسکتا یعنی ایک شہر کو 7دنوں میں تقسیم کیا جائے اور علاقہ وار چھٹی کی جائے جیسا کہ بھارت نے یہ طریقہ رائج کر کے تجربہ کیا تھا آج وہ کامیابی سے جاری ہے مگر پھر بھی اضافی بجلی پیدا کرنے کا تمام راستے اپنانے سے ہم اس سے نجات حاصل کر سکیں گے ورنہ 4سال میں ہماری معیشت کو بٹھادیا گیا ہے اب معیشت کو لٹادیا جائیگا اور آخر کار سُلا کر ہی جان چھوٹے گی ۔بقول ہمارے وزیرخزانہ 18ویں ترمیم کے بعد تمام صوبے اپنی اپنی بجلی خود کیوں نہیں پیدا کرتے تو ایک صوبے والوں کو دوسرے صوبے والوں پر اعتبار ہی کب ہے پاکستان تو دور کی بات 100سال تک بھی ہم بجلی کا بحران ختم نہیں کرسکیں گے اور یوں ہی لڑتے لڑتے ملک گنوالینگے۔

﴿پاکستان کا دانشمندانہ فیصلہ﴾

بھارت کو پاکستان نے پسندیدہ ترین ممالک میں شامل کرنے کا اعلان کردیا جس کی ایک ہفتے سے خبریں گردش کررہی تھیں ۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کے دباؤ میں آ کر جس طرح افغانستان کے لئے ٹریڈٹرانسٹ کی اجازت دی تھی اس فیصلے کا ردعمل پہلے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی کابینہ میں دبے لفظوں میں مخالفت کی گئی پھر سینیٹ کے اجلاس میں کھل کر ان خدشات کا اظہار کیا گیا جس کی وجہ سے پاکستان کو تجارتی توازن میں مزید نقصان پہنچنے کا احتمال ہے ۔یعنی بھارت پہلے ہی پاکستان سے اوسطاً 10فیصد سے بھی کم درآمد کرتا ہے وہ بھی خاص خاص اشیاء جو بھارت میں نہیں بنتی یا پھر پاکستان کی قیمتیں بیرونی ممالک سے ارزاں ہوں تب ہی ان کے درآمد کنندگان منگواتے ہیں۔ یہ فیصلہ اگر چہ بالکل یکطرفہ ہے مگر پاک بھارت تعلقات میں بہتری لانے کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوگا اس کی وجہ پاکستان کی طرف سے یہ خیر سگالی جذبات یقیناً برف پگھلنے میں بہت مددگار ہی نہیں بلکہ بارش کا پہلا قطرہ جس سے زمین کی گرمائش اور تپش میں کمی ہوتی ہے ۔بھارتی حکمرانوں کو اعتدال کی سیاست پر مجبور کرے گی اور امن کی آشا جس کو چند سال سے ہمارے صحافتی ادارے دل وجان سے چاہتے تھے اس میں بھی بہتری آئے گی ۔یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستانی عوام بھارت سے اچھے تعلقات کے اگر 80فیصد خواہاں ہیں تو بھارتی عوام بھی 60فیصد تک پاکستان سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں حکومت کو مجبور کرتے رہے ہیں ۔اگر قیامِ پاکستان سے بھارتی حکمران دل سے پاکستان کو تسلیم کرلیتے تو دونوں ملکوں کا کھربو ڈالرز کا غیرضروری زرِمبادلہ (Foreign Exchange) جو فوجی اخراجات کی وجہ سے ضائع ہونے سے بچ جاتا اور تجارتی منافع اس کے علاوہ ہوتا اور دونوں پڑوسی ایک دوسرے کا اچھے برے وقت میں کام آسکتے تھے جس کو ہمارے مشترکہ چھپے ہوئے دشمنوں کی سازش قرار دی

جا سکتی ہے خم نہیں لیتی اور 2 جنگیں جن میں ہزاروں بے گناہ فوجی اور شہری مارے گئے وہ بھی نہ مرتے۔ بہر حال دیر آید درست آید۔ اس موجودہ حکومت سے جہاں عوام مہنگائی، بجلی کے بحران، دہشت گردی کی وارداتوں اور کرپشن سے نالاں ہیں اور جن کے وزراء کی کارکردگی کرپشن کے سواء کچھ نہیں ہے، شاید تاریخ اس فیصلے کو سراہے اور دونوں قوموں کی جہالت، غربت کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ اب بال بھارت کے کورٹ میں ہے کہ وہ کس طرح اس خیر سگالی کے جذبات کا جواب کیسے دے، اگر بھارت کی طرف سے مثبت جواب نہیں دیا گیا تو سمجھیں یہ بھارت کی سنگین غلطی ہوگی اور وہ ایک سنہری موقع گنواں بیٹھے گا۔ پھر شاید ہی کوئی حکومت ایسی آئے جو اس طرح کی یکطرفہ مراعات کا اعلان کرنے کی ہمت کرے اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ اس وقت عملی طور پر غیروں کی تعداد قومی اسمبلی ہو یا سینیٹ موجودہ حکومت بہر حال اکثریت میں ہے اور وہ اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی پوزیشن میں بھی ہے۔ آخر کسی نے تو پہل کرنی تھی ماضی میں بھی نواز شریف کے دور میں اُس وقت کے بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے واہگہ کے راستے پاکستان میں آکر دوستی کرنے کی خاطر ایک کوشش کی تھی مگر افسوس اپوزیشن نے اس یاترا کو ناکام بنایا پھر کارگل کا واقعہ اُس پر مزید تلخ یادیں بڑھا گیا اور آخری موقع ہم نے ممبئی تاج محل ہوٹل پر دہشت گردی کے الزامات دونوں ملکوں کے عوام کو ایک دوسرے سے بدظن کر گئے جس کی وجہ سے موجودہ حکومت پر ایک بوجھ یہ بھی تھا جو اس نے اپنے کندھوں سے اس تجارتی راستے کو کھول کر اتار دیا ہے اگر تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ایک طرف بھارت کو 18 کروڑ کی تجارتی منڈی مل رہی ہے تو دوسری طرف پاکستان صنعتکاروں کو 130 کروڑ کی منڈی تک رسائی حاصل ہوگی۔ پاکستان کی کرنسی چونکہ بھارت کی کرنسی سے تقریباً آدھی ہے اس وجہ سے اگر صحیح طریقے سے تجارت کرے تو ہم بھارت میں اپنی مصنوعات کو فروغ دے سکیں گے۔ دوسری طرف ہم پہلے ہی اربوں ڈالرز کی

امپورٹ دبئی اور دیگر ذرائع سے کر کے اضافی اخراجات کرتے رہے ہیں، ایک طرف تو وہ اضافی اخراجات اور وقت کا ضیاع سے ہونے سے بچے گا تو دوسری طرف یورپ اور امریکہ سے ہم 80 فیصد جو خام مال مہنگے داموں منگواتے رہے ہیں اب ہم براہِ راست سستے داموں بھارت سے منگوا سکیں گے اور جب دونوں ممالک اس میں ڈیوٹیوں کی کمی کا اعلان کر پنگے تو عوام کو سستی اشیاء فوری طور پر مل سکیں گی۔ بھارتی صنعتکار پاکستان آکر نیک نیتی سے کاروبار بڑھائیں گے تو اس میں دونوں ہی ملکوں کی معیشت پروان چڑھے گی۔ آخر یورپی یونین اور گلف ممالک میں ایک دوسرے سے تجارت کے راستے کھول کر عوام کو سستی اور اچھی اشیاء اور وقت کی بچت کر کے فراہم کی ہیں، ہم کیوں ان تجربات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اگرچہ ہم بھی ایسی ہی ایک تنظیم جو سارک کے نام سے قائم ہے جسے قائم ہوئے تقریباً 18 سے 20 سال سے زیادہ ہو چکے ہیں مگر آج تک کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے ان ممالک کے عوام کو فائدہ پہنچتا اور ان کے ممبر ممالک کی معیشت بہتر ہوتی۔ کاش سب سارک ممالک کے ممبر حکمران ایک مرتبہ پھر بیٹھ کر ماضی کا جائزہ لیں کہ کس طرح سے 2 ارب سے زیادہ پڑوسی عوام آج تک غربت، جہالت، بیماری کے مارے بے سکون کھلے آسمان تلے زندگی گذار رہے ہیں آج تک ہماری سرحدیں بند ہیں، عوام بغیر ویزے کے ایک دوسرے کے ملک میں آجا نہیں سکتے اور ایک دوسرے سے آزادانہ تجارت بھی نہیں کر سکتے اور سات سمندر پار کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مہنگے سامان خرید خرید کر اپنا اپنا زرِ مبادلہ ضائع کر رہے ہیں اور ان تک ہماری کوئی رسائی نہیں ہے اور وہ کھلے عام ہمارے ملکوں میں اپنی من مانی قیمتوں میں مال فروخت کر کے اپنے عوام کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور ہم ایک دوسرے کے دست و گریباں ان کی سازشوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کر رہے ہیں ان کے بہکاوے میں آکر ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا بیکار اسلحہ خرید کر انکے عوام کو خوشحال اور اپنے عوام کو بدحالی کے

کنویں میں دھکیل رہے ہیں۔ ہمارے ان ہی ممالک کے قیمتی دماغ (Brain) انکے ملکوں میں جا کر اپنی تعلیمی صلاحیتوں سے ان کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ کاش ہم سب سوچیں کہ ہم 2 ارب عوام مل کر دنیا میں انقلاب لا سکتے ہیں خواہ وہ صنعتی انقلاب ہو یا تعلیمی انقلاب ہو ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُن کو ہماری ضرورت ہے جو ہمارے پاس افراد کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ہم سے مادی فوائد حاصل کر رہے ہیں اور نادانی میں ان کے ہاتھ مضبوط کر کے اپنے عوام کا اپنے ہی ہاتھوں گلہ گھونٹ رہے ہیں۔ اگر پاکستان اور بھارتی تعلقات بہتر ہو گئے تو ایک نہ ایک دن ہم مل بیٹھ کر مسئلہ کشمیر بھی حل کر لینگے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس مسئلے کو پاکستان اور بھارت 67 سال میں بھی حل نہیں کر سکے اس مسئلے کو دونوں کشمیری عوام پر چھوڑ دیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں خود فیصلہ کریں کہ کس طرح اس خطے میں ایک مرتبہ پھر امن و امان کی فضاء بیدار ہوگی اور عوام خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

﴿سندھ میں بار بار نظام کی تبدیلی کیوں؟﴾

سابق وزیرِ داخلہ سندھ ذوالفقار مرزا کے دور کے افسانے اب موجودہ وزیرِ داخلہ سندھ منظور وسان کافی عرصے تک خاموشی کے بعد میڈیا پر لا رہے ہیں جن میں دونوں ایک دوسرے پر کرپشن کے الزامات لگا رہے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ منظور وسان اُن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبرا رہے ہیں۔ غالباً اُس کی وجہ ذوالفقار مرزا کی صدر صاحب سے پرانی اٹوٹ انگ دوستی ہے جس کا مرزا صاحب اپنی تاریخی پریس کانفرنس جو انہوں نے سر پر قرآن رکھ کر کی تھی انکشاف کیا تھا کہ وہ جو کچھ بھی ہیں وہ صرف اور صرف صدرِ پاکستان جناب آصف علی زرداری صاحب کی مرہونِ منت ہیں اور وہ یہ احسانات زندگی بھر نہیں اتار سکیں گے اب ان کو پی پی پی سے بھی فارغ کر دیا گیا ہے اگرچہ عملی طور پر وہ در پردہ پی پی پی کے حصہ دار ہیں ان کی بیگم صاحبہ آج بھی پاکستان کے تیسرے بڑے عہدے یعنی قومی اسمبلی کی اسپیکر ہیں اور قومی اسمبلی کے تمام معاملات بخوبی انجام دے رہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سندھ کی ناعاقبت اندیش بیوروکریسی میں جو عجلت میں غیر ضروری اقدامات جانے والے کے ساتھ بے مروتی اور آنے والے کے ساتھ حد سے بڑھ کر دوستی کا ثبوت دیتی ہے۔ اُس نے بیگم ذوالفقار مرزا سے سندھ میں حفاظتی پروٹوکول واپس لے کر وزیرِ داخلہ منظور وسان کو خوش کر دیا ہے دیکھتے ہیں اس پر کتنے عرصے عمل درآمد ہوتا ہے۔ اس کی وجہ وی وی آئی پی کا درجہ رکھنے والوں کی حفاظتی اقدامات لازمی درجہ رکھتے ہیں خصوصاً قومی اسمبلی تو ملک کا سب سے بڑا قومی ادارہ ہے جسے قانون بنانے کا 100 فیصد حق ہوتا ہے۔ وزیرِ اعظم اور صدر صاحبان اگر قومی اسمبلی سے خطاب کرنے آتے ہیں تو وہ بار بار صرف جناب اسپیکر کہہ کر ہی مخاطب ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری مرکزی وزیرِ داخلہ کے ذمہ ہوتی ہے جس کے وزیر رحمان ملک ہیں جن کے ساتھ بھی سب سے پہلے ذوالفقار مرزا نے دو دو ہاتھ کیئے تھے جس کو رحمان ملک جنس کر حسبِ روایت ٹال گئے تھے

اور بعد میں دونوں صاحبان نے ایک ساتھ تصویر کھچوا کر یکجہتی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

ذوالفقار مرزا کو کس نے یک لخت پی پی پی کی سندھ حکومت کی سب سے بڑی جماعت ایم کیو ایم کے خلاف استعمال کیا وہ ابھی تک کھل کر سامنے نہیں آیا ہے اور جس کی وجہ سے ایک مرتبہ ایم کیو ایم سخت ناراضگی کا اظہار کر کے حکومت سے علیحدہ ہوگئی تھی اور رحمان ملک ان کے قائد کو منانے میں ناکام ہو گئے تھے پھر صدر صاحب نے اپنی ذاتی کوششوں سے اور گورنر سندھ عشرت العباد صاحب کی بروقت مداخلت سے دوبارہ حکومت میں شمولیت کروادی تھی مگر ان چند دنوں کی غیر حاضری سے پی پی پی والوں نے گورنر کی غیر موجودگی میں قائم مقام گورنر جناب نثار کھوڑو سے بلدیاتی اداروں کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر شہری اور دیہی حکومتیں ختم کر کے 3 آرڈیننس راتوں رات جاری کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ مگر جب ایم کیو ایم نے مزاحمت کی تو صرف 4 گھنٹوں کے بعد پرانا بلدیاتی نظام بحال کر دیا گیا جو 2001ء سے سابق صدر پرویز مشرف کے دور سے نافذ العمل تھا مگر اس میں کئی ترامیم بھی کیں اور کراچی، حیدرآباد کو چھوڑ کر (غالباً ایم کیو ایم کو خوش رکھنے کے لئے) دیگر صوبے میں کمشنری نظام جاری رکھنے کے احکامات جاری کر دیئے، گویا ایک صوبے کو دو مختلف نظاموں سے چلانے کی انوکھی حکمتِ عملی بنائی گئی تا کہ دیگر اضلاع میں جہاں پی پی پی کا عمل دخل ہے اس کو خوش رکھنے کے لئے اور اپنا ووٹ بینک بچانے کے لئے حکومتِ سندھ نے یہ تجربہ بھی کر ڈالا۔ ابھی یہ نظام چلنا شروع ہوا تو پھر اس میں بھی تبدیلی لائی گئی اور کراچی کو واپس 5 اضلاع میں تبدیل کر دیا گیا جبکہ حیدرآباد کی پوزیشن کو پرانی حیثیت میں برقرار رکھا گیا۔ اس دوران قوم پرستوں نے ذوالفقار مرزا کو ہیرو بنا کر سندھ کا سب سے بڑا خیر خواہ بنا کر جلسے جلوس نکالنے شروع کر دیئے، اندرونِ سندھ ہڑتالیں بھی کروائیں گویا شہری اور دیہی عوام میں تفریق ڈال کر ایک دوسرے سے لڑوانے کی سازش کی جو زیادہ عرصے نہیں چل سکی اور پھر چوتھی مرتبہ آرڈیننس کے

ذریعے کمشنری نظام نافذ کر دیا گیا اور بہت پرانا نظام ڈپٹی کمشنروں کی حیثیتوں کو دوبارہ بحال کر کے 4 ماہ سے بھی کم عرصے میں 4 بار تبدیل کر کے تمام نظاموں کا چوں چوں کا مربع بنا کر سندھ میں رہنے والے سندھی، اردو، پنجابی، پٹھان اور بلوچوں میں غیر یقینی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ ایم کیو ایم خاموش ہے کب اس کی طرف سے مزاحمت شروع ہوتی ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا اس کی وجہ بھی حالیہ ایم کیو ایم کی کراچی ریلی جو اُس نے صدر صاحب کے ساتھ یکجہتی کا ثبوت دینے کے لئے مسلم لیگ نواز شریف کے بھائی شہباز شریف کے لاہور کے جلسے کے جواب میں کراچی میں کامیاب ریلی نکال کر دشمنوں کا منہ بند کر دیا تھا مگر ذوالفقار مرزا اب پورے سندھ میں دورے کر کے جگہ جگہ جلسے کر کے ایک طرف پی پی پی سے محبت رکھنے والے ووٹروں کو بھڑکا رہے ہیں تو دوسری طرف ایم کیو ایم کے خلاف کھل کر الزامات لگا رہے ہیں۔ اب ان الزامات کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے پہلے انہوں نے منظور وسان پر الزامات کی بوچھاڑ کی اب وہ اس کی لپیٹ میں آغا سراج درّانی اور دیگر وزراء کے نام گنوا رہے ہیں اور روزانہ کسی ٹی وی چینلز میں آ کر اپنے غم و غصے کا اظہار کر رہے ہیں ساتھ ساتھ ان کو ڈر ہے کہ نامعلوم طاقتیں ان کی جان بھی لے سکتی ہیں جس کی انہیں بقول سندھ کے لئے اُن کی جان امانت ہے اُس کا کوئی ڈر نہیں ہے اگر خدانخواستہ ایسا کوئی حادثہ ہو گیا تو اُس کا بہت بڑا نقصان اس صوبے کے حصے میں آئے گا اور مفاد پرست اس کی آڑ میں ایک مرتبہ پھر کشت وخون کی سیاست شروع کر سکتے ہیں۔ سندھ حکومت نے ابھی تک کیوں اتنی ڈھیل دے رکھی ہے اس کی وجہ بھی کسی کو نہیں معلوم آیا وزیرِ اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی کمزوری انکے ہاتھ لگی ہوئی ہے یا پھر وہ کسی اور کے در پردہ ایماء پر اچھل رہے ہیں اور منظور وسان کو بار بار اپنی گرفتاری کے لئے کہہ رہے ہیں ساتھ ساتھ وہ یہ بھی للکارتے ہیں کہ وزیرِ داخلہ منظور وسان سندھ میں ان کے خلاف الیکشن لڑ کر دیکھ لیں دونوں کی عوام میں مقبولیت سامنے آجائے گی۔ دوسری طرف مرکزی وزیرِ داخلہ رحمان ملک

بھی اُن کی طرف سے خاموشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ذوالفقار مرزا کے حوصلے اور بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا جانے ان نظاموں کی تبدیلی کی آڑ میں کیا کچھ ہونے جا رہا ہے ہمارے وزیرِ اعظم بھی اس کو نظر انداز کیئے ہوئے ہیں البتہ عوام خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں اور ان بڑوں کی لڑائی سے خائف ہیں کب یہ لاوا پھٹ کر سندھ کو متاثر کرے کوئی پیشن گوئی نہیں کی جا سکتی ہے۔

﴿ عمران خان فیکٹر ﴾

میں اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا کہ موبائل پر ایک غیر سیاسی مگر نوجوان صنعتکار کا فون آیا کہ وہ فوری طور پر ملنا چاہتا ہے تو میں نے کہا ایک گھنٹے کے بعد آجاؤ مگر وہ بے تکلف دوست آدھے ہی گھنٹے میں تشریف لے آئے، علیک سلیک کے بعد کہنے لگے کہ مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے ان صاحب کا بر سوں چیمبر زاور صنعتی ایسوسی ایشن سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ کہنے لگے کہ بھائی جان مجھے "اوپر" سے تحریکِ انصاف میں شمولیت کی دعوت ملی ہے چونکہ آپ ماضی میں سیاست میں حصہ لیتے رہے ہیں تو مجھے مشورہ دیں کہ میں واقعی سیاست میں بھی آجاؤں۔ میں نے پہلا سوال کیا اوپر سے کیا مراد ہے، ہنس کر کہنے لگے سرکاری دوست نے خصوصی طور پر دعوت دی اور کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ پی پی پی اور مسلم لیگ دونوں سے جان چھڑائی جائے اس کی وجہ دونوں نے برسہابرس سے اس ملک میں سیاست کو کاروبار بنا کر عوام کو بے وقوف اور پاکستان کو کھوکھلا کر دیا ہے ہر دن کوئی نہ کوئی کرپشن کا کیس تقریباً ہر وزارت میں میں سامنے آتا ہے اور اب تو حد یہ ہو چلی ہے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں بھی نہیں اربوں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔ دونوں ملک گیر پارٹیوں کے ذمہ داران ایک دوسرے کے معاملات چھپا کر نورا کشتی کر رہے ہیں ایک نے چار سال گزار دیئے اور دوسرا اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ آخر وہ سیاست میں کیوں آنا چاہتے ہیں کہنے لگے کہ میرا دل چاہتا ہے میں کسی بھی طرح پاکستان کی خدمت کروں اگر چہ کاروبار میں میں تنہا ہوں، بچے ابھی زیرِ تعلیم ہیں پھر بھی وقت نکال کر سیاست کروں گا۔ میرے بہت سے دوست تحریکِ انصاف میں ہیں ان کا بھی یہی کہنا ہے ہم صنعتکار اپنے اپنے حصہ کی سیاست کریں نہ کہ یہ پیشہ ور سیاستدان 67 سال سے اپنی دوسری اور تیسری نسل کو سیاست میں حصہ لیکر زمینداری اور جاگیرداری کو مضبوط سے مضبوط تر کر کے ملک کے دو ٹکڑے کروا کر بھی چین سے نہیں بیٹھتے اور پاکستان کو اپنی جاگیر سمجھ کر اپنی من مانی کر رہے

ہیں ۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجھے کافی عرصے سے ٹی وی چینلوں پر عمران خان کا تمام کرپٹ سیاستدانوں کو چیلنج کرنا بہت اچھا لگتا ہے کہ کم از کم تحریکِ انصاف گذشتہ چند سالوں میں بہت اُبھر کر سامنے آئی ہے لگتا ہے کہ ہماری اسٹیبلشمنٹ اب عمران خان کے ذریعے پاکستان میں سیاسی تبدیلی لانا چاہتی ہے اسی وجہ سے مجھ سے بھی رابطہ کر کے یہ پیغام دیا کہ میں اور میرے دوست کراچی میں 25 دسمبر کے جلسۂ عام میں شمولیت کا اعلان کر کے صنعتکاروں کو بھی سیاست میں آنے کی ترغیب دیں ۔میں نے جواب دیا کہ مجھے عمران خان سے کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے وہ جذباتی ہیں جوشی خطابت میں وہ سیاسی آداب کا بھی خیال کیئے بغیر کرکٹروں کی زبان استعمال کر کے پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے تو تراخ پراُتر آتے ہیں اور اب تو وہ لاہور کے جلسے کے بعد خود کو ملک کا وزیرِ اعظم سمجھ بیٹھے ہیں ۔ابھی تو صرف ایک جلسے کا خمار اُن کو کہاں سے کہاں لے گیا اگر دو چار اور جلسے انہوں نے ایسے کر دیئے تو نہ جانے اپنے آپ کو کہاں پہنچا دینگے ،خصوصاً جو تین سابق بیوروکریٹس کی اُنکی جماعت میں شمولیت خصوصاً انکی نیک نامی پر حروف آنے کا خدشہ ہو گی ان بیوروکریٹس صاحبان کا ماضی بھی داغ دار رہا ہے ایک لے دے کے وہ سابق وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی کی شمولیت کی اطلاع ابھی بہت قبل از وقت ہے وہ سیاسی نظام سے جو گندگی سے لدا پڑا ہے تنہا اُس کو دلدل سے نہیں نکال سکتے اور بقول چوہدری شجاعت ماضی کے بدنامِ زمانہ سیاستدان "اوپر" والوں کی آشیر باد سے اور خود اُنکی ڈرائی کلین کی فیکٹریوں سے ماضی کی طرح دھل دھل کر تحریکِ انصاف میں شامل کر دیئے جائینگے پھر وہی سیاستدان اُنکی پارٹی پر قابض ہو کر اپنی من مانیاں خود بھی کرینگے اور خان صاحب سے بھی کروائینگے دونوں صورتوں میں عمران خان کی ساکھ کو بھی دھچکا لگے گا اور پارٹی بھی روایتی سیاست کا شکار ہو جائیگی ۔اگر چہ عوام کی بہت بڑی اکثریت اب گندی سیاست سے بیزار نظر آتی ہے مگر پورے ملک میں پھیلے ہوئے سیاسی گند کو کیسے عمران خان تنہا صاف کرنے

میں کامیاب ہو جائینگے نہ تو اُن کا 20 سالہ ماضی سیاست میں کامیابی کی نشاندہی کرتا ہے نہ وہ سیاسی داؤ پیچ جانتے ہیں نہ وہ عوامی لیڈر بن کر اُبھرے ہیں البتہ میڈیا میں آ کر انہوں نے عوام کو زبان ضرور دی ہے جس طرح ماضی میں ذوالفقار علی بھٹو نے عوام کی زبان استعمال کی اور ایوب خان جیسے آمر کے سامنے عوام کو لا کھڑا کیا مگر عمران خان سے ایسی توقعات وابستہ کرنا بھی قبل از وقت ہے، بیشک میڈیا ان کو روزآنہ بلا بلا کر سخت زبان میں تنقید کروا رہا ہے، کرپٹ سیاستدانوں کے خلاف آوازیں بلند کر کے اُن سے عوام کو آگاہ کر رہا ہے مگر اس سے ان سیاستدانوں کو کوئی اثر نہیں پڑتا ایک طرف وہ عمران خان کے جلسے میں جاتے ہیں تو دوسرے دن نواز شریف کے جلسوں میں بھی عوام کی تعداد کم نظر نہیں آتی تو تیسرے دن مسلم لیگ (ق) والے بھی اپنا جلسہ کر کے لوگوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں ۔ہر صوبے میں سیاسی جماعتیں اپنے اپنے حامیوں کی تعداد بتا کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے ہیں ایک سیٹ پر مسلم لیگ کا امیدوار کامیاب ہوتا ہے تو دوسری سیٹ پر پی پی پی کا امیدوار 20 تیس ہزار سے زائد ووٹ لیکر کامیاب ہو جاتا ہے اور خصوصاً ابھی تک عمران خان کی نومولود پارٹی کا ایک بھی اُمیدوار چند ہزار ووٹوں سے زیادہ نہیں لے سکا اگر لاہور کے جلسے سے کامیابی کا اندازہ لگایا جائے ، بیلٹ بکسوں میں ان کی حامی ووٹ کیوں نہیں ڈالتے کیا وہ دونوں سیاسی جماعتوں کے اُمیدواروں سے خائف ہیں بڑے بڑے جاگیرداروں ، چوہدریوں ، نوابوں اور وڈیروں کی سیاست پر گرفت اتنی سخت ہے کہ 1967ء میں تو یہ پودا تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا تھا اب تو بیوروکریسی بھی اس میں حصہ دار بن چکی ہے ہر طرف الگ الگ مافیوں کا زور ہے ایک تنہا عدلیہ اس کے سامنے ڈٹی ہوئی ہے مگر جس دن حکمرانوں نے اپنی اصلی صورت دکھائی تو شاید عدلیہ بھی ڈر جائے اور ان مضبوط کرپٹ سیاستدانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دے، دوسری طرف وہ فوج کو بھی خبردار کر رہی ہے کہ عدلیہ کوئی ماضی کی طرح کا سیاسی دخل برداشت نہیں کرے گی جس

سے فوج بھی اپنا کوئی کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے اگر فوج مداخلت کرے تو عدلیہ اس کے سامنے آجائے گی۔ اگر فوج خاموشی اختیار کرے تو یہ حکمران اور حزب اختلاف دونوں ہی ملک کو لوٹنے کا عمل باری باری جاری رکھیں گے ایسے میں چند صاف ستھرے نئے نویلے نوجوان سیاسی کردار ادا کرنے کی خواہش رکھنے والے ان مگرمچھوں سے کیسے بچ سکیں گے کوئی معجزہ ہی پاکستان کو اس سیاسی گندگی سے نجات دلا سکتا ہے۔ میرے دوست نے جب میرا سیاسی تجزیہ سنا تو منہ لٹکا کر واپس چلا گیا اگر چہ اس کا دکھ مجھے بھی بہت ہوا کہ میں نے اسے کیوں مایوس کیا مگر مجھے خطرہ تھا کہ وہ سیاست کی دلدل میں گھس کر اپنا لگا لگایا کاروبار نہ تباہ کر بیٹھے کہ اُس کے بچے جب تعلیم سے فارغ ہوں تو وہ کاروبار کے بجائے نوکریوں کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں۔ کاش اللہ تعالیٰ اس ملک پر اپنی نظرِ کرم کے کے ہمارے ملک کو صحیح ترقی کی راہ پر ڈال دے اُس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ آخر ایک نہ ایک دن اس ملک کی تقدیر کو بدلے گا مگر عوام جب تک انقلابی طور پر کھڑے نہیں ہوتے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس ملک کی تقدیر نہیں بدل سکتے اُس کے لئے قربانی لازمی ہے۔ کیا 17 کروڑ انسان قربانی کے لئے تیار ہیں؟ مگر نا اُمیدی بھی کفر ہے۔

﴿ نومبر کیا گل کھلا کر جائے گا؟ ﴾

آخر کار وہی ہوا جس کا خطرہ تھا عمران خان کا غصہ مسلم لیگ (ن) کے صدر نواز شریف نے پی پی پی پر ڈال کر حسین حقانی کو سبکدوش کروادیا اور معاملہ سپریم کورٹ تک لے گئے اس کا کیا نتیجہ نکلے گا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں جب پی پی پی ہی کے دور میں امریکہ کے کیری لوگر بل میں پاکستان کی امداد کو فوج کی عدم مداخلت سے منسلک کر دی گئی تھی۔ اس وقت بھی عوام اور افواج پاکستان کی طرف سے شدید ردعمل دیکھنے میں آیا تھا اور عوامی احتجاج کے سامنے پی پی پی کے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے تھے۔ راقم ان دنوں امریکہ میں تھا ایک ٹی وی چینل فوکس (Fox) پر ایک خاتون اینکر ہمارے سفیر حسین حقانی کا انٹرویو کر رہی تھیں تو انہوں نے حقانی کو کہا تھا کہ جناب یہ فوج والی عدم مداخلت والی شق تو پاکستان کی طرف سے پیش کی گئی تھی پاکستان کے حکمرانوں نے خود تجویز پیش کی تھی کہ اب 10 سال بعد جمہوریت واپس آئی ہے تو اس کو ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لئے ضروری ہے کہ فوج آئندہ مداخلت نہ کرے اور پاکستان کو دی جانے والی امداد صرف جمہوری ادارے ہی استعمال میں لا سکیں گے۔ اگر چہ بعد میں یہ شق ختم کر دی گئی تھی اور معاملات بہت صحیح سمت جا رہے تھے تو نہ جانے کیوں بیٹھے بٹھائے یہ میمو اسکینڈل سامنے لایا گیا اس میں کس کا فائدہ تھا کون اس محرک کے پیچھے تار چھیڑ کر کس کو بھگانا چاہتا تھا اور کیوں اس کو منظر عام پر لا کر انتشار پھیلا گیا۔ ایک طرف ہماری سلامتی کو چیلنج کیا گیا تو دوسری طرف افواج پاکستان کو سیاست میں گھسیٹا گیا جبکہ جنرل پرویز کیانی صاحب کا کردار ماضی کے فوجی سربراہوں سے بالکل مختلف رہا اور جمہوریت سکون سے پنپ رہی تھی کیوں بے وجہ چھیڑ چھاڑ کی گئی نہ صدر آصف علی زرداری یعنی ایوان صدارت اس کو مان رہے ہیں اور نہ ہی وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اس کو تسلیم کر رہے ہیں البتہ بیچ کے وزراء "بال" کو صدر صاحب کے کورٹ سے نکال کر

وزیر اعظم کے کورٹ میں ڈال کر حسین حقانی کا کردار مشکوک بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں کہ حسین حقانی اب فارغ ہو کر کیا گل کھلاتے ہیں۔ اول تو امید نہیں تھی کہ وہ بیماری کی آڑ میں واپس امریکہ میں ہی مقیم رہینگے اس طرح استعفیٰ دے کر معاملہ پر پردہ پڑ جائے گا مگر وہ کس کی یقین دہانی پر یا پھر واقعی اس معاملہ میں اپنی طرف سے معصوم ہونے کی وجہ سے اپنی صفائی پیش کرنے پاکستان آ گئے۔ ایئر پورٹ پر میڈیا سے بھی انہیں نہیں ملنے دیا گیا بیک ڈور سے سیدھے قصر صدارت پھر وزیر اعظم کی رہائش گاہ سے آخری تسلی کے لئے فوجی اداروں جن کو سب سے زیادہ تشویش تھی ان کے حوالے کر دیا گیا ہے اس وقت وہ کس کی تحویل میں ہیں اسلام آباد میں صرف افواہیں گردش کر رہی ہیں اور ان افواہوں کے تانے بانے پیر پگاڑا صاحب کی پچھلے ماہ ایڈوانس پیشن کوئی کہ عوام نومبر میں خوشخبری سنے گی اس سے ملایا جا رہا ہے اور پھر اس سانحہ حسین حقانی کے استعفیٰ کے بعد تو پیر صاحب نے وقفۂ خوشخبری پر مزید مہر ثبت کر دی ہے اور جب تک یہ کالم چھپے گا نومبر کی 27 تاریخ ہو چکی ہو گی اور صرف تین دن نومبر کے ختم ہو جانے میں رہ جائینگے بظاہر نظر تو نہیں آتا کہ فوج اب ڈائریکٹ مداخلت کرے گی اور جمہوریت کا تختہ ایک مرتبہ پھر الٹ جائیگا اس کی وجہ بھی ہماری عدلیہ کا بار بار چیف جسٹس صاحب کا وہ بیان جو انہوں نے 2 ہفتے قبل دیا تھا کہ غیر قانونی کاروائی جو ماضی میں ہوتی رہی اور حکومتیں ٹوٹتی رہیں اب آرٹیکل نمبر 6 کا استعمال برداشت نہیں کیا جائیگا مگر افواج پاکستان کی اس طرح کی تضحیک کچھ بھی صورت اختیار کر سکتی ہے اس کی وجہ بھی حکمرانوں کی 4 سالہ کارکردگی جو کرپشن اور اسکینڈلوں سے بھری پڑی ہے اور خصوصاً مہنگائی، دہشت گردی، گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ کم از کم پرویز مشرف کے 9 سالہ دور میں نہیں تھی۔ ہماری کرنسی کا زوال 60 روپے سے 90 روپے تک کا سفر صرف 4 سالہ دور میں دیکھنے میں آیا۔ گیس جس میں ہم خود کفیل ہو چکے تھے صنعتی اداروں سے بڑھ کر اب گاڑیوں میں کھل کر استعمال میں لائی جا رہی تھی سی

این جی کی سپلائی کا نظام پورے ملک میں کامیابی سے چل چکا تھا اب 3 تین دن تک سپلائی بند ہو چکی ہے۔ صنعتی ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ چکے ہیں صنعتکار احتجاج کر کر کے تھک چکے ہیں کسی کے کان پر جون نہیں رینگتی ہے دوسری طرف بجلی کے زخموں میں ہفتہ وار اضافے کے ساتھ لوڈ شیڈنگ تمام کاروباری اور صنعتی اداروں کو مفلوج بنا چکی ہے حتیٰ کہ اب کراچی والوں نے 3 دن کا الٹی میٹم بھی دے کہ پورے شہر میں معہ صنعتی علاقوں میں کاروبار بند کر دیں گے۔

دوسری طرف بجلی پیدا کرنے والے ادارے صرف دام بڑھانے پر ہی توجہ دے رہے ہیں عوام کی اُن کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ کالم لکھتے لکھتے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں ایک مرتبہ پھر اضافے کا نوٹیفیکیشن جاری کر دیا گیا ہے۔ مسلم لیگ نواز شریف اور تحریک انصاف میں جلسوں میں آنے والوں کی گنتی پر ملاکھڑے ہو رہے ہیں ذوالفقار مرزا صاحب کو آخری خبریں آنے تک ان کی بیگم صحیح و سالم واپس پاکستان لانے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس ادھورا چھوڑ کر لندن روانہ ہو چکی ہیں۔ حسین حقانی کی جگہ شیری رحمان ایک مرتبہ پھر فعال ہو کر امریکہ میں پاکستان کی سفیر بنا دی گئی ہیں۔ سابق وزیر قانون بابر اعوان کو چیف جسٹس صاحب کے سامنے این آر او کا پنڈورا بکس کھلوا دیا گیا ہے تا کہ عدلیہ اس میں الجھی رہے راوی ہر طرف چین ہے کی بانسری بجا رہا ہے اور میرا کالم بھی اختتام کو پہنچ چکا ہے دیکھتے ہیں کہ نومبر کیا گل کھلا کر جاتا ہے۔

﴿ایک اور قائداعظم کی تلاش﴾

تعلیمی میدان میں پوری دنیا میں الیکٹرونک انقلاب آچکا ہے۔امریکہ میں تو گھر بیٹھے آپ تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔اب ضروری نہیں ہوگا کہ آپ تعلیمی درسگاہوں میں جاکر ہی تعلیم حاصل کریں بلکہ آپ دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں۔وہیں سے اپنے کمپیوٹر سے رابطہ کریں اور داخلہ فیس، ماہانہ فیس اور جو بھی ان کے چارجز ہیں اپنے کریڈٹ کارڈ نمبر دے کر گھر بیٹھے پڑھائی کرسکتے ہیں۔اس میں امریکن، برٹش فرنچ، جرمن، جاپان حتٰی کہ آپ اپنے ملک کے بھی تعلیمی نظام کے مطابق تعلیم حاصل کرکے گھر بیٹھے ڈگری حاصل کرسکتے ہیں۔تعلیمی میدان میں امریکہ نئے نئے طریقے ایجاد کرنے میں سب سے آگے ہے۔اسی غرض سے میں نے اپنی نئی اکیڈمی کے لئے انٹرنیٹ پر امریکن درسگاہوں سے پاکستان کے لئے جدید تعلیمی سہولت کے لئے انکوائری کی۔جلد ہی کئی درسگاہوں سے آفر (offer) آگئے کہ ہم یہ تعلیمی نظام پاکستان کو دینے کے لئے تیار ہیں۔ایک درسگاہ جس نے یہ نظام تیار کیا ہے اس نے امریکہ آکر ذاتی معائنہ کی بھی دعوت دی چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ امریکہ جاکر اس کو خود معائنہ کروں۔لہذا امریکہ جاکر کئی تعلیمی اداروں اور درسگاہوں کا دورہ کیا اور اس نئے تعلیمی نظام میں جس میں نہ کتابیں، نہ کاغذ، پنسل درکار ہیں۔بلکہ صرف ایک آپ کا کمپیوٹر اور آپ کی انگلیاں ہی کافی ہیں نہ امتحان دینے کے لئے آپ کو اسناد کی ضرورت ہے نہ امتحانات کو جانچنے کے لئے کاپیوں کی ضرورت ہے۔کمپیوٹر آپ کے دیئے ہوئے جوابات کو آٹومیٹک جانچ کر نمبر دے دے گا۔امتحان کے جوابات کا رزلٹ خود بخود آپ کو معلوم ہوجائے گا۔کہ آپ نے فلاں پرچے میں کتنے جوابات دیئے ہیں اور کتنے صحیح جوابات دیئے۔تمام الگ الگ مضمونوں میں ہر ایک کا الگ الگ رزلٹ آتا جائے گا۔اور سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کے رزلٹ نہ صرف اس درسگاہ کو معلوم ہوجائینگے بلکہ آپ کو اور آپ کے والدین کو بھی معلوم ہوجائیگا کہ آپ کس مضمون

میں پاس ہیں، کس مضمون میں فیل ہیں۔

پورے سال میں آپ نے کتنے دن کمپیوٹر پر پڑھا ہے یہی آپ کی حاضری سمجھی جائیگی اور کتنے گھنٹے اس کمپیوٹر پر صرف کیئے ہیں وہ بھی ظاہر ہوگا اور کون کون سے مضامین آپ نے پڑھے ہیں کس مضمون میں آپ کمزور ہیں۔سارا سلیبس اس کلاس کے مضامین کمپیوٹر میں موجود ہوتے ہیں جن کی مدد سے آپ اپنی تعلیم گھر بیٹھے مکمل کرسکتے ہیں۔اس کے لئے کوئی وقت، عمر کی قید نہیں ہے۔اگر آپ رات کو فارغ ہیں تو آپ رات کو اپنا کمپیوٹر آن (On) کرکے پڑھائی کرسکتے ہیں۔فارغ وقت میں آپ اپنا کاروبار یا سروس بھی ساتھ ساتھ کرسکتے ہیں۔اس نئے تعلیمی نظام سے استادوں، پروفیسروں کے بے روزگار ہونے کا خطرہ ہے اگر یہ نظام پوری طرح چھا گیا تو تعلیمی ادارے بھی بند ہوسکتے ہیں۔اس کے لئے حکومت نئے نئے روزگار، نئے نئے کنونشن ہال، ٹریڈ سینٹر، کھیلوں کے میدان تعمیر کروانے میں مصروف ہے اور ان پروفیسروں کو تعلیمی نظام کے کورس بنوانے پر لگا رہی ہے تاکہ ان کی افادیت کم نہ ہو اور ان کے تجربوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔اس تعلیمی نظام کا کچھ حصہ تو مکمل ہوچکا ہے اور کچھ ابھی تکمیل کے مراحل میں ہے اس کو عام کرنے کے لئے چھوٹے بڑے شہروں غیر ممالک میں دوسرے کاروباری اداروں کی طرح رائلٹی (Franchise) دے کر عام شہریوں تک پہنچایا جائیگا۔اس پر اربوں ڈالر صرف ہوچکے ہیں اس کو بڑے بڑے ادارے خرید کر بھی عام طالب علم تک ایڈمیشن فیس، ماہانہ فیس لے کر پہنچائینگے کیونکہ اس کی رائلٹی بہت مہنگی ہے چھوٹے موٹے ادارے اس کو نہیں خرید سکیں گے اور تعلیمی فیس بھی شروع شروع میں بہت زیادہ ہے۔مگر جب اس نظام میں زیادہ ادارے آئینگے اور نئی نئی ایجادات لائینگے۔

لوٹوں کی شمولیت

آج سے 3 سال قبل ایک صاحب سے جہاز میں ملاقات ہوئی میں ان سے واقف نہیں تھا البتہ انہیں نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے واقف ہیں۔ جب میں مرحوم غلام مصطفیٰ جتوئی کی نیشنل پیپلز پارٹی میں سینئر نائب صدر ہوتا تھا وہ اکثر جتوئی صاحب سے ملنے کراچی آیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے ان کے ساتھ اکثر میٹنگوں اور جلسوں میں دیکھا تھا انہوں نے بتایا کہ جتوئی صاحب کو نگران وزیر اعظم بنانے میں ان کا ہاتھ تھا اور وہ پاکستان کی سیاست میں بیک ڈور سے خاموشی سے کردار ادا کرتے ہیں۔ ذاتی فائدے اور اغراض سے بالاتر ہوکر خلوص پاکستان کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔ انہوں نے مشرف دور میں پی پی پی کی حکومت لانے میں بھی اپنا کردار ادا کیا تھا۔ وہ اور اسٹیبلشمنٹ پی پی پی کی حکومت سے سخت بددل اور نالاں ہو چکے ہیں اور حکومت کے اندر سے کوئی تبدیلی لانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ ابھی پی پی پی کا پہلا سال ہی مکمل ہوا تھا اور پھر ان صاحب سے گاہے بگاہے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ اکثر وہ کراچی تشریف لاتے تو راقم سے ضرور ملتے اور سیاسی تبادلہ خیالات ضرور کرتے اور نئے نظام آنے کی نوید سناتے رہتے تھے اور ہر دفعہ ایک نئی امید دلاتے جاتے کہ بس اب بہت ہو چکا اب فوج بھی مایوس ہو چکی ہے۔ عوام تو خیر اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں پر جو ماضی میں 30 چالیس سال سے درپیش ہیں ان میں ہر آنے والی حکومت کے دور میں اضافہ ہی ہوا ہے، البتہ پرویز مشرف دور میں علاوہ آخری دنوں بہت بہتر قرار دیتے ہیں۔ اتنی مہنگائی، لاء ان آرڈر کا گھمبیر مسئلہ نہیں ہوتا تھا مہنگائی بھی ڈالر کے استحکام یعنی 60 روپے پورے ادوار میں ملنے کی وجہ سے رکی ہوئی تھی صرف 4 سالہ پی پی پی کے دور میں بے لگام ہوگئی۔ آج ڈالر کھلی منڈی میں 92 میں بھی دستیاب نہیں ہے اور یار لوگ 100 روپے تک جانے کی نوید سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے وزیر خزانہ نے دبئی میں آخری میٹنگ میں آئی ایم ایف سے وعدہ کرلیا

ہے کہ وہ ڈالر کو 100 روپے تک لے جائینگے۔ بہر حال راقم نے ان سے موجودہ صورتحال کا ذکر کر کے پوچھا کہ حضرت عمران خان پر کیا اسٹیبلشمنٹ مہربان ہے جو سیاستدان جوق در جوق شمولیت اختیار کر رہے ہیں خصوصاً جیسے ماضی میں جب پرویز مشرف حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے اسی اسٹیبلشمنٹ نے ق لیگ بنائی اور ن لیگ سے چوہدری برادران کو توڑ کر بقایان لیگی ق لیگی جھولی میں ڈال دیئے ہیں اور پی پی پی کے بہت سے سرکردہ افراد جو شروع سے پی پی پی کے حصہ تھے ہم خیال بن کر ق لیگ میں چلے گئے اور یوں مشرف صاحب 9 سال تک حکمرانی کرتے رہے۔ انہوں نے فرمایا ابھی اسٹیبلشمنٹ عمران خان کو نہیں لائی البتہ پی پی پی کے حکمران حکومت پر اپنی گرفت مضبوط نہیں رکھ سکے جس سے خود پی پی پی کے اپنے لوگ ان کی پارٹی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلم لیگ (ن) کے ناراض اور باغی رہنما جن کو نواز شریف نے کافی عرصے سے نظر انداز کر رکھا تھا وہ نواز شریف برادران کی سیاسی سوچ سے باہر نکلنا چاہتے تھے خصوصاً اس 4 سالہ جمہوری دور میں انہوں نے صحیح سیاسی کردار ادا کرنے کے بجائے اپنے حدود میں رہ کر قوم کو بہت مایوس کیا اور انکی جلاوطنی کے دوران کارکنان کی قربانیوں کو یکسر نظر انداز کر کے نئے نئے لوگ بھرتی کر لیئے یا پھر ق لیگیوں کو دوبارہ مسلم لیگ میں جگہ دے دی، خصوصاً مخدوم جاوید ہاشمی کو تو مسلسل نظر انداز کیئے رکھا ان کو قائد حزب اختلاف بنانے کے بجائے مشرف دور میں غائب رہنے والے چوہدری نثار کو پھر آگے لے آئے اور انہیں قائد حزب اختلاف بنا دیا اور جب مسلم لیگ ناکام ہوئی تو جاوید ہاشمی جو نواز شریف کے بعد دوسرا بڑا عہدہ رکھتے تھے ان کی اسمبلیوں سے مستعفی ہونے کی تجویز پر کوئی توجہ نہیں دی تو وہ ان سے شاکی ہو گئے۔ ان کے سامنے تحریک انصاف کا منشور بچ رہا تھا تو وہ اس میں شامل ہو گئے، میں نے پوچھا کہ کیا عمران خان اتنے باہر سے آنے والوں کو جو بھانت بھانت کی بولنے والے سیاستدان کو جن کی سوچ بھی الگ الگ ہے وہ کیسے ایک پارٹی کا حصہ رہ سکتے ہیں۔ ان

کا کہنا تھا کہ یہ سب وقتی ڈرامہ ہو رہا ہے میرا ابھی یہی خیال ہے کہ عمران خان اپنی پارٹی میں جس طریقے سے شمولیت کرا رہے ہیں اس سے ان کی پارٹی کو شہرت کو نقصان ہو رہا ہے کیونکہ بقول چوہدری شجاعت اسٹیبلشمنٹ ڈارٹی کلین کروا کر سیاستدانوں کو عمران خان کی پارٹی میں شمولیت کروا رہے ہیں اور بقول شہباز شریف میک اپ تبدیل کروا کر نئی کاروائی کروانے کے لئے عمران خان کی پارٹی سب کے لئے موزوں ہے۔

مزار قائد کے جلسے کے بعد باوجود اس حقیقت کہ کراچی کی کسی بھی سیاسی شخصیت نے شمولیت نہیں کی مگر دیگر صوبوں سے ماضی کے داغدار سیاستدان اپنی اغراض کے لئے تحریک انصاف میں شامل ہو رہے ہیں ۔ایسے ماحول میں جب بدنام زمانہ سیاسی افراد جو ماضی میں ق لیگ کا حصہ تھے آج مشرف کے جانے کے بعد سیاسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھے وہ تحریک انصاف میں جا سکتے ہیں اور اسی لئے آنے والی تبدیلی کا حصہ بننا چاہتے ہیں۔عوام جو تحریک انصاف کو اس دور کی سب سے صاف ستھری جماعت سمجھتے تھے اب ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچ رہی ہے یہی سیاستدان عمران خان کی پارٹی کو بھی بدنام کرانے میں کامیاب ہو جائینگے اور اقتدار پھر غیر مستحق لوگوں کے قبضہ میں چلا جائے گا یا پھر فوج کو سوچنا پڑے گا کہ پاکستان کا مستقبل غیر محفوظ ہوتا جا رہا ہے ۔ایک طرف ہم نے نیٹو کو چیلنج کیا ہوا ہے تو دوسری طرف امریکہ سے بھی ناراضگی مول لے لی ہے جس سے پاکستان کی سلامتی کو اندر سے بلوچستان اور باہر سے افغانستان کی سرحدوں سے خطرہ بڑھ رہا ہے ۔یہ ڈرامہ کب تک جاری رہے گا اللہ خیر کرے۔عمران خان غیر ارادی طور پر ایسے سیاستدانوں سے کیسے گزارا کرینگے ان کا مزاج بھی جارحانہ ہوتا ہے وہ لوٹو کے داغ کیسے برداشت کرینگے؟ ہر کوئی شمولیت کے لئے بے تاب ہے ان میں شیخ رشید تو اپنی پارٹی کو زم کرنے کے لئے تیار ہیں۔سندھ کے داغدار وزیر اعلیٰ ارباب غلام رحیم بھی شمولیت کے لئے پر تول رہے ہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے کیسے نام سامنے آتے ہیں

کہیں اتنے لوگوں کی شمولیت سے اس پارٹی کا نام تحریک انصاف کے بجائے تحریک شمولیت پارٹی نہ ہو جائے۔

جوار بھاٹا

آج جمہوریت کو آئے ہوئے 4 سال سے زیادہ ہو چکے ہیں مگر عوام کو کسی طرف سے بھی ریلیف نہیں ملا بلکہ اب عوام یہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ فوجی حکومت میں نہ تو اتنی مہنگائی تھی اور نہ ہی گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ ہوتی تھی۔ نہ اتنی کرپشن تھی اور نہ اتنی دہشت گردی تھی کم از کم عوام سکون سے رہ رہے تھے۔ امن کمیٹیاں نہیں تھیں مگر امن تھا۔ پرویز مشرف کا آخری سال بے شک اچھا نہیں تھا گرفت ان کے ہاتھوں سے مسلم (ق) کی خراب کارکردگی کی وجہ سے نکل چکی تھی پھر کس کے دباؤ میں آکر انہوں نے الیکشن کروا دیئے۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری سے پنگا لیا، دوسری طرف اسلام آباد میں لال مسجد والوں سے بھی دو دو ہاتھ کر کے معصوم طلباء اور طالبات پر آنسو گیس چھوڑی۔ فوج نے چڑھائی کی بہت سی طالبات شہید ہوئیں جس سے عوام میں ان کی ساکھ خراب ہوئی اسی دوران بلوچستان میں اکبر بگٹی کے پیچھے بھی پولیس، رینجرز، فوج لگا کر اُن کو مروا دیا۔ حالات خراب سے خراب تر ہوئے، وقت نے پلٹا کھایا حکومت اور صدارت سے ہاتھ دھونا پڑا پھر نواز شریف صاحب کی طرح ملک چھوڑنا پڑا اور اب جب وہ واپسی کی بات کر رہے ہیں تو کوئی ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تذبذب کے عالم میں وہ فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں قیاس قرین ہے کہ اشفاق پرویز کیانی صاحب بھی ان کو تحفظ فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ جب پرویز مشرف صاحب رخصت ہوئے تو چیف جسٹس صاحب بحال نہیں ہوئے تھے جس کی وجہ سے وکلاء شور وغل کر رہے تھے۔ وزیر اعظم لیت ولعل کرتے رہے اور ان کی کوشش یہی لگتی تھی کہ وہ عدلیہ کو فری ہینڈ نہیں دینا چاہتے تھے پھر غالباً فوجی دباؤ میں آکر وزیر اعظم صاحب نے بامشکل چیف جسٹس صاحب کو بحال کر دیا۔ اُمید تھی کہ اب سب مل کر عوام کے لئے کام کرینگے اور ان کی تکالیف دور کر کے جمہوریت کو مضبوط بنائینگے مگر چند ماہ کے اندر عدلیہ نے مردہ گھڑے NRO اور پھر ایک کرپشن پھر ایف آئی اے کو

حکومت کے خلاف لگا دیا عوام حیران و پریشان روزنئی داستان سنتے رہے۔

حج اسکینڈل آیا نیشنل انشورنس میں مونس الٰہی کو پکڑا گیا۔ کبھی وزیر اعظم کا بیٹا ملوث پایا جاتا تو کبھی وزیر اعظم کا رائٹ مین گرفتار ہوتا ہر کیس کو عدلیہ کھنگال کھنگال کر اوپر تک لاتی مگر آخری لمحوں میں ڈراپ سین ہو جاتا۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ وزیر اعظم کی چھٹی ہونے والی ہے، کبھی صدر کے استعفوں کی بات ہوتی درمیان میں پاک بھارت تعلقات ممبئی حملوں کی وجہ سے اتنی شدت اختیار کر جاتے کہ لگتا کہ اب جنگ ہوئی کہ تب جنگ ہوئی۔ اسامہ بن لادن کا واقعہ بھی درمیان میں آ گیا، امریکہ سے بھی بگاڑ پیدا ہو گئی، افغانستان بھی ناراض ہو گیا، سرحد پر ہمارے فوجی بھی شہید ہوئے۔ ابھی امریکہ سے تعلقات میں کشیدگی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی کہ عدلیہ نے نواز شریف صاحب کی پٹیشن پر نیا محاذ میموکیس کھول دیا۔ نواز شریف تو پیچھے ہٹ کر برطانیہ چلے گئے، کمیشن اپنا کام کر رہا ہے عدلیہ نے وزیر اعظم کو بھی طلب کر لیا۔ فوجی نمائندوں سے بھی جواب طلب کر لیا مگر مدعی سست گواہ چست، منصور اعجاز اب ہر روز جو پہلے آنے کے وعدے کر رہا تھا اب بھاگنے کے راستے تیار کر چکا ہے۔ میڈیا، فوج، حکومت، عدلیہ چاروں اس میں مل کر ایک نئے طوفان کا سماں پیدا کر چکے ہیں جس سے عوام میں ان کے بارے میں شبہات پائے جاتے ہیں۔ کون صحیح اور کون غلط ہے کیا عوام نے اسی لئے اپنے نمائندوں کو چنا تھا کہ وہ سب مل کر محاذ آرائی کریں۔ سوتے مردوں کو جگائیں اور پھر معاملہ اتنا بڑھائیں کہ عوام پریشان ہو جائیں۔ خدارا سب مل کر سوچیں یہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ معیشت کا بیڑا غرق ہو چکا ہے، بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ سے ہماری تجارت بھارت اور بنگلہ دیش منتقل ہو چکی ہے۔ مہنگائی کی چکی میں عوام پس پس کر ہلکان ہو چکے ہیں، سفید پوشوں کے چولہے ایک طرف مہنگائی تو دوسری طرف گیس لوڈشیڈنگ کی وجہ سے نہیں جل رہے ہیں۔ اصغر خان کا کیس اتنے سالوں کے بعد کھول کر آئی جے آئی کا مردہ کس لئے زندہ کیا جا رہا ہے اس سے کیا

حاصل ہوگا۔میموکیس کو اتنا اہم بنا کر ایک رات میں ٹھنڈا کر کے وزیراعظم صاحب کو سوئس کیس کی طرح ریلیف دے دیا گیا یہی پاکستان کے عوام کے مسائل کا حل ہے۔حکومت روز بجلی، تیل، پیٹرول، گیس کے دام بڑھاتی ہے کیا عدلیہ اس پر باز پرس نہیں کر سکتی۔دنیا میں تیل کی قیمتوں میں کمی ہو رہی ہے، گیس کی ہماری اپنی پیداوار کو مہنگا کرنے کا کیا جواز ہے۔ہم نے آج تک 4 سال گزرنے کے باوجود جو سائنس دان چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ کوئلہ ہمارے پاس وافر مقدار میں موجود ہے جس سے 150 سال تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کیوں نہیں اٹھایا، کیوں گیس اور بجلی کی وزارتوں سے جواب طلب نہیں کیا جاتا۔پیٹرولیم کی وزارت عوام کو ڈرا دھمکا کر روز نئے دعوے اور وعدے کر رہی ہے۔

اس سے عدلیہ جواب کیوں طلب نہیں کرتی۔سندھ میں لاقانونیت کی روک تھام کے لئے سوموٹو ایکشن کیوں نہیں لیا جاتا۔صدر کا مواخذہ ضروری ہے یا عوام کی پریشانیوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ عدلیہ اس طرف اپنی توجہ کیوں نہیں کرتی، عدالتوں میں سالوں سے کیس چل رہے ہیں۔جج صاحبان اتنے کم ہیں ان کی نامزدگیوں میں کیا رکاوٹ ہے۔ایک دن میں ایک ایک جج کے پاس 50 پچاس کیس لگے ہوتے ہیں۔آدھے کیس ڈیفر کر دیئے جاتے ہیں ان کا نمبر ہی نہیں آتا کیا عدلیہ اس کا تدارک نہیں کر سکتی؟ پاکستان میں یہ کیسا جوار بھاٹا برپا ہے کہ سکون ناپید ہو چکا ہے۔ عوام کس طرف دیکھیں؟

﴿ مہنگائی کا سمندر ﴾

میں اپنا کالم اکثر ہر جمعہ کو لکھتا ہوں تا کہ آخر وقت تک مجھے کالم لکھنے کا مواد مل سکے۔کبھی کبھی تو پورے ہفتے کئی کئی ناپکس پر مواد مل جاتا ہے اور کبھی جمعہ کا انتظار کرنا پڑتا ہے مگر اس ہفتے میری خوش قسمتی کہ بدھ کو ہی مواد مل گیا۔اگر چہ یہ مواد پرانی ایک خبر کاری پلے تھا خبر ہمارے پیٹرولیم کے وزیر ڈاکٹر عاصم حسین جو میرے بہت پرانے دیرینہ دوست بھی ہیں ان کے متعلق تھا جو انہوں نے چند دن قبل قوم کو ایک خوشخبری سنائی تھی کہ پیٹرولیم کے دام بڑھنے والے ہیں اور ساتھ ساتھ تیل، گیس اور ڈیزل بھی اس میں شامل تھا جس کا ہماری پارلیمنٹ نے تو کوئی نوٹس نہیں لیا البتہ سینٹ والے چونکہ وہ ڈاکٹر صاحب کے کولیگ تھے (ڈاکٹر صاحب بھی سینٹر ہیں) چڑھ دوڑے اور سینٹ میں بلا وجہ شور وغل مچا کر پوری قوم کو قبل از جگا ڈالا کہ انہوں نے ایک ہفتے پہلے ان غیر ضروری اشیاء یعنی پیٹرول، گیس اور تیل کی قیمتوں کے اضافے کا پیشگی اعلان کیوں کیا۔غیر ضروری اس لیے میں نے لکھا کہ نہ تو اسے عوام کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ یہ ادویات میں استعمال ہوتا ہے نہ عوام کے پہننے میں کام آتا ہے۔صرف بے زبان گاڑیوں، جہازوں، بسوں، موٹر سائیکلوں میں استعمال ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ سینٹ کے شور پر حکومت اس اضافے کو ملتوی کر دے گی تا کہ عوام کے علاوہ ہماری مضبوط ترین اپوزیشن کا توڑ بھی ہو سکے جیسے اسکول، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اگر امتحان کے پرچے آؤٹ ہو جائیں تو پرچے کینسل کر دیئے جاتے ہیں۔اگر دشمن کو پتہ چل جائے کہ اس پر حملہ ہونے والا ہے تو وہ وہاں سے غائب ہو جاتا ہے اور حملہ مؤثر کر دیتا ہے۔چور کو پتہ چل جائے کہ گھر والا جاگ گیا ہے تو وہ بیچارہ اپنی بدقسمتی پر روتا ہوا نامراد واپس اپنے ہی گھر لوٹ جاتا ہے تا کہ ری ایکشن سے بچا جائے اور کسی مناسب وقت پر اپنا کام دکھائے مگر ایسا کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

اخبارات اور میڈیا نے خبروں کی شہ سرخی بھی پیٹرول، ڈیزل، تیل اور گیس کے اضافے کی لگائی۔

اپوزیشن نے روایتی احتجاج ریکارڈ کروایا جواب 4 سال سے عادی ہو چکے ہیں مگر ہمارے ٹرانسپورٹر حضرات بظاہر غل غپاڑہ کرتے ہیں اور اسی اضافی قیمتوں میں اپنے من مانے اضافے کر کے اس اضافے کا منافع بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ گویا اس انویسٹمنٹ کا بھی تو نفع اضافہ ہونا چاہئے۔ اب کون بچا! وہ ہے ہماری معصوم، مظلوم عوام جواب "اُف" کرنا بھی بھول گئے وہ بھی کیوں بھول گئے اس کی بھی وجہ ہے۔ وہ بھی اپنے تئیں اندرونی طور پر اضافہ کر دیتے ہیں مثلاً دوکاندار بجلی کی آڑ میں، کرایہ دار کرائے کی آڑ میں، ملازمین مہنگائی کی آڑ میں، مالکان سے تنخواہیں بڑھانے کی آڑ میں اور صنعتکاران تمام اضافوں کی آڑ میں گویا اب پیٹرولیم مصنوعات کا اضافہ مکمل طور پر کمرشل ہو چکا ہے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے کندھے پر اس کا بوجھ ڈال کر اضافے کی رقم دوسرے سے وصول تو کر رہا ہے مگر اعتراف نہیں کر رہا ہے۔ قارئین آج میں آپ کو 1955ء کا ایک تاریخی واقعہ جو میں اپنے گھر میں اکثر سنتا رہتا تھا وہ میری مرحومہ والدہ میرے مرحوم والد صاحب سے کہا کرتی تھیں کہ اجی سنتے ہو یہ مہنگائی کہاں تک جائیگی اب 1 روپیہ میں گوشت ترکاری نہیں آ رہی ہے۔ آپ کچھ خرچہ بڑھائیں اب گوشت 12 آنے یعنی (75 پیسے آج کے) ہو چکا ہے، ہمارے ہندوستان میں 4 روپے کا بھاری قربانی کا بکرا آتا تھا، آٹا 8 آنے (50 پیسے سیر) اور چینی بھی اسی دام میں مل رہی تھی۔ سبزیاں تو 10 پیسے سیر مل رہی ہیں اب سبزی والا دھنیا، مرچ، پودینہ مفت نہیں دے رہا ہے۔ بجلی کا بل بھی بڑھ کر 2 روپے ہو چکا ہے۔ پہلے تو ڈیڑھ روپے یعنی 1 روپیہ پچاس پیسے ہوتا تھا یہ سب قیامت کی نشانی ہے۔ ہم سفید پوش (درمیانی طبقہ) کہاں جائینگے۔ مکانوں کا کرایہ 17 روپے سے اب 18 روپے ہو گیا ہے۔ دودھ والا بھی 4 آنے سیر دودھ کر چکا ہے۔ اب دیکھیں کہ مہنگائی کہاں سے کہاں جا کر رکے گی۔ صرف ہمارے بچوں کے لئے ہمارا سکہ 1 روپیہ، آدھا روپیہ (اٹھنی) 4 آنے (چونی) 12 پیسے (دونی) 6 پیسے (اکنی) پھر 2 پیسے (ادھنہ) ایک پیسہ اس سے بھی آدھا پیسہ (پائی) کہلاتے تھے اور ہم اسکول کے زمانے میں اس سے خرید و فروخت کرتے تھے۔ آج 1 روپے کا کاغذی نوٹ کیوں ختم کیا کہ اس کاغذی روپے کی ڈیڑھ روپے میں لاگت آتی ہے۔ مہنگائی کہاں تک جائیگی جب سے یہ جمہوری حکومت عوامی کاندھوں پر آئی تو ہمارا روپیہ 60 روپے فی ڈالر تھا جو اس دور میں صرف جس کا میں نے اوپر ذکر کیا صرف 3 روپے میں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی جمہوریت تھی، امن تھا ایسا امن کہ کراچی میں 1 سال میں دو قتل ہو گئے تھے ہفتوں نہیں مہینوں لوگ مقتولوں کے گھر سے گذرتے ہوئے کہتے تھے وہ یہاں قتل ہوا تھا۔

آج ہی کے اخبار میں صرف کراچی میں 11 قتل ہو چکے ہیں، 3 ڈاکے پڑ چکے ہیں، ایک بنک میں دن دھاڑے گن مینوں کی موجودگی میں بنک کے سیف سے ڈاکو فیضیاب ہو چکے ہیں جبکہ کچھ فاصلے پر پولیس موبائل بھی موجود تھی۔ لاہور میں ڈیڑھ سو سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں قوم کی اطلاع کے مطابق ملک میں مرکزی ڈرگ اتھارٹی کو ختم کر کے صوبائی ڈرگ اتھارٹی نافذ کر دی گئی ہے جبکہ پنجاب کے علاوہ سندھ، بلوچستان، خیبر پختون خواہ کے پاس کوئی سہولت ہی نہیں ہے جو اس ملک میں اب کوئی مضبوط قانون نافذ کر سکے اور عوام کی صحت کی ضمانت دے سکے۔ اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ پاکستان کے عوام کی حفاظت کرے۔ جس ملک میں اب ایسا کوئی قانون ہی باقی نہیں رہا کہ وزارتِ صحت کس کو جواب دہ ہے جو صوبے اور مرکز کے درمیان معلق ہے۔ بہر حال اب میری آخر میں پیٹرولیم کی وزارت سے درخواست ہے کہ وہ ماہانہ پیٹرول، ڈیزل، تیل اور گیس کی قیمتیں بڑھانے کے بجائے اس سال کے لئے یکمشت قیمتیں بڑھا دیں ویسے بھی بین الاقوامی طور پر ان کی قیمتیں تو گھٹ رہی ہیں کم از کم پورے سال عوام تو آرام سے سو سکیں۔

ڈرگ ایکٹ 1976 کی بحالی

22 ستمبر 2011ء کے کالم میں راقم نے وزارتِ صحت کی موجودہ صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا کہ 6 ماہ قبل وزارتِ صحت کا محکمہ مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں کو دیگر وزارتوں کی طرح منتقل کر دیا تھا۔ مگر ماسوائے پنجاب کے صوبہ سندھ، بلوچستان اور پختونخواہ والوں نے وزارتِ صحت کا صوبائی چارج لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی وجہ ان کے پاس نہ وسائل ہیں اور نہ ہی ڈرگ لیبارٹریز جو ادویات اور کیمیکل کی جانچ پڑتال کرتی ہیں بین الاقوامی معیار کی نہیں اور نہ ہی مرکز نے اپنی ڈرگ ٹیسٹنگ لیبارٹریز اور بڑے بڑے ہسپتال وزارتِ صحت کے ساتھ صوبوں کے حوالے کیے۔ صوبائی حکومت برائے پنجاب نے تو روزِ اول سے ہی ان ہسپتالوں کے بغیر معذرت بھی کر لی تھی۔ مرکز نے سنی ان سنی کر دی۔ اب وزارتِ صحت ہوا میں معلق ہے۔ مرکز کے پاس قانونی جواز نہیں ہے اس کی وجہ پارلیمنٹ نے یہ محکمہ صوبوں کو منتقل کرنے کا آرڈر پاس کر دیا ہے۔ مرکزی ڈرگ انسپکٹرز اور ان سے متعلقہ افراد کو وزیرِ اعظم نے کیبنٹ ڈویژن میں منتقل کر دیا جہاں وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بے کار بیٹھے ہیں اور سیکرٹری صحت محترمہ نرگس سیٹھی صاحبہ ان کی نگران ہیں۔ ان کے پاس وزارتِ دفاع کا بھی چارج ہے درمیان میں انہوں نے SRO کے ذریعے ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کا محکمہ بنایا اور وزارتِ صحت کے افراد اس محکمہ کے سپرد کر دیئے۔ یہ ایک اچھا اقدام تھا۔ اس کی وجہ تمام صنعتی دوا ساز ادارے مفلوج ہو چکے تھے۔ صوبہ اپنی کارگزاری چھ سات ماہ میں بھی نہیں دیکھ سکا۔ دواؤں کی رجسٹریشن اور ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے ادویات مارکیٹ سے غائب ہونا شروع ہوئیں۔ دواؤں کی قیمتوں کا تعین کرنا اب صوبائی وزارتوں کے ماتحت ہے مگر صوبے کام نہیں کر رہے، دواؤں کی قیمتوں کا تعین بھی صوبائی معاملہ ہے آدھا تیتر آدھا بٹیر والا معاملہ چل رہا ہے۔ فیڈرل ڈرگ انسپکٹر صاحبان اس میں مداخلت نہیں کر سکتے نہ ہی وہ فیکٹریوں کی انسپکشن کر

سکتے ہیں۔ اس سے لالچی افراد فائدہ اُٹھا رہے تھے۔

ہسپتالوں کو اکثر جو ادویات سپلائی ہوتی ہیں وہ معیاری ہو ہی نہیں سکتیں اس کی وجہ کم سے کم ٹینڈرز کی قابلِ قبول ہوتے ہیں کوئی ایکسپرٹ نہیں ہوتا جو ان سرکاری ہسپتالوں کی سپلائی کرتے وقت سوچے کہ آیا اس قیمت میں یہ دوا بھی مل سکتی ہے یا پھر معیار سے کم اجزاء ڈال کر کام چلایا جا رہا ہے۔ دوسرا اکثر دواؤں کی کل تعداد بھی سپلائی نہیں کی جاتی۔ عملے سے مل ملا کر وصولیابی دکھا دی جاتی ہے یا پھر سرکاری ہسپتالوں کے باہر درجنوں دواؤں کی دکانوں کے مالکان خرد برد کروا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہسپتالوں کو ملنے والے کیمپل بھی ان دکانوں میں بھرے پڑے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس صنعت کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ میں نے بنگلہ دیش کی مثالیں پیش کی تھیں وہاں غیر ملکی کمپنیاں صرف وہ ادویات بنا سکتی ہیں جو بنگلہ دیش کی کمپنیاں نہیں بنا سکتیں یا پھر بنگلہ دیشی پارٹنرز سے 50 فیصد کی شراکت کی بنیاد پر غیر ملکی کمپنی کام کر سکتی ہے۔ اسی وجہ سے وہاں غیر ملکی کمپنیوں کا حصہ 5 فیصد اور مقامی کمپنیوں کا 95 فیصد عملداری ہے جبکہ ہمارے ملک میں حکومت کی نااہلی کی وجہ سے غیر ملکی کمپنیوں کی اجارہ داری قائم ہے اور وہ ہمارے ملک سے ہر سال اپنا منافع جو اربوں روپے بنتا ہے لوٹ کر اپنے اپنے ملکوں کو بھجوا رہے ہیں۔ ان کے خام مال بھی ان کے ملک سے دُگنے اور تگنے داموں پر ریسرچ کی آڑ میں درآمد کیے جاتے ہیں اور پھر اسی وجہ سے ان کی قیمتیں مقامی کمپنیوں کی نسبت بہت زیادہ فکس کی جاتی ہیں حتیٰ کہ بہت سی کمپنیاں معمولی قسم کی دوائیں شربت، کھانسی اور طاقت کے جو وہ اپنے ملک میں بھی نہیں بناتے پاکستان میں دھڑلے سے بنا کر مقامی کمپنیوں کے حقوق سلب کر رہے ہیں۔ ان کی اپنی خود ساختہ غیر قانونی ایسوسی ایشن فارما بیورو ہے حکومت اس کے سامنے بے بس ہے۔ وہ ان کی من مانیاں نہیں روک سکتی۔ اگر حکومت کچھ اقدام کرے تو ان کے سفارتخانے والے حکومت پر دباؤ ڈال کر اپنی باتیں منوا لیتے ہیں۔ نئی ادویات کا ٹیسٹ بھی دیگر ممالک میں کم ہو کر 3 سال کا رہ

گیا ہےاور بہت سے ممالک ٹیسٹ رائیٹ ختم بھی کر چکے ہیں مگر ہمارے ملک میں سب سے زیادہ چھوٹ دے کران غیر ملکی کمپنیوں کے ہاتھ مضبوط کیے جاتے ہیں۔اس کی وجہ غیر محب وطن پالیسیوں کی وجہ ہے۔

میرا ذاتی تجربہ بھی دوا سازی کی طرف ہے مرکزی حکومت کو چاہیے کہ فوری طور پر ڈرگ ایکٹ 1976ء کو بحال کر دے۔یہ ڈرگ ایکٹ مرحوم بھٹو کی آخری نشانی تھی جو بہت کامیابی سے رائج تھی اس میں صوبائی عملداری کے ساتھ مرکزی حکومت کی مضبوط گرفت تھی ۔اس وجہ سے 1976 سے آج 36 سال میں لاہور جیسا ایسا سانحہ نہیں ہو سکا اور صرف چھ ماہ میں اتنا بڑا سانحہ تو پاکستان کی دوا سازی کے 67 سال میں بھی نہیں ہوا تھا اور خوبی یہ ہے کہ نہ مرکزی حکومت ذمہ داری قبول کر رہی ہے اور نہ ہی صوبائی حکومت ماننے کیلئے تیار ہے۔ 125 جانوں کا حساب کون دے گا؟ کیا چند لاکھ روپے فی کس اس کا نعم البدل ہو سکتے ہیں ۔اگر مرکزی حکومت نے ڈرگ ایکٹ 1976 کو دوبارہ بحال نہ کیا تو ایسے حادثات ہر صوبے میں ہونگے اور صوبائی حکومتیں اس کو نہیں روک سکیں گی ۔اگر ڈرگ ایکٹ 1976 کی بحالی میں کوئی قانونی شق رکاوٹ ہو تو ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کو دوبارہ فعال کریں ۔ پاکستان فارماسیوٹیکل مینوفیکچررایسوسی ایشن ، پاکستان ڈرگ ایسوسی ایشن اور پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے عہدیداران کا مشترکہ اجلاس بلوا کر آئندہ کا لائحہ عمل بنائیں ورنہ بھارتی کمپنیاں پوری دنیا میں پاکستانی دوا سازوں کو بدنام کر کے کرکٹ کی طرح بائیکاٹ کروا سکتی ہیں اور ہم کو اربوں ڈالرز کے زرمبادلہ سے محروم کر سکتی ہیں کیونکہ کھلی مارکیٹ میں پاکستان نے بھارت کی اجارہ داری کو ختم کر رکھا تھا اب بھارت کو بدنام کرنے کا سنہری موقع ہاتھ لگ گیا ہے جس کے اثرات پاکستانی دوا سازوں کیلئے نقصان دہ ثابت ہونگے ۔ویسے بھی وزارت صحت پوری دنیا میں مرکز (Federal) کے تحت آتی ہے جو پورے ملک کے لئے دوا

سازی اور صحت کے تمام امور نمٹاتی ہے۔دوسری طرف وزارت صحت نے حکیموں ،ہومیو پیتھک کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے جس کی وجہ سے جعلی حکیم شہروں ، گاؤں ، گھٹوں میں اپنے مطب چلا رہے ہیں ۔ان کے لئے بھی قانون سازی کی ضرورت ہے افسوس اس بات پر ہے کہ پنجاب کی صوبائی حکومت نے اس سانحہ لاہور کر صوبائی رنگ دے کر مرکزی حکومت کو الجھا دیا ہے۔اس سے بھی دونوں حکومتوں کی ساکھ متاثر ہو چکی ہے۔

﴿ خودکشی سے خودسوزی تک ﴾

دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی کرنے کا رواج جاپان میں پایا جاتا ہے اسکے بعد کوریا اور پھر دوسرے ممالک ہیں۔ مگر یہ بات طے ہے کہ دنیا کا کوئی ملک خودکشی کرنے والوں سے پاک نہیں ہے۔ جاپان میں خودکشیوں کی عجیب وغریب داستانیں رقوم ہیں اور سب سے زیادہ خودکشیاں ذاتی ناکامی کی وجہ سے کی جاتی تھیں اور آج بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً پہلے جاپان میں فلم اسٹار جب بوڑھی ہونے لگتی تھی یا اس پر کسی جوئیر فلم اسٹار کو ترجیح دی جاتی تھی تو وہ دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لیتی تھی۔ اس کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کو "عزت کی موت" سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے فلم ساز اوپر تلے اپنی فلموں کے فلاپ ہو جانے کے باعث خودکشی کر لیتے تھے اسکے علاوہ بھی خودکشی کے بہت سے اسباب ہوتے تھے اور اس کا تعلق عمر سے بھی ہوتا تھا۔ مثلاً بڑے بڑے صنعتکار جب خسارے سے دوچار ہوتے تھے تو انا کے ہاتھوں موت کو گلے لگا لیتے تھے، اسی طرح فوج میں اگر کوئی بڑا عہدیدار کوئی غلطی کر لیتا تھا تو وہ شرمندگی کا سامنا کرنے کے بجائے موت کو گلے لگا لینا بہتر سمجھتا تھا یا پھر کوئی فوجی کسی مشن میں ناکام ہو جاتا تھا تو وہ واپس آنے کے بجائے خودکشی کر لیتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں جب جاپان نے ہتھیار ڈالے تو سینکڑوں فوجیوں نے ہتھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دی اور خود کو ختم کر لیا کیونکہ جاپانی سب سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں غربت، بھوک اور افلاس سے مرنے والوں کی تعداد علاوہ ایشیاء کے ناہونے کے برابر ہے کیونکہ تمام ترقی پزیر ممالک مہنگائی اور بے روزگاری الاؤنس دیتے ہیں۔ اس لئے یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں غربت سے مجبور ہو کر کوئی خودکشی نہیں کرتا بلکہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ہر عمر کے الگ الگ مسائل ہوتے ہیں اور لوگ اسی کی وجہ سے خودکشی کرتے ہیں۔

مثلاً نوجوان عشق میں ناکامی پر یا بیوی یا محبوبہ کی بے وفائی پر اپنے جذبات کو قابو نہیں رکھ پاتے اور

جان دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کسی شخص کے اقدام خودکشی پر پولیس اس کی بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے اور اگر وہ بچ جائے تو اس کے خلاف پرچہ درج نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی وجہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسکا حل نکالا جاتا ہے تاکہ آئندہ وہ اپنی جان اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں نا ڈال سکے اس کی اخلاقی اور قانونی مدد کی جاتی ہے۔ اس کو معاشرہ کا اہم فرد سمجھا جاتا ہے کیونکہ یورپ اور امریکہ میں انسان کی جان سے بڑھ کر قابل احترام کوئی اور چیز نہیں اور اب تو وہ حیوانوں کو بھی اسی زمرہ میں لاتے ہیں۔ کسی بھی بے زبان کے ساتھ زیادتی وہاں ہرگز برداشت نہیں کی جاتی خواہ وہ ان کے گھر کا کتا یا بلی ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ادارے موجود ہیں جو ان جانوروں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگر ان حیوانوں پر کوئی ظلم ہو تو اس کے خلاف نا صرف آواز بلند کی جاتی ہے بلکہ بڑے بڑے مظاہرے بھی کیئے جاتے ہیں۔ نوجوانوں کے احساسات سے کوئی کھیلے تو وہ برداشت نہیں کرتے اور فوراً جذباتی ہو کر خودکشی کر بیٹھتے ہیں۔ امتحانات میں ناکام طالب علم بھی اپنے ساتھیوں کے سامنے شرمندگی اٹھانے پر خودکشی کو فوقیت دیتا ہے۔ ماں باپ کی طرف سے نظر انداز کیئے جانے والے بچے بھی احساس کمتری میں مبتلا ہو کر خودکشی کر لیتے ہیں اس کے لئے بھی یورپ میں بڑے سخت قوانین ہیں اور بہت سے ادارے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے گھروں میں جا کر معلوم کرتے ہیں کہ ان کے والدین ان کو نظر انداز، سختی یا مار پیٹ تو نہیں کرتے۔ یہ بھی قانوناً جرم ہے کیونکہ اس سے بچہ آگے چل کر احساس کمتری کا شکار ہو کر بعض اوقات یا تو خودکشی کر لیتا ہے یا پھر کوئی سنگین جرم کر بیٹھتا ہے۔ اس مثال ایک ماہ قبل امریکہ کے ایک اسکول میں پیش آنے والا واقعہ ہے، اس طرح کے کچھ بچے جو پڑھائی میں کمزور تھے اور غلط عادتوں کی وجہ سے دوسرے بچوں میں اچھے نہیں سمجھے جاتے تھے ان میں سے چار نے ملکر اسی احساس کمتری کو چھپانے کے لئے اپنے ہی ساتھیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس سے کئی بچے ہلاک ہو گئے جبکہ بچوں کو بچانے کی کوشش میں

ایک استاد بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور جب پولیس نے اسکول کو گھیرے میں لیا تو انہوں نے پولیس کے بار بار اعلانات پر کوئی توجہ نہیں دی اور گرفتاری دینے کے بجائے خودکشی کرلی۔ دوسرے نمبر پر خودکشی کرنے والے بڑی عمر کے لوگ ہوتے ہیں وہ یا تو کسی مالی نقصان کی وجہ سے خودکشی کرتے ہیں یا پھر لمبی بیماری سے تنگ آکر اپنے آپ کو ہلاک کردیتے ہیں۔ مثلاً ایڈز، سرطان یا بڑھاپا جو اتنا بڑھ جاتا ہے کہ نہ اٹھ بیٹھ سکتے ہیں، نہ چل پھر سکتے ہیں محتاج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ امریکہ میں تو ایک ڈاکٹر نے بہت سے مریضوں کو موت کے انجیکشن لگا دیئے جنہوں نے اس ڈاکٹر سے موت کی تمنا کی تھی۔ آج کل اس پر مقدمہ چل رہا ہے مذکورہ ڈاکٹر نے اعتراض کیا کہ یہ لوگ اتنے بے بس تھے کہ اگر ان کو موت کا انجیکشن نہ لگاتا تو خودکشی کر لیتے۔ یہ لوگ خود سکون سے مرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کی بیماری لاعلاج تھی یا بہت طویل تھی۔ ان کے نزدیک زندگی موت سے بدتر تھی لہٰذا میں نے ان کے کہنے پر موت کا انجیکشن لگا دیا اور سسک سسک کر مرنے سے بچالیا۔

اس کے برعکس ہمارے مذہب میں خودکشی حرام ہے اور خودکشی ہی نہیں اسلام میں مایوسی کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے جو درحقیقت خودکشی کی جانب پہلا قدم ہے۔ لہٰذا مسلمان خودکشی کرنے میں سب سے آخر میں آمادہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں تو خودکشی کی وجہ وہ نہیں اوپر جس کا ذکر یورپ، امریکہ، جاپان اور کوریا کے حوالے سے کیا گیا ہے بلکہ ہمارے ملک میں لوگ بھوک، افلاس، غربت، بیماری، پولیس یا حالات کے تشدد کے باعث ایسا کرتے ہیں۔ خصوصاً بے روزگاری تو اس میں سرفہرست ہے اکا دکا لوگ محبت یا امتحان میں ناکامی کی وجہ سے خودکشی کرتے ہیں۔ حکومت نے آج تک صرف ٹیکس وصول کرنے پر اپنی توانائی خرچ کی ہے مگر کبھی یہ نہیں سوچا کہ محض ٹیکس وصول کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس رقم کو احسن طریقے سے خرچ کرنا بھی اولین فرض ہے۔ اسلام نے پیدا ہونے والے بچے کی بیت المال سے پرورش کا ذمہ لیا، اگر وہ غریب ہے ڈھائی فیصد زکوٰۃ امیروں سے وصول

کرنے کا بھی اسی طرح طریقہ طے ہے۔ آج ہم ڈھائی فیصد کے علاوہ نہ جانے کتنے بے حساب ٹیکس ادا کرتے ہیں مگر یہ خطیر رقم حکمرانوں کے شاہی اخراجات پر صرف ہوتی ہے غریبوں کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ذرا اندازہ تو کیجئے کہ زکوٰۃ گذار اور ٹیکس گذار پر کتنا خرچ ہوتا ہے زکوٰۃ کے لئے اربوں روپوں کی کٹوتی کرنے کے بعد مساکین، یتیموں اور غریبوں پر فی خاندان صرف 300 سے 750 روپے ماہانہ خرچ ہوتے ہیں۔ کیا ہم نے آج تک کسی بے روزگار نوجوان کو بے روزگاری الاؤنس دیا کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یورپ اور امیریکہ میں تو پاکستانی اگر بے روزگار ہوں تو وہ ان کی کفالت کرتے ہیں، رہائش کے علاوہ بے روزگاری الاؤنس دیتے ہیں مگر پاکستان میں پاکستانی نوجوانوں کو کیا دیا جاتا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کی رقم پر سب سے پہلا حق غریبوں اور محتاجوں کا تسلیم کیا ہر گھر میں چولہا جلانا اسلام فلاحی حکومت کا فرض ہے اگر حکومت اپنا فرض پورا کرے تو نوجوانوں میں مایوسی حد درجہ کم ہوجائے، غربت دم توڑ دے اور خودکشی کا سباب پیدا ہی نہ ہو جان تو ہر ایک کو پیاری ہے۔ مگر جب بات جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے میں بھی ناکامی تک جا پہنچے تو اگلا راستہ موت تک ہی نظر آتا ہے۔ حالیہ دنوں میں خودکشی کے لئے خودسوزی کا بڑھتا ہوا رجحان جو سامنے آیا ہے وہ نہایت تشویشناک ہے۔ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے تمام طریقوں میں سب سے زیادہ جو اذیت ناک جو طریقہ کار ہے وہ خودسوزی کا ہے تو پھر لوگ جان دینے کے لئے یہی طریقہ کیوں استعمال کر رہے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر ماہرین نفسیات کو توجہ دینی چاہئے مگر حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے خود اس میں ملوث ہیں۔ آج صورتحال یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ باصلاحیت اور ملک و قوم کے لئے اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے کچھ کر ڈالنے کے عزم سے سرشار نوجوان مارے مارے پھرتے ہیں اور ان کو کلرکی بھی نہیں ملتی۔ بار بار کی ناکامیاں ان کا دل توڑ دیتی ہیں وہ مایوس ہوتے جاتے ہیں اور بالآخر یہ مایوسی کی کیفیت

انہیں انتہائی فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے پھر کوئی ڈاکو جنم لیتا ہے، کوئی تخریب کار پیدا ہوتا ہے، کسی آسمگلر کا اضافہ ہوتا ہے یا پھر اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لینے جیسا سانحہ رونما ہوتا ہے۔ معاشرتی ناہمواری، عدم مساوات، زندگی کے دوڑ میں شامل ہونے کے نامناسب مواقع اگر ان حالات کو پیش نظر رکھ کر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو مسلمانوں میں خودکشی کا رجحان بہت کم نظر آئے گا اور اس کا سبب یہی ہے کہ مسلمانوں کا دین اسلام خودکشی حرام قرار دیتا ہے۔ تاہم حالیہ دنوں میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر دینے کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے جو تشویشناک ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ اس خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر قابو پانے کے لئے بے روزگاری الاؤنس کی ادائیگی کا فوراً اہتمام کرے اور نوجوانوں کو پولیس کے تشدد اور غیر انسانی سلوک سے محفوظ رکھنے کے اقدامات اٹھائے۔ یہی وہ سب سے بڑی وجوہ ہیں جو ان نوجوانوں کو خودکشی اور خودسوزی پر مجبور کرتی ہیں۔ کپڑے اور مکان کے بغیر انسان زندہ رہ سکتا ہے مگر روٹی کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کو اپنی عزت نفس سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے خصوصاً نوجوانوں کو اور بات عزت کی آجائے تو عزت داروں کے لئے عزت کے بدلے موت کا سودہ بہت سستا ہوتا ہے۔

﴿ یہ چوتھا ستون کون ہلا رہا ہے ﴾

جب سے چند افراد جن کا تعلق صحافت سے تھا سرد و گرم لکھنے کی پاداش میں گرفتار ہوئے ہیں۔ صحافت کی نئی نئی ڈکشنریاں چھپنے لگی ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے انداز میں صحافت، کالم نگاری، اخبار نویسی کے معنی نکالنے لگا ہے۔ اس دور میں خود حکومت یا اس کے چاہنے والے سب سے آگے ہیں دوسری طرف ان کا مقابلہ حزب اختلاف اور اس کے چاہنے والوں سے ہے۔ تیسری طرف وہ سینئر صحافی، کالم نویس، اخباری مالکان جنہوں نے اپنی تمام زندگی اس پودے کو تناور درخت بنانے میں صرف کی اور کبھی اپنے قلم کو بکنے تو کجا، ہلنے بھی نہیں دیا چھوٹی موٹی تنخواہ اور اپنے اصولوں پر زندگی گزار دی۔ آج راتوں رات امیر بن جانے والے صحافیوں، کالم نگاروں اور مالکوں کو دیکھ کر کف افسوس ملتے ہیں کیونکہ ساری زندگی نہ تو وہ اخبار کے مالک کے سامنے جھکے اور نہ ہی حکمرانوں کے آگے پیچھے چلے۔ جو حق کی بات تھی وہ لکھ دی اور بس۔ جب ہوا نے رخ بدلنا شروع کیا تو ہمارے صحافیوں نے جن میں بڑی تعداد اس خارزار میں پہلا پہلا قدم رکھنے والوں کی تھی، ان تھپیڑوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے ان کے رخ پر چلنا بلکہ اڑنا شروع کر دیا اور پھر صحافت میں خوشامد، چمک، عہدے، پلاٹ اور پرمٹ شامل ہوتے چلے گئے۔ یوں صحافت بھی ایک طرح کی ہلکی پھلکی تجارت بن گئی۔ بڑھتے بڑھتے یہ تجارت صنعت اور وزارت تک جا پہنچی۔ چونکہ میں 30 سال سیاست میں رہا اس وجہ سے میں نے اس کو بہت قریب سے دیکھا۔ پہلے کاغذ بکا پھر پنسل بکی اور اب کھلے عام قلم بکتا ہے۔ الا ماشاء اللہ اب چند اصول پسند صحافی اور کالم نویس ایسے جو قلم کی حرمت بچائے ہوئے ہیں۔ پھر ذرا سوچئے تو اس ملک اور قوم کا کیا بنے گا اب تو اس ملک میں ہر چیز برائے فروخت ہو کر رہ گئی ہے۔ پہلے اخبار خبروں سے بکتے تھے اور اخبار مالکان ان ہی کی آمدنی سے صحافیوں، اخبار نویس، کالم نگاروں، کاتبوں اور چپڑاسیوں کو تنخواہیں ادا کرنے اور دیگر اخراجات نکالنے کے بعد

اپنے بال بچوں کے لئے بھی بچالیا کرتے تھے مگر اب بھلا کوئی اخبار بغیر اشتہار کے نکل اور چل سکتا ہے؟ نتیجہ کیا ہوا خبریں کم سے کم اور اشتہارات زیادہ سے زیادہ ہوتے چلے گئے۔ لوگ بھی خبریں پڑھنے کے بجائے کالم پڑھنے لگے کیونکہ اس میں بے لاگ تبصرہ ہوتا ہے نئے نئے کالم نگار آتے گئے اور لکھتے گئے۔ اس میں سیاستدان، ریٹائرڈ فوجی، بیوروکریٹس، سرکاری ملازمین، صنعتکار، کھلاڑی سب ہی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق لکھنا شروع کیا ایسا کیوں ہوا ،اس لئے جب قلم کے محافظوں نے (چند ایک چھوڑ کر) اس قلم کی عظمت بھلا دی تو بے لوث افراد نے ان کی جگہ فرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کی سکی ہوئی تو کسی نے انہیں شہرت پسند تو کسی نے شوقیہ لکھنے والوں کا حوالہ دیا، کسی نے کوئی پھبتی کسی تو کسی حکومتی منچلے نے کسی اور انداز سے نوازا کہ یہ اخبار نویس یا صحافی نہیں ہو سکتے۔ حقیقی صحافت کی تعریف یہ ہے کہ جس نے اپنے قلم سے سچ لکھا اور وہ جب تک اس کو نبھاتا رہا وہی صحافی ہے۔ جس دن اس نے قلم بیچ دیا تو وہ صحافی نہیں رہا اپنے ضمیر کا سوداگر بن گیا اور جو اپنا ضمیر بیچ دے اسے ملک کا سودا کرنے میں کوئی عار نہیں ہو سکتا۔ ایسا صحافی، صحافی نہیں بے ضمیر تاجر ہے اور یہ کام کوئی بھی صحافی کر سکتا ہے اس میں سینئر یا جونیئر کا دخل نہیں ہے۔ اب نفسہ نفسی کا دور ہے، طور طریقے بدل رہے ہیں، اقدار بدل رہی ہے پہلے زمانے میں اخبار کے مالکان کا ایک دبدبہ اور وقار ہوتا تھا اور شرافت ہی اسی کا طرۂ امتیاز ہوتی تھی مگر جب سے صحافت کو آزادی ملی، گلی گلی اخبار نکلنے شروع ہو گئے، صحافی مالکان بننے لگے تو اب صحافی کون بنے ۔نتیجہ یہ کہ ہر ایک نے اس میدان میں کودنا شروع کر دیا۔ اخبارات سیل ہونے لگے تو مالکان نے ان ہی نام نہاد صحافیوں کی بدولت صنعتکاروں، حکومتوں، سیاستدانوں، سرکاری ملازموں، بیوروکریٹس کے گرد حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا اور ان کی معمول کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی خبریں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کر کے صحافت کو بدنام کرنا شروع کر دیا اور اب بلیک میلنگ کے ذریعے مال

بنانا ایک معمول بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کسی تھانے دار نے کسی صحافی کی خواہش پوری نہیں کی تو دوسرے دن اس کے خلاف خبر لگا دی اور چٹ پٹی خبروں کا یہ سلسلہ کئی کئی دن تک جاری رہتا ہے۔ اگر کسی صنعتکار نے اس کے من پسند آدمی کو ملازم نہیں رکھا یا اس کو اشتہار نہیں دیا تو دوسرے دن اس پر قیامت ٹوٹ پڑے گی اور کئی کئی دن تک اس کے خلاف خبریں لگتی رہیں گی حتیٰ کہ اس کو مک مکا کرنا پڑے گا۔ اس سے زیادہ بری درگت اور اس صحافت کی کیا بنے گی۔ ہمارے ایک مخلص صحافی دوست تو برسوں ایک پریس کلب کی سالانہ ممبر فیس اپنی جیب سے جمع کروا کر الیکشن میں ووٹ ڈلواتے، ان ہی صحافی حضرات کو بلاتے اور الیکشن جیتا کرتے تھے تا کہ ان صحافیوں کی جیب پر اس کا بوجھ نہیں پڑے چونکہ یہ مقابلے کا دور ہے نہ جانے ہمارے ملک کی صحافت اور کتنی دور جائے گی۔ یہ ایک معزز پیشہ تھا مگر افسوس حالات نے اس کو معزز نہیں رہنے دیا اور صرف پیشہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اللہ اس سے ملک اور قوم کو بچائے جو ہمارے اسلاف نے کیا اس کا پھل ہم کھا رہے ہیں لہٰذا ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہماری آنے والی نسل ہمارے بوئے ہوئے بیج کا پھل کھا کر ہم کو کن لفظوں سے یاد کرے گی۔ یہ کون ہے جو ریاست کے چوتھے ستون کو ہلا رہا ہے؟ ریاست کے حکمرانوں اور محافظوں کو اس کی فکر کرنا چاہئے۔

﴿ یہ مسائل کون حل کرے گا ؟ ﴾

جب سے میں نے کالم لکھنا شروع کیا اس 15 سال کے عرصے میں روزنامہ "جنگ" کی معرفت اور ڈائریکٹ بھی کافی خطوط ملتے رہے جس میں چھوٹی چھوٹی مشکلات کا ذکر ہوتا تھا۔ بہت سے نجی معاملات پر مشتمل شکایات، تجاویز ہوتی تھیں۔ کچھ خطوط میں میرے کالموں کی تعریف اور تنقید ہوتی تھی اس لیے میں نے اپنے کالموں میں ذکر نہیں کیا مگر چند ہفتوں میں مجھے ایسے خطوط ملے جن میں سنگین عوامی شکایات کا ذکر کیا گیا ہے تو میں نے مناسب جانا کہ ان قارئین کی خواہشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے مسائل کا ذکر اپنے کالم میں کروں تا کہ متعلقہ ادارے اس کا سدِ باب کریں۔

پہلا خط کراچی سے ایک سینئر سٹیزن نے لکھا۔ لکھتے ہیں کہ سابق وزیر اعظم نواز شریف صاحب کے دور کے آخری دنوں میں خود نواز شریف صاحب نے بزرگ شہریوں کیلئے جن کی عمریں 65 سے تجاوز کر جائیں، حکومت کی طرف سے ایک پیکج کا اعلان کیا تھا جس کی رو سے ان بزرگ شہریوں کو ہوائی اور ریلوے کے سفر میں اور سرکاری ٹرانسپورٹ میں 50 فیصد تک رعایت دی جاتی تھی۔ ساتھ ساتھ یوٹیلٹی بلز یعنی گیس، بجلی، ٹیلی فون یوٹیلٹی اسٹور سے خریداری پر 10 سے 20 فیصد تک رعایت ، 2 ہزار روپے کے کوپن پر خصوصی ڈسکاؤنٹ ، اسپیشل کارڈ کا اجراء جن کے ذریعے مفت عجائب گھروں اور لائبریریوں میں آنے جانے کی سہولتیں، گیس، بجلی اور ٹیلی فون کے ترجیح کنکشن، مفت علاج و معالجہ کی سہولتیں وغیرہ وغیرہ شامل تھیں۔ اس کی تمام قومی اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے خاصی تشہیر کی گئی تھی۔ جس سے ہمارے بزرگ شہری بڑے خوش ہوئے تھے کہ 52 سال کے بعد کسی کو ان کے حقوق کا خیال آیا تھا اور اس جانب عملی اقدام کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ امید لگائے آج تک اس اسکیم کی بحالی کے لیے بے چین ہیں (مغربی ممالک میں ایسی مراعات 60 سال سے زائد افراد کو ان کے ریٹائرڈ ہونے پر خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں)۔ یہ خط واقعی مفلوک الحال بزرگ شہریوں

کی روزمرہ تکالیف اور مسائل سے بھرا ہوا ہے خصوصاً اپنے سگے رشتہ داروں کا اس عمر میں بے کار سمجھ کر نظر انداز کرنا (بعض بد بخت تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ بڈھا مرتا بھی نہیں ہے) سوہان روح ہے۔ حکومتِ وقت کو واقعی ان کی مدد کرنی چاہیے۔ مغرب کی طرح بوڑھوں کے دارالامان (Old House) کا قیام اس سلسلے میں مفید ہو سکتا ہے جہاں ان بزرگوں کی مکمل دیکھ بھال اور تمام بنیادی سہولتیں فراہم کرنی چاہیں۔ اس کارِ خیر میں NGO's کو بھی آگے آنا چاہیے۔

دوسرا خط ایک بے روزگار گریجویٹ لڑکی نے لکھا ہے۔ بڑا دردانگیز بھی ہے اور باعثِ عبرت بھی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ اور اس جیسی سینکڑوں بے روزگار لڑکیاں جب نوکری کے اشتہارات کے حوالے سے انٹرویو کے لیے جاتی ہیں تو ان سے نجی قسم کے سوالات کر کے غلط ترغیبات کبھی اشارتاً اور کبھی براہِ راست مطالبات کی شکل میں دی جاتی ہیں۔ میرا قلم ان ترغیبات کو لکھنے کا حامل نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ سب کی عزت محفوظ رکھے۔ یہ حادثات اس کی کئی سہیلیوں کے ساتھ بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ بچیاں کئی مہینوں سے بے روزگار ہیں اور پریشانی کے عالم میں ایک مرتبہ تو انہوں نے خودکشی کا فیصلہ بھی کر لیا تھا میرے خیال میں ایسی بچیوں کو جنہیں اس قسم کے واقعات جو انہیں پیش آئے تو انہیں اسے چھپانے کے بجائے وومن پولیس اسٹیشن جا کر کسی بھی سینئر پولیس آفیسر سے مل کر اس ادارے یا افراد کے خلاف کاروائی ضرور کرنی چاہیے تا کہ دیگر افراد ایسی شرمناک حرکت آئندہ نہ کر سکیں۔

ایسا ہی خط ایک اور مظلوم نے لکھا ہے انہوں نے اپنا پتہ نہیں لکھا مگر بہت سنگین مسئلہ کی طرف جائز نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس ملک میں تمام بڑے شہروں میں جعلی ریکروٹنگ کمپنیاں کھلی ہیں جو بڑے بڑے دعووں کے اشتہارات چھپوا کر بیرونِ ملک بھیجنے کا لالچ دے کر غریب اور سادہ لوح بے روزگاروں کو دن دھاڑے لوٹ رہی ہیں۔ بہت سے افراد فائیو اسٹار ہوٹلوں میں

رہتے ہیں اور ایڈوانس ٹکٹ، ویزے اور دیگر اخراجات کے نام پر لاکھوں روپے جمع کر کے فرار ہو جاتے ہیں پولیس بھی ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتی۔ بعض جعلی کمپنیاں پولیس اور ایف آئی اے کی مدد سے جعلی ویزوں اور فوٹو چینج جس کو عرف عام میں پی سی کہا جاتا ہے کے ذریعے 4، 5 لاکھ روپے لے کر لوگوں کو بیرون ملک بھیج دیتے ہیں اور جب یہ پی سی والا شخص پکڑا جاتا ہے تو اس کو واپس کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں وہی ایف آئی اے کا عملہ اس کو گرفتار کر کے جو بقایا رقم بچ جاتی ہے ہتھیا کر ہی چھوڑتا ہے۔ آج تک ان جعلی ریکروٹنگ اور ٹریول ایجنسیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی کیونکہ یہ بڑا سودمند کاروبار ہے جو 12 مہینے پولیس، ایف آئی اے کے تعاون سے پھل پھول رہا ہے۔ میرے خیال میں متعلقہ حکام کو ان جعلی ریکروٹنگ کمپنیوں اور ٹریول ایجنٹوں کے خلاف بھرپور کاروائی کر کے اس مذموم دھندے کا صدباب کرنا چاہیے۔

کراچی کے ایک اور شخص نے بھی ملک بھر کی اسٹاک ایکسچینج کمپنیوں کے خلاف اعداد و شمار کے ساتھ لکھا ہے کہ 90 فیصد عوامی سرمایہ کھا چکی ہیں اور خود کو دیوالیہ قرار دلوا کر دیگر ناموں سے پھر نئی کمپنیاں بنوالیتی ہیں۔ یہ سلسلہ 35 سال سے جاری ہیں ان میں مضاربہ اور ٹیکسٹائل کے شعبے پیش پیش ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 682 کمپنیوں نے آج تک کوئی ڈویڈنڈ نہیں دیا اور ان کا 10 روپے کا شیئر 50 پیسے تک آچکا ہے۔ پھر یہ نام بدل بدل کر اپنے نوکروں یا رشتہ داروں کے نام سے دوبارہ اسٹاک ایکسچینج میں ممبر بنا جاتی ہیں۔ اس میں اسٹاک ایکسچینج کے بروکر بھی شامل ہیں۔ جب چاہتے ہیں کسی بھی شیئر کے دام جعلی خریداروں کے ذریعے بڑھا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں گرا دیتے ہیں۔ یہ کاروبار بھی ان غریب سرمایہ کاروں کا زندگی بھر کا بچا کھچا سرمایا ڈبو چکا ہے مگر آج تک کسی محکمے نے ان سے باز پرس نہیں کی کہ یہ اربوں کھربوں کا سرمایہ کہاں گیا۔

میرے خیال میں حکومت جہاں بینکوں کے نادہندگان سے نمٹ رہی ہے اسی سختی سے ان ڈفالٹروں

کو بھی پکڑنا چاہیے ان سے بھی اربوں روپے ان غریبوں کے وصول ہو سکتے ہیں تو کیوں نہ نیب از خود اس کا نوٹس لے۔ ان اسٹاک ایکسچینج کے متاثرین کو کم از کم ان کی اصل رقم لٹانے کا اہتمام کرے یہ بھی حکومت کا قومی سرمایہ اور فریضہ ہے۔ کیونکہ رعایا کی جان و مال کی حفاظت حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ موجودہ حکومت کو بھی 4 سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے اس حکومت کا دعوی ہے کہ وہ بیشتر مسائل حل کر چکی ہے۔ اور آئندہ آنے والے الیکشن میں کامیابی کی صورت میں بجلی، پانی، گیس، مہنگائی جیسے مسائل بھی حل کرنے میں کامیاب ہو جائیگی۔ اس میں کتنی صداقت ہے وہ عوام جانتے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مسائل کو کون حل کرے گا؟

﴿ بلوچستان کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟ ﴾

جب سے امریکی سینیٹر کی طرف سے بلوچستان کے متعلق قرارداد آئی ہے سب اس کی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں کسی نے یہ نہیں سوچا کہ گذشتہ 68 سال سے کس نے بلوچستان کے ساتھ ظلم روا رکھا، آیا فوج نے، سیاستدانوں نے یا پھر خود بلوچستان کے سرداروں نے اس کو پسماندہ رکھا۔ تاریخ کے حوالے سے جب برصغیر کو انگریزوں نے تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تو صرف ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کا فیصلہ اُس علاقے کے عوام نے کرنا تھا۔ خوش قسمتی سے تمام مسلمان علاقے پاکستان سے الحاق چاہتے تھے، ہندوستان سے الحاق کا مطلب ہندوؤں کی غلامی میں جانا تھا اور بلوچستان کی اکثریت مسلمانوں کی تھی اور خان آف قلات کے قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے ذاتی تعلقات بھی کام آئے جس کی وجہ سے بلوچستان کے سرداروں نے محمد علی جناح کے حق میں فیصلہ دے دیا جس کی وجہ سے بلوچستان کا پورا علاقہ پاکستان کے حصہ میں آیا۔ راقم 1963ء میں تبدیلی آب وہوا کے لئے بلوچستان کے شہر کوئٹہ 1 ماہ کے لئے کالج کی چھٹیوں میں گیا اتفاق سے کوئٹہ ریلوے سٹیشن کے قریب ہی ایک مکان میں اپنے والد مرحوم کے دوست کے یہاں قیام کیا تھا۔ موسم خوشگوار تھا ماہ جون میں جب کراچی میں سخت گرمیاں ہوتی تھیں کوئٹہ کے موسم سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا صبح صبح چہل قدمی کے لئے نکلا ان دنوں کوئٹہ شہر بہت صاف ستھرا ہوا کرتا تھا، سڑکوں پر سے الصبح قطار در قطار فوجی ٹینک فوجیوں سے بھرے ساتھ ساتھ کولہ بارود توپیں گزریں تو تعجب ہوا کہ یہ ٹرک ، ٹینک، توپیں شام کو واپس بھی رات گئے تک آگئیں میں سمجھا کہ کہیں مشقوں کے لئے گئی ہونگی جبکہ کئی دن تک اسی طرح دیکھتا رہا تو اپنے بزرگ میزبان سے پوچھا تو انہوں نے دکھ کے ساتھ بتایا کہ بلوچستان کے کچھ سردار حکومت پاکستان اور خصوصاً صدر ایوب کے مخالفت میں پہاڑوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور ہماری فوج ان کو نیچے اتار کر سزا دینا چاہتی ہے اور روزانہ ان پر کولہ باری ہوتی

ہے مگر سردار ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں 1 ماہ کی چھٹیوں کے بعد واپس آگیا۔ نوجوانی کی وجہ سے اور سیاسی بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں سمجھ سکا مگر بعد میں آہستہ آہستہ جب سیاسی سوجھ بوجھ آئی تو پتہ چلا کہ حکومت پاکستان مخالفت کی سزا دی جارہی ہے اور یہ سلسلہ تقریباً ہر فوجی ادوار میں زور پکڑتا گیا پھر جب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور میں بلوچستان کی حکومت جس کے وزیراعلیٰ عطاء اللہ خان مینگل کی حکومت ختم کی گئی اور بعد میں ان کے صاحبزادے کا پراسرار قتل ہوا بلوچستان کے بہت سے سردار کچھ افغانستان اور کچھ لندن خود جلاوطن ہوگئے اس کے بعد بلوچستان میں علیحدگی پسند تنظیمیں وجود میں آئیں کچھ کو افغانستان کی شاہ ظاہر شاہ حکومت نے ان کو پناہ دی اور مالی معاونت بھی کی اور پھر ہمارے پڑوسی ملک بھارت جو ہمیشہ سے پاکستان مخالف تحریکوں اور تنظیموں کو مالی اور فوجی ساز وسامان دینے کا چیمپئن ہے اس نے ان کی بھرپور مدد کی۔ ہماری کسی حکومت نے اس پر توجہ نہیں دی۔

قصہ مختصر پرویز مشرف نے تو اپنے آخری دور میں خصوصاً نواب اکبر بگٹی کو جس بھونڈے انداز میں مروایا وہ اس کی آخری کیل ثابت ہوا اور اس علیحدگی تحریک میں جان ڈل گئی۔ اب ہر شخص اس واقعہ کے بعد اکبر بگٹی کا ہمدرد بن کر علیحدگی پسند تحریک میں اپنا حصہ ڈالنے لگا۔ پہلے پاکستان کا جھنڈا اتارا گیا، اسکولوں میں فوجی ترانہ بند کروایا گیا۔ کیونکہ ہماری فوج کی اکثریت کا تعلق پنجاب سے ہے تو فوج کو پاکستانی فوج کے بجائے پنجاب کی فوج کا خطاب ملا اور بلوچستان میں پنجابی استاد اور آباد کاروں کو نشانہ بنایا گیا۔ دن دھاڑے ان کا قتل عام کیا گیا اب کوئی سیاسی جماعت نہ حمایت میں اور نہ ہی مخالفت میں ان اقدام کی مذمت کرتی ہے اور نہ ایسے گھناؤنے عمل کو روکنے کے لئے اپنا منہ کھولتی ہے۔ موجودہ حکومت نے آکر اکبر بگٹی سے صرف زبانی ہمدردی بھی دکھائی مگر وزیراعظم صاحب نے عملی کوئی کاروائی نہیں کی۔ خصوصاً پرویز مشرف کے خلاف کوئی اقدامات نہیں کیئے ایک

ہفتہ قبل اگر چہ انہوں نے عام معافی کا بھی اعلان کیا، اے پی سی بھی بلانے کی بات کی مگر بلوچ سرداروں کو ہمارے وزیر داخلہ رحمان ملک کے دوہرے کردار پر اعتبار نہیں ہے اور حکومت بھی کھل کر بلوچ سرداروں کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ خصوصاً بلوچستان میں بلوچی وزیر اعلیٰ نواب اسلم رئیسانی بھی 4 سال میں کسی بھی طرح بلوچ سرداروں کو منانے میں نہ کامیاب ہوئے اور صوبے میں امن وامان قائم کرنے میں بھی ناکام ہی رہے۔ نہ کوئی متبادل منصوبہ پیش کر سکے اپنے ہی خول میں بند رہے۔ ہمنواؤں اور خوشامدی ٹولے میں گھرے رہے اور سب ٹھیک ہے یا سب ٹھیک ہو جائے گا والے وعدوں پر پانچویں سال میں داخل ہو چکے ہیں۔ حالات ان کی گرفت سے نکل چکے ہیں سب زبانی جمع خرچ ہو رہا ہے، اے پی سی کا بھی کیا انجام ہوا کچھ پتہ نہیں چلا۔ یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ تمام ادوار میں بلوچستان میں بلوچ سردار ہی وزیر اعلیٰ اور گورنر رہے حکومت بھی ان ہی کی تھی مگر بلوچستان دیگر صوبوں کی طرح ترقی نہیں کر سکا۔ اس کا بجٹ کہاں گیا کس نے کھایا عوام اسی مفلسی میں مبتلا رہے اور تعلیمی معیار اور شمار بھی سب سے پیچھے رہا۔ آج جو سردار مخالفانہ نعروں میں سب سے آگے ہیں ماضی میں یہی سب وزیر اعلیٰ، گورنر اور اہم سرکاری عہدوں پر رہے انہوں نے اپنے اپنے ادوار میں کیا کام کیا، عوام کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ یہ کوئی ان سے نہیں پوچھتا شاید ہی کوئی سردار، خاندان ہو جس کے ایک دوسرے کی دشمنی میں افراد نہیں مارے گئے۔ اس پر کوئی پشیمان نہیں ہے کہتے ہیں کہ یہ بلوچوں کا اپنا طریقہ ہے اور وہ اپنا بدلہ خود لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود بگٹی خاندان میں دو الگ الگ رائے رکھنے والے انکے صاحبزادے اور ان کے پوتے ہیں۔ ان سرداروں کی آپس میں بھی دشمنی رہی ہے مگر پاکستان دشمنی میں اب سب اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اب بھی وقت ہے صرف وعدوں اور تقریروں کے بجائے پُرخلوص انداز میں تمام بلوچ ٹرائب سے ایک ایک نمائندہ لے کر ایک کونسل بنائی جائے اور سیاسی جماعتوں سے 3 تین افراد پر مشتمل ایک قومی

کونسل بنا کر سب کو ایک پلیٹ فارم پر بٹھا کر بلوچستان کے عوام کی بہتری کے اقدامات کیئے جائیں۔ اس کونسل کے سربراہ عطاء اللہ خان مینگل کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اس کونسل کی صدارت کریں اور ٹھوس تجاویز پارلیمنٹ میں پیش کر کے ان پر عمل درآمد کروائیں۔ اس وقت چیف جسٹس صاحب کا تعلق بھی اتفاق سے بلوچستان سے ہے ان کی نگرانی میں یہ کام ہو سکتا ہے مگر اس سے قبل پرویز مشرف کے صرف ریڈ وارنٹ ہی نہیں عملی گرفتار کر کے بگٹی خاندان کو انصاف دلایا جائے اور عدلیہ اس کا فیصلہ کرے کہ اکبر بگٹی کا قاتل کون ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو پھر بلوچستان کا اللہ مالک ہے، علیحدگی پسند تنظیمیں اب تناور درخت بن چکی ہیں۔ بھارت بھرپور طریقے سے ان کی سرپرستی کر رہا ہے وقت کو ضائع کیئے بغیر اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے جو صرف اور صرف بلوچ سرداروں کو اعتماد میں لے کر حل کیا جا سکتا ہے۔

﴿ مہنگائی کا سمندر ﴾

پاکستان میں عجب قوانین نافذ ہیں اگر دودھ والے دودھ مہنگا کر دیں تو مقامی انتظامیہ دودھ والوں کا چالان کر دیتی ہے۔ دودھ والوں کی ایسوسی ایشن میدان میں آتی ہے اور حکومت اور ایسوسی ایشن والے مل کر دام طے کر دیتے ہیں اسی طرح گوشت، سبزی، پھل فروشوں کے ساتھ آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ یہی دودھ اگر بڑی بڑی کمپنیوں کا ٹیٹرا پیک میں اس سے بھی دگنے داموں میں فروخت ہوتا ہے تو کوئی ان کمپنیوں پر ہاتھ نہیں ڈالتا نہ پوچھتا ہے کہ تم اتنا مہنگا کیوں بیچ رہے ہو۔ یہی گوشت ڈیپارٹمنٹل اسٹوروں پر دو، دو سو روپے مہنگا فروخت ہو رہا ہو تو کوئی ان سے پوچھ گچھ نہیں کرتا۔ ہر سال رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ساتھ ہمارے مسلمان اور روزہ دار، دوکاندار، ٹھیلا فروش، پھل، سبزیاں کیا اب تو ہر چیز مہنگی کر دیتے ہیں۔ چند دن انتظامیہ کی طرف سے پکڑ دھکڑ ہوتی ہے اور پھر لے دے کر مک مکا ہو جاتا ہے اور پھر سال بھر اس مہنگی اور گراں قیمتوں پر یہ بکتا ہے۔ گویا رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے نرخوں کی فکسنگ کے لئے بنایا گیا ہے تا کہ ایک طرف نیکیاں کمائیں ساتھ ساتھ منافع میں اضافہ بھی کریں دونوں ثواب کمائیں مگر جب یہی حکومت پیٹرول، گیس اور بجلی پر جب چاہے من مانے دام بڑھائے تو کوئی نہیں پوچھتا صرف چند ایسوسی ایشن، فیڈریشن، چیمبرز نما تنظیمیں ہڑتال کی دھمکیاں ٹرانسپورٹروں سے مل کر دیتی ہیں نہ حکومت پر کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی عوام کا ردعمل نظر آتا ہے۔ دل ہی دل میں عوام خود کو حکومت کو کوس کر خاموشی سے قیمت ادا کر دیتی ہے۔ رہا حزب اختلاف تو اس کو اسمبلی میں بیان بازی سے زیادہ کچھ نہیں آتا۔ اخبارات کے صفحے تو ان کے احتجاج سے بھرے ہوتے ہیں عملی طور پر صفر، گویا وہ بھی حزب اقتدار سے درپردہ ملی ہوئی ہے جس کا آج اظہار ہمارے صدر آصف علی زرداری صاحب نے دورۂ لاہور کے موقع پر کھل کر کہہ دیا کہ شریف برادران کی چمک دمک ان کی مرہون منت ہے۔

اتفاق سے ہی نہیں بلکہ شریف برادران جب بھی کوئی مہنگائی کا بم عوام پر گرایا جاتا ہے تو یہ ملک سے یا تو باہر ہوتے ہیں یا پھر باہر چلے جاتے ہیں۔ ویسے تو ہماری عدلیہ خود دیگر باتوں کا نوٹس لے کر کاروائی ڈالتی ہے مگر آج تک عوام پر گرنے والی مہنگائی کے بموں کا اور ڈرون حملوں کا کوئی نوٹس نہیں لیتی جس سے حکومت اور شیر ہو جاتی ہے۔ پہلے داموں کے بڑھانے کا شوشہ اخبارات کے ذریعے چھوڑا جاتا اور پھر باقاعدہ اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہڑتال، پہیہ جام اور سڑکوں پر آنے کا ڈر ہوتا ہے تو کبھی وزیراعظم صاحب اور کبھی صدر صاحب قوم پر رحم کھاتے ہوئے دو ایک روپے کم کر کے عوام کا غصہ کم کر دیتے ہیں مگر یہی ٹرانسپورٹر من مانے کرائے بڑھا دیتے ہیں۔ ٹیکسیوں اور رکشاؤں کے میٹر تو جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں اب ٹیکسیوں اور رکشوں سے بھی غائب ہو چکے ہیں اگر ہم مہنگائی کی جڑیں تلاش کرتے جائیں تو اس کا کریڈٹ بھی پاکستان پیپلز پارٹی کو جاتا ہے۔ جب سقوط ڈھاکہ کے بعد مغربی پاکستان جو اب پاکستان کہلاتا ہے پی پی پی کی حکومت آئی تو 1972ء میں اس وقت کے وزیر خزانہ مبشر حسن اور آج کے دانشور جو پیشے کے لحاظ سے انجینئر تھے انہوں نے راتوں رات 5 روپے سے بھی کم کا ڈالر جو قیام پاکستان سے لے کر یعنی 25 سال سے فکس تھا یکدم 11 روپے میں کر دیا۔ اس وقت مشرقی پاکستان ہاتھ سے جانے کی وجہ سے عوام صدمے میں تھے، فوج بھارت کے قید میں تھے کچھ ردعمل سامنے نہیں آیا اور مہنگائی نے راستہ دیکھ لیا اور جب 1977ء میں پی این اے کی تحریک نظام مصطفیٰ چلی تو حزب اختلاف نے مہنگائی کے خلاف عوام کو سڑکوں پر لائے تو مہنگائی تو نہیں گئی مگر پی پی پی کی حکومت چلی گئی اور فوج قابض ہو گئی پھر ہمارے فوجی دور کے وزیر خزانہ محبوب الحق نے تمام کرنسیوں کو آزاد کر دیا۔ یہی ڈالر ہر آنے اور جانے والی حکومتیں بڑھا بڑھا کر 45 روپے تک لے گئیں اور پھر ہمارے محبوب وزیراعظم نواز شریف صاحب نے ایٹمی دھماکہ کیا اور پھر اسی رات تمام غیر کرنسی اکاؤنٹ سیز کیئے تو

یہی ڈالر 60 روپے تک جا پہنچا کیونکہ حکومت کی ساخت بری طرح متاثر ہو چکی تھی اور باہر سے امدادیں بھی تقریباً بند ہو چکی تھیں پھر نواز شریف کا تختہ الٹا اور پھر فوجی حکومت آئی تو پرویز مشرف کے دور میں ڈالر 60 روپے ہی رہا۔ ملک کی معیشت بہتر ہو رہی تھی گیس، بجلی سب دستیاب تھیں پھر عدلیہ سے پنگا انہیں مہنگا پڑا۔ وکلاء تحریک نے زور پکڑا اور پھر پرویز مشرف کو پاک سرزمین شاد باد کے ترانے سے رخصت ہونا پڑا اور پھر پی پی پی کی حکومت چوتھی بار اقتدار میں آئی تو پھر دنیا بھر میں ڈالر دیگر کرنسیوں سے نیچے آ گیا مگر واحد پاکستان میں بڑھتے بڑھتے اب 94 روپے یعنی 60 فیصد تک ہمارے روپے کی قدر کو گھٹا گیا اب جو مال بھی باہر سے منگوایا جاتا ہے تو یہی حکومت 94 روپے پر سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس، سینٹرل ایکسائز، سرچارج وغیرہ وغیرہ شامل کر کے 1 ڈالر 130 روپے میں جا کر پڑتا ہے۔ گویا اس بھیانک مہنگائی کی ذمہ دار ہماری وزارت خزانہ ہے جو چھپ کر خاموشی سے اپنا کام دکھا رہی ہے اور ہمارے وزیر خزانہ جو خود بلا ٹیکس ادا کیئے ڈالروں میں تنخواہ وصول کر رہے ہیں عوام کو مہنگائی سہنے کا درس دیتے رہتے ہیں۔ اول تو کوئی وزیر خزانہ بننے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتا مگر پی پی پی باہر سے کسی کو پکڑ کر لاتی ہے مگر وہ بھی رسی تڑا کر بھاگنے کو غنیمت جانتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ ایک نہ ایک دن عوام سڑکوں پر آئیں گے تو اس کی سب سے پہلے خبر لیں گے۔ وزیر اعظم تو عدلیہ کو پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ہم کو اگر نکالا تو ہم عوام کی عدالت میں جائینگے اور پھر 5 سال کے لئے آ جائینگے۔ اللہ جانے اس وقت عوام کا موڈ کیسا ہوگا اس کی کوئی پیشن گوئی نہیں کی جا سکتی کیونکہ فی الحال حکومت، عدلیہ اور فوج معہ حزب اختلاف ترازو کے ایک پلڑے میں اکٹھے جمع نظر آتے ہیں تو دوسرے پلڑے میں اکیلی عوام ڈری سہمی بیٹھی ہے مہنگائی کا سمندر کب پھٹتا ہے سب اس سے غافل ہیں۔ البتہ ہمارے نوجوان جو عمران خان کے ارد گرد جمع ہوئے تھے اور ان کو آخر تنکے کا سہارا سمجھتے تھے۔ تحریک انصاف میں چلے ہوئے کارتوسوں کی آماجگاہ بن جانے سے وہ پھر مایوس

ہو رہے ہیں اور جس سونامی کا انتظار کر رہے تھے وہ اب جھاگوں میں آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہا ہے۔ قوم دیکھ رہی ہے کہ عوام مشکل میں ہے اور مشکل کشا ہیرون ممالک کے دوروں پر ہیں اور سیر کر رہے ہیں۔ ہمارا میڈیا ان ہی سیاستدانوں کو اپنے اپنے چینلز پر بلا کر ملا کھڑے اور مذاکرے کرا کر عوام کو گمراہ کر رہا ہے۔ مگر اللہ جانے اس گرمی میں بھی عوام ٹھنڈے بیٹھے اپنی تقدیر بدلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

﴿ باقی سب خیریت ہے ﴾

پاکستانی عوام کو ہر آنے والا مسیحا لگتا ہے۔ایوب خان کا مارشل لاء لگا تو عوام سمجھے کہ یہی ہمارا مسیحا ہے ان سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کرلیں اور سمجھے کہ ایبڈو کا قانون آگیا۔اب تمام بدعنوان سیاستدانوں سے جان چھوٹ جائے گی مگر صرف ایک سال کے بعد یہی سیاستدان بھیس بدل کر ایوب خان کے ساتھ مل گئے حالانکہ ایوب خان کے 8 سالہ دور میں بہت سی نئی صنعتیں لگائی گئیں اور ان ہی کی وجہ سے پاکستانی معیشت کو استحکام ملا جس پر پاکستان آج تک چل رہا ہے۔پھر قوم ایوب خان سے بے زار ہو کر سڑکوں پر آگئی، یحیٰی خان نے قوم کو تسلی دی اور عوام سمجھی کہ یہی ہمارا مسیحا ہے۔ چند سال بعد لوگ اس سے بے زار ہونے لگے پھر جنگ چھڑ گئی ملک آدھا ہو گیا ،قوم ڈر گئی سیاستدانوں کو پھر فوج سے چھٹکارا ملا۔اس آدھے ملک پر ذوالفقار علی بھٹو چھا گئے نئے نئے تجربات شروع ہوئے راتوں رات صنعتی ادارے صنعتکاروں سے چھین کر نیشنلائز کر دیئے گئے۔یاد رہے ہر جگہ دنیا میں غیر ملکی ادارے قومی تحویل میں لیے جاتے ہیں مگر ہم نے انوکھا فارمولہ نکالا غیر ملکی اداروں کو ہاتھ تک نہیں لگایا خود اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری، نتیجہ یہ نکلا کہ بڑی بڑی صنعتیں حکومت کی تحویل میں جا کر بیمار صنعتیں ہو گئیں۔نئے نئے لیبر قوانین صنعتکاروں پر لاگو کر دیئے گئے ،مزدور روٹی، کپڑا اور مکان کی آڑ میں فیکٹریوں کے مالکوں سے الجھا دیئے گئے۔نئی صنعتیں لگنا بند ہو گئیں جب تک پی پی پی کا پہلا دور رہا لوگ نئی صنعتیں لگانے سے دور رہے بلکہ متعدد صنعتکار خلیجی ریاستوں میں چلے گئے۔جہاں نہ کوئی ٹیکس تھا نہ کوئی لیبر قوانین کا فتنہ۔جب صنعتیں بند ہونا شروع ہوئیں تو ہمارا مزدور باہر چلا گیا، ہماری معیشت کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ہمارے پڑوسی ملک میں تو دن رات صنعتوں کا جال پھیل رہا تھا۔ہم ڈمل روٹی اور مکھن امپورٹ کر رہے تھے۔

قوم پھر بے زار ہوئی کیونکہ سوشلزم کا نعرہ کھوکھلا نکلا، مسیحا جسے سمجھا وہ ہی عوام کو روٹی نہ دے سکا،

مکان تو کجا کپڑا بھی عوام کا اتار لیا گیا۔ایسی مہنگائی ہوئی کہ عوام کی چیخیں نکل گئیں۔4 روپے 75 پیسے کا ڈالر مارکیٹ میں تین گناہ ہو گیا بھلا 14 روپے کا ڈالر لے کر ہم عوام کو کیسے سستے داموں روزمرہ کی چیزیں فراہم کر سکتے تھے۔ایک نعرہ پھر بلند ہوا نظامِ مصطفیٰ کا۔لوگ پھر اس کو مسیحا سمجھ کر ان ہی سیاستدانوں کے پیچھے چل پڑے۔جلسے جلوسوں کے بہت سے مقابلے ہوئے، گھمسان کی جنگ ہوئی، انتخابات میں زبردست دھاندلی ہی نہیں بلکہ بقول شخصے، "دھاندلہ" ہوا عوام بھی سڑکوں پر آگئے تھے۔پھر مارشل لاء لگا ہم پھر ضیاء الحق کو مسیحا سمجھ کر ان کے پیچھے چل پڑے۔اسلام آباد سے اسلامائیزیشن کا عمل شروع کیا گیا، ٹی وی سے پردہ اور اسلام اسلام کا ورد شروع کیا گیا، گانے بجانے ختم کر دیئے گئے، طبلا، سارنگی غلافوں میں لپیٹ دیئے گئے مگر عوام کا مسئلہ حل کرنے کے لئے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کیے گئے۔عوام غریب سے غریب تر اور امیر امیر سے امیر تر ہوتے گئے۔ضیاء الحق نے فوج کے ساتھ ساتھ علماء، سیاستدانوں کو ساتھ ملا کر 11 سال تک عوام کو بیوقوف بنایا پھر ایک دن وہ ہی ہوا جہاز پھٹا ضیاء الحق اللہ کو پیارے ہو گئے۔پھر الیکشن ہوئے وہ ہی سیاستدان میدان میں آگئے۔1988ء سے 12 اکتوبر 1999ء تک عوام کو ٹیبل ٹینس کے بال کی طرح ایک کورٹ سے دوسرے کورٹ میں پھینکتے رہے پھر ایک زبردست دھماکہ ہوا۔اب کہ جہاز پھٹا نہیں صحیح سلامت زمین پر اتر آیا لوگوں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ جمہوریت ہمیں راس ہی نہیں آتی۔فوج نے ایک بار پھر اقتدار سنبھالا ہر طرف سے خوش آمدید کا غلغلا بلند ہوا قوم نے لٹیروں اور سیاستدانوں سے جان چھوٹنے پر ایک مرتبہ پھر سکون کا سانس لیا۔اتنی بڑی تمہید لکھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری قوم 52 سال سے ہر ایک مسیحا سے مایوس ہو چکی تھی اور دھوکہ کھا چکی تھی۔پھر جنرل پرویز مشرف صاحب چلے آئے قوم نے جنرل کا استقبال اسی امید پر کیا تھا کہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھیں گے، ہمارے مسائل حل کریں گے مگر وہ بھی 10 سال گزار کر اقتدار پیپلز پارٹی کے حوالے

کر کے چلے گئے۔عوام کے مسائل جوں کے توں ہی رہے۔وہی ٹوٹی پھوٹی سڑکیں ہیں،بجلی اسی طرح آجارہی ہے،اسی طرح پانی کا ناغہ ہوتا ہے،سرکاری دفتروں میں کام نہ ہونے کے برابر ہے، رشوت کے بغیر کام کرانے کا تصور اب بھی نہیں ہے۔شروع شروع میں سرکاری ملازمین فوج کے ڈر سے رشوت لینے میں جھجکتے ضرور تھے مگر اب وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہورہا ہے۔کوئی نئی صنعت نہیں لگ رہی ہے۔ڈالر 60 روپے سے 92 روپے تک پہنچ چکا ہے،پیٹرول،گیس بھی 100 روپے سے تجاوز کر چکے ہیں مہنگائی عروج پر ہے تو ساتھ ساتھ بیروزگاری بھی بڑھ رہی ہے،دہشت گردی کی لہر پھر اٹھ رہی ہے۔ڈکیتیاں،دن دھاڑے گاڑی چھیننے کے واقعات اسی طرح عام ہورہے ہیں۔ عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے کوئی پیش رفت نہیں ہورہی ہے معیشت کا وہی حال ہے کہ ایک دیہاتی نے جس کا باپ بیرون ملک گیا تھا اپنے باپ کو ایک خط لکھا "ابا جی اس سال بارش نہیں ہوئی ،کھیت سوکھ گئے باقی سب خیریت ہے،اماں بیماری سے چل بسیں باقی سب خیریت ہے،گھر میں کھانا پکے دو دن ہوگئے۔باقی سب خیریت ہے۔گاؤں میں ہیضہ پھیل گیا جس سے لوگ مر رہے ہیں،باقی سب خیریت ہے۔رقم فوراً بھیجیں باقی سب خیریت ہے۔امریکہ اور بھارت ہمیں دھمکا رہے ہیں باقی سب خیریت ہے،سیاستدانوں کو اپنے کیئے کی سزا ملنی شروع ہوگئیں باقی سب خیریت ہے۔میرا کالم بھی ختم ہورہا ہے باقی سب خیریت ہے۔خدا کے لئے عوام کے مسائل کے حل کے لئے کوئی اچھے سے پیکیج کا اعلان کیا جائے ورنہ سب یہی کہیں گے کہ باقی سب خیریت ہے۔

ہماری معیشت کی تباہی میں سب سے بڑا المیہ گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ ہے جس کی وجہ سے 90 فیصد پاکستان سے ٹیکسٹائل کی فیکٹریاں بنگلہ دیش منتقل ہوگئی ہیں اور پاکستان اربوں روپے کے زرمبادلہ سے محروم ہوگیا ہے اور یہی صنعتکار بنگلہ دیش میں سستی زمینیں اور سستی بجلی لے کر فیکٹریاں

لگا رہے ہیں۔ہمارے حکمرانوں کو فیکٹریاں لگانا تو درکنار رشوت اور کرپشن سے ہی فرصت نہیں ہے، روزانہ اربوں کھربوں کے کرپشن کے کیس آرہے ہیں اور ان کے پیچھے بڑے بڑے نام سننے میں آرہے ہیں۔ہماری عدلیہ ان کو سزائیں دلوانا چاہتی ہے مگر ان مگرمچھوں کے منہ اتنے بڑے ہیں کہ ان سب پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی ہمت ہی نہیں کرسکتا تاکہ ان کو سزائیں ہوسکیں۔

﴿ کیا کبھی اس طرف بھی کسی نے سوچا؟ ﴾

پہلے ہمارے معزز قارئین خطوط لکھ کر اپنی پسند ناپسند کا اظہار کرتے تھے اب ان خطوط کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اکثر قارئین ای میلز بھیج کر اس کو اپنا چکے ہیں اور جن صاحبان کے پاس ہمارے نمبر ہوتے ہیں وہ موبائل کا فائدہ اٹھا کر باتیں کرتے ہیں یا پھر ایس ایم ایس کر کے اپنے اور ہمارے قیمتی وقت کے ساتھ ساتھ اپنے پیسے بھی بچا لیتے ہیں اور اپنا فرض بھی ادا کر دیتے ہیں۔ آج ایسا ہی ایک ایس ایم ایس میرے گم نام قاری نے بھیجا، لکھتے ہیں کہ آج ایک سوال ہر محب وطن پاکستانی کے دماغوں میں چبھ رہا ہے کہ فوجی حکومت کے دور میں اس کا اشارہ پرویز مشرف کی طرف ہے ہمارے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب نے صرف ایک اسکینڈل کی روک تھام یعنی پاکستان اسٹیل ملز کا سودا جو در پردہ ایک بھارتی نژاد اسٹیل کنگ کے ہاتھ فروخت کر کے بجکاری کی گئی تھی منسوخ کر دیا تھا جس کا وزیر اعظم جناب شوکت عزیز نے بہت برا منایا تھا اور انکی شکایات صدر پرویز مشرف صاحب سے کر کے چیف جسٹس صاحب کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا تھا مگر انہوں نے جرأت دکھائی اور ایوان صدر سے بغیر مستعفی ہوئے جھنڈا اتری گاڑی لے کر گھر آ کر سخت ناراضگی کا اظہار کیا جس سے وکلا برادری نے خصوصاً اعتزاز احسن نے ان کا ساتھ دیا اور سابق صدر کے خلاف تحریک چلائی۔ تحریک نے طول پکڑا اور عدلیہ کے دیگر ججز نے متحد ہو کر اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ آخر کار مضبوط ترین حکومت ملبہ کا ڈھیر بن گئی اور نہ صرف صدر مشرف کو اقتدار چھوڑنا پڑا بلکہ ملک بدر بھی ہونا پڑا۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو مزید پانچ سال کے لئے صدر چوہدری برادران کے کندھوں پر بیٹھ کر بنوا چکے تھے۔ چیف جسٹس صاحب اگرچہ معزول ہی رہے اور جب نئی حکومت پی پی پی کو ملی تو چیف جسٹس کو بحال کر دیا گیا پھر آج ان کی سربراہی اور جمہوری حکومت کو 5 سال ہونے کو آ رہے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس جمہوری حکومت کو ہاتھوں ہاتھ لے کر NRO کیس کھول ڈالا کہ

مشرف حکومت نے در پردہ بے نظیر صاحبہ سے مل کر ان کے ماضی کے تمام گناہ معاف کر کے انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت کیوں دی۔ پھر سوئس بنک کیس کھولا۔ بنک آف پنجاب اسکینڈل بے نقاب کیا جس میں در پردہ وزیر اعظم کے بیٹے کا نام تھا اور مرکزی کردار سابق وزیر اعلیٰ پنجاب کے بیٹے مونس الٰہی کا نام تھا جو بعد میں بے گناہ ثابت ہو کر لندن میں آرام کر رہے ہیں اور پرویز الٰہی سینئر وزیر کا عہدہ سنبھال چکے ہیں۔ پی آئی اے میں اربوں روپے کے گھپلے کی وجہ سے اس وقت کے چیئرمین اعجاز ہارون مستعفی ہو چکے ہیں۔ ریلوے کے اربوں روپے کے گھپلے نمایاں ہو کر عوام اور میڈیا سے بے نقاب ہوئے پھر چیف جسٹس صاحب ہی نے حج اسکینڈل کو بے نقاب کیا جس میں وزیر اعظم کے صاحبزادے ملوث تھے جبکہ ان کے وزیر مذہبی امور کا بھی نام تھا وہ ابھی تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنی قسمت کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ ایف آئی اے ان کو اب بے قصور ثابت کر کے وزیر اعظم کے بیٹے کا نام بھی اس اسکینڈل سے نکالنے میں کافی حد تک کامیاب ہو چکی ہے پھر گیس اور پیٹرولیم کا اسکینڈل سامنے آیا پھر مشہور زمانہ میمو کیس اسکینڈل راتوں رات میڈیا کی زینت بنا۔ ہمارے امریکہ میں متعین سفیر حسین حقانی کو پاکستان لایا گیا پھر ان کو مستعفی ہونا پڑا پھر وزیر اعظم کے خلاف سوئس بنک کو خط نہ لکھنے پر عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد نہ کرنے پر توہین عدالت کا نوٹس دیا گیا اور پھر اس میں بار اعوان کو عدالت اور عدلیہ کا مذاق اڑانے پر توہین عدالت کے مقدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ انہوں نے تحریری طور پر معافی طلب کر لی ہے پھر ایسا ہی اربوں کھربوں کا NLC اسکینڈل عدالت میں التوا کا شکار ہے۔ کراچی اور کوئٹہ میں قتل و غارت کے خلاف عدلیہ کے احکامات پر عمل درآمد آج تک نہیں ہو سکا۔ بجلی کا بحران ختم کرنے کے لئے کھربوں روپے کا رینٹل پاور اسکینڈل بھی چیف جسٹس صاحب کی عدالت میں چل رہا ہے۔

اعتزاز احسن آج حکومت کا کیس لڑ رہے ہیں پہلے وہ کہہ چکے تھے کہ چیف جسٹس کی عدالت میں

نہیں جائینگے مگر سینیٹر بننے کے بعد اب وہ سپریم کورٹ میں عجیب رویہ اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ پہلے انہوں نے کہا کہ سوئس بنک کو خط لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر ان کے مؤقف میں تبدیلی آچکی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت لینا چاہتے ہیں تا کہ مقدمہ کو طول دے سکیں۔ وزیراعظم کی توہین عدالت کو پارلیمنٹ سے نامنظور کروا کے عدلیہ اور پارلیمنٹ کی نئی جنگ کرانا چاہتے ہیں۔ ایک طرف عدلیہ کو منفی ریمارکس دے کر مشتعل کرتے ہیں تو دوسری طرف میڈیا پر بھی برستے ہیں۔ ابھی یہ محاذ آرائی جاری تھی کہ وزیراعظم کے دوسرے صاحبزادے مونس گیلانی کا بھی منشیات کا کوٹہ جو پورے پاکستان کی 500 ادویات سازوں کے لئے تھا ملتان کی 2 نامعلوم غیر معروف کمپنیوں کو دے کر اربوں کا فائدہ اٹھا کر ہنی مون منانے یورپ چلے گئے۔ نیب ان کے پیچھے پڑی ہے یہ نارکوٹک کیمیکل جو کھانسی کے شربت اور دمہ کے مریضوں کے لئے یعنی "ایفیڈرین" کے نام سے استعمال ہوتی ہے بین الاقوامی طور پر اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اس سے ایک نئی دریافت کوئی ایس ٹی اے نوجوانوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کی ایک گولی 200 روپے میں ملتی ہے 10 ہزار کلو سے کروڑوں گولیاں بن کر پاکستان اور دیگر ممالک میں فروخت کی جائینگی۔ اس کے برعکس اس سال سردیوں میں اکثر کھانسی کے شربت نہیں بن سکیں گے۔ 6 ماہ سے یہ کیمیکل کے کوٹے التوا میں پڑے ہیں مگر ایسے کئی اسکینڈلز پنجاب حکومت سے منسوب ہوئے، مثلاً روٹی اسکیم میں کھربوں روپے کا اسکینڈل اور لیپ ٹاپ تقسیم میں بھی ایسی کرپشن ہوئی مگر عدلیہ نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔ عوام جاننا چاہتی ہے کہ ان 5 سالوں میں صرف حکومت کے خلاف اسکینڈلوں کے بے نقاب کرنے سے عوام کو کیا فائدہ ہوا، اگر کسی میں سزا ہوئی تو حکومت نے عمل درآمد نہیں کیا مگر اکثر مقدموں کا تو فیصلہ بھی نہیں ہوا، صرف شور شرابہ ہوتا رہا جبکہ لاکھوں عوامی مقدمات کی طرف عدلیہ نے آج تک کوئی توجہ نہیں دی وہ 10 دس اور 20 بیس سالوں سے التوا کے شکار ہیں۔ کہیں جج نہیں ہیں تو کہیں وکلاء

ہڑتالیں کر کے وقت ضائع کرتے ہیں۔ آخر 17 کروڑ عوام کی مشکلات، مسائل، مہنگائی، دہشت گردی، لوڈشیڈنگ ان کے خلاف عدلیہ کب سوموٹو ایکشن لے گی یا پھر سب عوامی صبر کے پیمانے کو انقلاب لانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ملک کا کیا جغرافیہ بنے گا۔ کیا ہمارے ذمہ داروں، حکومت کے رکھوالوں، سیاستدانوں، حزب اختلاف افواج پاکستان نے اس طرف بھی سوچا کبھی؟ اور کیا یہ سب ٹوپی ڈرامہ ہے اور عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے سب مل کر رچا رہے اور گھر بیٹھے اپنا اپنا حصہ وصول کر رہے ہیں؟

﴿ مختصر ترین کالم ﴾

بچپن میں والد صاحب (مرحوم) نے ایک نواب صاحب جو کسی ریاست سے تعلق رکھتے تھے، ریاست کا نام اب مجھے یاد نہیں آرہا کا ایک واقعہ سنایا تھا وہ قارئین کی نظر کر رہا ہوں۔

واقعہ ایسا تھا کہ نواب صاحب کو ہاتھی کی سواری کا بہت شوق تھا اور وہ روز اس پر سوار ہو کر دہلی شہر میں اپنی شان دکھانے کے لئے گھومتے تھے۔ جس سے جگہ جگہ انہیں دیکھنے کے لئے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے تھے، بچے تو غالباً ہاتھی کو دیکھنے میں محو ہوتے تھے اور اُس کے پیچھے میلوں نکل جاتے تھے البتہ بڑے بزرگ فرماتے تھے کہ کیا شان ہے نواب صاحب کی۔ دہلی کی انتظامیہ کو (اس زمانے میں انگریزوں کی حکومت ہوتی تھی) خدشہ ہوا اگر ان نواب صاحب کی دیکھا دیکھی دیگر امراء یا نوابین بھی اسی طرح شہر میں گھومتے رہے تو شہر میں ٹریفک کے نظام میں خلل آئے گا تو دہلی شہر میں ہاتھی کی سواری پر پابندی لگا دی۔ مگر نواب صاحب اپنی شان و شوکت دکھانے سے باز نہیں آئے اور وہ اسی طرح ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں گھومنے نکلے۔ سنتریوں (پولیس والوں) نے نواب صاحب کو روکا اور بتایا کہ ہاتھی پر سواری کرنا خلافِ قانون ہے مگر نواب صاحب نہیں مانے تو سنتریوں نے ان کا چالان کر دیا۔ نواب صاحب عدالت کا سمن ملنے کے بعد مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوئے مجسٹریٹ نے پوچھا کہ کیا آپ نے قانون کی خلاف ورزی کر کے ہاتھی کی سواری کی ہے، نواب صاحب نے کہا جی ہاں میں نے شہر میں ہاتھی کی سواری کی ہے۔ مجسٹریٹ نے نواب صاحب کا درجہ دیکھتے ہوئے 10 روپیہ جرمانہ کر دیا اس زمانے میں 10 روپے ایک پڑھے لکھے شخص کی ایک ماہ کی تنخواہ ہوتی تھی۔ نواب صاحب نے فوراً 10 روپے اپنے منشی سے سرکاری خزانے میں جمع کروا دیئے پھر دوسرے دن پھر اسی طرح اسی شان سے ہاتھی پر سوار ہو کر دہلی شہر کی ہوا خوری کو نکل پڑے پھر شہر کوتوال (تھانے دار) نے نواب صاحب کو روکا مگر نواب صاحب نہیں رکے تو اس نے چالان کر دیا

۔پھر مجسٹریٹ نے دیکھا نواب صاحب باز نہیں آئے تو اس نے اس مرتبہ نواب صاحب کو ڈرانے کے لئے 100 روپے جرمانہ کر دیا، نواب صاحب نے بلا چوں چرا اں اپنے منشی کو حکم دیا 100 روپے سرکاری خزانے میں جمع کرا دو۔ اسی طرح تیسرے دن بھی ہاتھی پر سوار شہر میں گھومنے اسی شانِ بے نیازی سے آنکلے۔ الغرض پھر چالان ہوا مجسٹریٹ نے اس وقت کے لحاظ سے ناقابلِ برداشت 1000 روپے جرمانہ کر دیا اور سوچا کہ اب تو نواب صاحب کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا مگر نواب صاحب کی تیوری پر کوئی بل نہیں آیا فوراً منشی کو حویلی سے 1000 روپے منگوا کر سرکاری خزانے میں جمع کروا دیئے کیونکہ ہاتھی کی سواری پر کوئی قید کی سزا نہیں تھی تو مجسٹریٹ بھی مجبور تھا۔ اب نواب صاحب کی شہرت، عزت اور دولت کے چرچے دہلی شہر میں ہونے لگے نواب صاحب پھر بھی باز نہیں آئے۔ چوتھے دن پھر دہلی شہر میں اسی شان سے گھومنے نکلے پھر چالان ہوا مجسٹریٹ کو بہت تعجب ہوا کہ نواب صاحب کو اتنے بڑے جرمانے کا کوئی اثر نہیں اس بار اس نے بہت سوچ بچار کر کے صرف 1 پیسہ جرمانے کر دیا۔ اب نواب صاحب کا غصے سے چہرہ سرخ ہو گیا انہوں نے منشی کی طرف غصے سے دیکھا۔ 1 پیسہ جمع کرا کر حویلی جانے کا حکم دیا حویلی پہنچ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اپنی ریاستی پسٹل نکالی اور باہر آکر ہاتھی کو شوٹ کر دیا اور پھر کبھی باہر نہیں نکلے۔ یار دوستوں نے پوچھا نواب صاحب آپ نے ہاتھی کو کیوں شوٹ کیا اور اب آپ باہر سیر کو کیوں نہیں جاتے۔ نواب صاحب نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا کہ اس ہاتھی کی وجہ سے ہم ذلیل و خوار ہو گئے ہم کو مجسٹریٹ نے نواب سمجھنے کے بجائے فقیر سمجھ کر 1 پیسہ جرمانہ کر دیا جو ہمارے منصب کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اب ہم کس منہ سے لوگوں کا سامنا کریں گے۔ ایسا ہی آج تقریباً 50 سال بعد راقم کو ہمارے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی سپریم کورٹ کی 7 رکنی بینچ کی طرف سے تابرخواستِ عدالت سزا پر یہ پرانا واقعہ یاد آگیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے 12 فروری 2012ء کو الجزیرہ ٹی وی کو دیئے گئے

انٹرویو کا پاس رکھتے ہوئے جوانہوں نے فرمایا تھا کہ اگر سپریم کورٹ نے انہیں سزا دے دی تو وہ اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دینگے اور عوام اور حزب اختلاف کو ہنسے کا موقع نہیں دینگے۔ یہاں میں اپنا مختصر ترین کالم اپنے قارئین، ناقدین اور وزیر اعظم صاحب کے حمایتوں پر چھوڑتا ہوں وہ ماضی اور آج کے نوابوں کا موازنہ کریں اور خود فیصلہ کریں کہ وزیر اعظم جیسے مرتبہ پر فائز کو کیا کرنا چاہئے تھا؟

﴿ پیٹرول کا مصنوعی بحران ﴾

پوری دنیا میں آج کل پیٹرول کی قیمتیں بڑھ کر 1975ء کے عالمی بحران تک جا پہنچی ہیں۔ یورپ، امریکہ میں تو شاید پیٹرول کے ذخائر بہت کم سطح تک گر چکے ہیں کیونکہ یہ بہت زیادہ اسٹاک کر لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ ممالک اپنے ذخائر کافی حد تک بہتر بنا لیتے ہیں مگر اس سال ان ممالک کو کافی تشویش ہے کہ کہیں پیٹرول کی مانگ وہ پوری نہیں کر سکیں۔ اسی وجہ سے ان ممالک کا دباؤ خلیجی ممالک کی طرف بڑھ چکا ہے وہ ان پر دباؤ بھی نہیں ڈال سکتے کیونکہ خود انہوں نے مل کر ان خلیجی ممالک کی پیداوار پر پابندی لگا رکھی ہے۔ حالانکہ خود ان کی پیداوار پر اجارہ داری بھی ہے۔ خود امریکہ اپنی کھپت کا بیشتر حصہ اپنے ملک میں پیدا کر لیتا ہے بقایا خلیجی ممالک جس میں سعودی عرب، کویت، امارات، بحرین شامل ہیں وہاں سے پوری کرتا ہے۔ وہاں بھی ان کی اپنی اجارہ داری قائم ہیں اور وہ خود تیل نکال کر اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے اور اس کے بیشتر منافع پر اس کا کنٹرول ہے۔ یہ خلیجی ممالک دنیا کی ضرورت کا بیشتر حصہ پیدا کرتے ہیں مگر خود ان کو اس کی اصل قیمت نہیں ملتی۔ پہلی مرتبہ 1975ء میں خود خلیجی ممالک نے اس تیل کی قیمت منوانے میں کافی زور لگایا تو قیمتیں تو بڑھ گئیں مگر پوری دنیا تیل کی سپلائی میں کمی کا شکار ہو گئی تو اس سے افراتفری پھیل گئی۔ تیل کی زبردست کمی (Shortage) ہو گئی، پیٹرول کا نظام درہم برہم ہو گیا مگر عالمی دنیا میں قیمتوں اور سپلائی کو خوب اچھالا اور اسی کی آڑ میں تمام اشیا جس میں کیمیکل، ادویات، پلاسٹیکل، پیپر، سیمنٹ اور تمام بنیادی صنعتوں میں زبردست اضافہ کا رجحان ہوا جو آج تک برقرار ہے۔ تمام کرنسیوں میں ایسا انقلاب آیا جو آج تک برقرار ہے۔ پسماندہ ممالک اس کی دسترس سے باہر نہیں آ سکے اس عظیم الشان نظام نے پوری دنیا کو تو اتنا نہیں متاثر کیا مگر غریب ممالک کی کرنسیوں کو زمین بوس کر دیا۔ مغربی اور امریکن کرنسیاں بے تحاشہ اوپر جاتی رہیں اور کسی کسی کرنسی کی قیمت تو 10 سے 20 گنا

تک بڑھ گئی۔ پاکستان جیسا غریب ملک 1975ء سے آج تک اپنی قیمت نہیں روک سکا۔ ڈالر 11 روپے سے بڑھ کر آج 92 روپے تک جا چکا ہے۔ ہماری عوام کو پیٹرول کے بڑھنے اور گھٹنے سے آج تک کوئی فائدہ نہیں دیا گیا۔ اگر پیٹرول کی عالمی قیمتیں کم ہوگئی تو بھی ہماری حکومت نے پیٹرول کی قیمت کم نہیں کی مگر قیمتیں بڑھیں تو دوسرے دن ہماری حکومت نے نئے بجٹ کی شکل میں قیمت بڑھادی۔

یہ کیسا انصاف ہے کوئی بھی آج تک یہ نہیں جان سکا کہ مشرقی پاکستان کے سیلاب پر لگنے والا امدادی ٹیکس ہماری قوم کیوں ادا کر رہی ہے۔ کیا کسی نے یہ پوچھا کہ ہمارے ملک میں تو اب پیٹرول پیدا ہو رہا ہے تو ہمارے ملک میں اتنی قیمت کیوں زیادہ ہے۔ خود ایران کا پیٹرول ایرانی سرحدوں پر صرف 20 روپے فی لیٹر کیوں مل رہا ہے، خود سعودی حکومت آج بھی 11 روپے فی لیٹر پیٹرول اپنے ملک میں اپنے عوام کو دے رہی ہے۔ ہمارے ملک میں 103 روپے تو آج مل رہا ہے کل کتنے میں ملے گا اور کب ہماری قوم ملک میں پیدا ہونے والے تیل سے فائدہ اٹھائے گی یہ کسی کو نہیں معلوم۔ یورپ اور امریکہ میں اس وقت بھی پیٹرول ہمارے ملک سے کم قیمت پر دستیاب ہے، ہماری حکومت شور مچا رہی ہے کہ دنیا میں پیٹرول کی قیمتیں بہت بڑھ چکی ہیں اس لئے ہم بھی قیمتیں بڑھانے پر مجبور ہیں۔ اگر ہم موازنہ کریں اور قیمتیں بڑھا کر دیکھیں تو قیمتیں اتنی نہیں بڑھیں مگر ٹیکس ، ایکسائز، سیلز ٹیکس اتنا زیادہ ہے کہ ہماری قوم اتنے بھاری بوجھ تلے دبتی چلی جا رہی ہے۔ حال ہی میں ہمارے وزیر پیٹرولیم ڈاکٹر عاصم حسین نے فرمایا کہ ہم کو تمام صوبوں کو بھی بھاری منافع دینا پڑتا ہے۔ مگر اس غریب قوم کو ان بھاری ٹیکسوں سے کیا سروکار ہے جو ادا کرے۔ اس کو کیا مل رہا ہے کل جب تیل کی قیمتیں پھر گر جائینگی تو کیا ہمارے یہاں بھی قیمتیں کم کر دی جائینگی۔ ہمارے ملک میں تیل زیادہ نکلا تو ہم نے کیا اس کو قوم کے مفادات کی خاطر کم قیمت کیا۔ ہم جمہوریت اور دوسری

باتیں کرتے ہیں ہماری حکومت کے لئے یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ پیٹرول مہنگا ہو گیا ہے۔ مگر کیا ہمارے اپنے پیٹرول کے ذخائر کا کسی بھی حکومت نے تجزیہ کیا ہے کہ اگر ہم خود ان ذخائر کو زمین سے باہر نکالیں تو ہمارا ملک پیٹرول اور دوسری معدنیات میں خود کفیل ہو سکتا ہے۔ اگر پیٹرول کے دام بڑھے تو گیس تو ہماری اپنی ہے، بجلی تو ہم خود پیدا کر رہے ہیں، لیبر تو اتنی سستی ہے کہ ہم دنیا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم صرف اور صرف خود غرضی (Selfishness) کی طرف جا رہے ہیں۔ پوری دنیا اپنی کرنسی کو اتنا بڑھانا چاہ رہی ہے کہ پسماندہ ممالک کل بھی غریب رہے، صرف آئی ایم ایف، ورلڈ بنک اور دوسرے امداد دینے والے ممالک کو سوچنا چاہئے کہ اگر یہ ممالک غربت کے اندھیروں سے نہیں نکلے تو کل کون ان سے امداد لے گا، کون ان کو سود دے گا، کون ان کی معیشت کو مضبوط کرے گا یہ خود ان کو سوچنا ہوگا، یہ خود ان کے لئے بہتر ہے کیونکہ پیٹرول کا کنٹرول اور قیمتیں قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔ اب تو پیٹرول کی آڑ میں ہماری قومی پیداوار گیس کی قیمتیں بھی اس کے برابر لائی جا چکی ہیں اور ہر ہفتے بجلی کے نرخ بھی اس کے حساب سے بڑھا بڑھا کر ہر چیز مہنگی کی جا چکی ہے۔ ہماری عوام اب تو صبر و شکر کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی، ملک میں سیاسی کھیل ہر سطح پر جاری ہے۔ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کب تک جاری رہے گا۔ کیا ہمارے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو پیٹرول، گیس، ڈیزل کی مہنگائی پر کوئی تشویش نہیں ہوئی؟

﴿گھوڑے سے اُترنے کا اسٹائل﴾

2 ہفتے قبل راقم نے اپنے کالم میں سپریم کورٹ سے وزیرِ اعظم یوسف رضا گیلانی صاحب کو جس میں تا برخاستِ عدالت نے سزا سنائی تھی۔ ایک دلّی کے جدی نواب کا اصلی واقعہ لکھا تھا جس میں نواب صاحب نے اپنے چہیتے ہاتھی کو جس پر اُن کو بڑا ناز تھا اور جس کی سواری کر کے وہ دلی کے بازار کی سیر کرتے تھے۔ صرف اپنی انا کی خاطر اس ہاتھی کو شوٹ کر ڈالا تھا جس کی وجہ سے اُن کی سبکی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا وزیرِ اعظم کو چاہیے تھا کہ وہ عدالت سے قصرِ صدارت میں آ کر صدر صاحب کو اپنا استعفیٰ دے دیتے اور پھر فیصلہ آنے پر اپنی صفائی اُسی عدلیہ میں پیش کرتے تو قوم اُن کو اپنی آنکھوں پہ بٹھاتی۔ پوری دنیا میں پاکستان کا نام روشن ہوتا اور ہمارے سیاسی معاشرے میں جہاں بے حسی کا دور دورہ ہے ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا اور کم از کم 100 سال تک اس کو "کوڈ" کیا جاتا۔ مگر جب تفصیلی فیصلہ آیا تو وزیرِ اعظم صاحب کے حواریوں نے عدلیہ کو زبردست تنقید کا نشانہ بنانا اپنا فرض سمجھ کر نادانی کا مظاہرہ کر دیا اور اب تمام وزراء انگریزی کی مثال بادشاہ سے زیادہ بادشاہ کے مصاحب بننے کی بھرپور کوشش شروع کر رہے ہیں کہ کہیں ہم کسی سے پیچھے نہیں رہیں یا پھر جی حضوری میں کوئی اُن سے آگے نہ نکل جائے زبردست دوڑ لگائی ہوئی ہے۔ اخبارات کے صفحے نام بنام بھرے پڑے ہیں جبکہ عوام اور میڈیا تلملا کر اپنے سر دھن رہی ہیں کہ اس ملک میں جہاں ہر چیز زوال پذیر ہے ایک عدلیہ کا وقار باقی تھا اُس کو بھی سرِ بازار لا کر خلیل جبران کی روح کو اذیت دیکر اُس کے اقوال کو پوری طرح جھوٹا ثابت کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی۔ یہ صحیح ہے کہ اس عدالت کے فیصلے پر وزیرِ اعظم کو 100 فیصد اختلاف کرنے کا حق ہے اور وہ اس فیصلے سے اختلاف کر کے اس سے بڑی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور اپنا مدعا پیش کریں جیسا کہ صدر آصف علی زرداری صاحب نے فرمایا کہ اپیل کے فیصلے کے بعد وزیرِ اعظم کا فیصلہ ہوگا مگر ہمارے میڈیا نے اس واقعہ کو

اتنا اُچھالا ہے کہ اب خود اُس کو لگام نہیں لگا سکتے اور پی پی والے ہٹ دھرمی میں اتنے آگے بڑھ اور ان کے ہاتھ شریف برادران کے گریبان کو تار تار کر کے تختِ لاہور کو مسمار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اب مسلم لیگ (ن) کی ½ 4 سال خاموشی کو بھی پسِ پشت ڈال کر اُن کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور مسلم لیگ کی کمزوری سے تعبیر کر رہے ہیں۔ ایسا نہ تو عقل اجازت دیتی ہے اور نہ ہی سیاست مگر جمہوریت کو پنپنے دینے کے بجائے خود پی پی والے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ شور وغل کر کے عدلیہ کو بھی مشتعل کر رہے ہیں اس میں کیا حکمتِ عملی ہے اس سے وہی واقف ہیں۔
مگر اتنا ضرور نظر آ رہا ہے کہ جس طرح چیف جسٹس کی برطرفی کے بعد سے سابق صدر پرویز مشرف کی مقبولیت کا گراف گرنا شروع ہوا تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے سکا اور آخر وہ کرسی جو 8 سال میں لکڑی سے پتھر کی طرح نظر آ رہی تھی اندرونی دیمک کی طرح چند ہی ہفتوں میں زمین بوس ہو کر نہ صرف پرویز مشرف کی صدارت کھا بیٹھی بلکہ ملک بدر بھی ہو گئے اور آج تک چند ایک اچھے کاموں کو بھی زنگ لگ گیا اور ابھی تک جلاوطن ہیں اور نا رنج پتا رنجیں بڑھا بڑھا کر پاکستان مسلم لیگ جو انہوں نے لندن میں بیٹھ کر بنائی تھی شاید وہیں رہ کر ختم ہو جائے۔
ایسے ہی حالات راقم کو وزیرِ اعظم کے گراف کی نشان دہی کر رہے ہیں اور میڈیا کے ہاتھوں تھک کر وہ بھی اتنے نیچے آ جائیں گے جتنے پرویز مشرف مگر اُس وقت وہ بہت لیٹ ہو چکے ہونگے شہادت کے بجائے شرمندگی اُن کا مقدر رہے گی۔ نہ جانے یہ پاکستان کی سر زمین کی تاثیر ہے یا ہمارے خون میں ہٹ دھرمی، بے حیائی پیوست ہو کر رہ گئیں ہیں نہ قوم و ملت کی فکر نہ پاکستان کی بدنامی کا احساس۔ قیمتی سوٹوں کی تعریف کروانے ہم دیارِ غیر کے اخبارات کی زینت بننے کے لئے تیار ہیں۔ ایسے میں مجھے بچپن کا ایک ہندوستانی فلم کا سین یاد آ رہا ہے جس میں ایک اُس وقت کا مشہور کامیڈین جانی واکر ایک گھوڑے پر سوار اپنی محبوبہ کو اُچھل اُچھل کر کرتب دکھا رہے تھے، یکا یک گھوڑے کی

لگام اُن سے چھوٹ گئی اور گھوڑے نے 2 لتی ماری اور جانی واکر دور جا کر گر پڑے۔ وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑے ہوئے اور زور سے چلا کر اپنی محبوبہ کو کہا دیکھا ہمارے اترنے کا اسٹائل پسند آیا؟ لگتا ہے کہ آخر میں ایسا ہی ہوگا کہ شریف برادران کے کیسز تو دھرے کے دھرے رہ جائینگے۔ کہیں وزیرِ اعظم کے نئے کیس سامنے نہ آجائیں۔

حال ہی میں راقم کو ایک اسکول میں جانے کا اتفاق ہوا، اسکول کے بچوں نے میرا تعلیمی لیکچر سننے کے بعد تعلیم پر بات کرنے کے بجائے سیاست پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اس ملک کا کیا بنے گا؟ میں نے کہا جس دن تمام قوم مل کر اس ملک کی باگ دوڑ سنبھالے گی 100 فیصد تعلیم حاصل کرے گی، 100 فیصد ووٹ ڈالے گی، بسوں، ریلوں، بنکوں کی لائن میں لگے گی، پارٹیوں کی سیاست کے بجائے پاکستان کی سیاست کرے گی اور پاکستانی جھنڈے کو پارٹی کے جھنڈوں پر ترجیح دے گی اور بچوں کی طرح جھوٹ کو جھوٹ سمجھے گی، سچ بولے گی اور پورا تولے گی۔ اُس دن صحیح معنوں میں پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور ہمارے ملک کا مستقبل شاندار ہو گا۔

کراچی پھر جل رہا ہے

پاکستان کا 2 تہائی معیشت کو سنبھالنے والا اکلوتا صوبہ سندھ اور اس کے صوبے میں ٹیکس ادا کرنے والے واحد شہر کراچی کا آج کیا حال ہو چکا ہے۔ وہ اخبارات، میڈیا سے عوام دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں کیونکہ کراچی صرف ایک قوم، فرد، لسانیت کے نام سے نہیں اب کوئی اس شہر کو کسی بھی طریقہ سے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مگر اب حالات اس کے بالکل برعکس ہو چکے ہیں اس شہر کو جگہ جگہ سے اپنے اپنے نام پر حکمرانی کرنے کے لئے بانٹ لیا گیا ہے۔ 2 کروڑ کی لگ بھگ آبادی والے اس شہر کو اب کسی ایک کا نام نہیں دیا جا سکتا مگر اس کی حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں ہے صرف صنعتکار، تاجر، دوکاندار اس ملک کی معیشت کو سنبھالے ہوئے ہیں اس کی وجہ دیگر صوبوں میں ٹیکس دینے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ مگر جب سندھ کو سیاست کی بھینٹ جلا دیا جائیگا تو بھلا بتایا ٹیکس کہاں سے وصول ہوگا۔ ملک کی فوج کا بجٹ جو خود بہت زیادہ اور 2 تہائی تک جا چکا ہے اور جس کو قوم کم بھی نہیں کر سکتی اس کی وجہ بھی بھارت جو ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہوئے بھی ہم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھتا اور آئے دن ایک طرف امن و آشاء کی زبان سنانے اور دوسری طرف امن و آشاء سے ہر طرح کے حربے ہم کو نیچا دکھانے میں ماہر ہیں۔ ہم کیسے اس کے حربے سے دور رہ سکتے ہیں اس نے کراچی اور سندھ کو ٹارگٹ بنا رکھا ہے۔ روزانہ 8 سے 10 افراد کی ہلاکت اس کراچی کو کیسے پنپ سکتی ہے اور وہ بھی ہر فرقہ، لسانیت، سیاسی، مذہبی، تنظیم سے تعلق رکھتا ہو روز اس کی آڑ میں بازار، فیکٹریوں، اور علاقے میں زبردستی ہڑتال کروادی جاتی ہو، پھر کیسے ہم اپنی ملکی معیشت کو سنبھالا دیں۔ بجلی، گیس، پیٹرول کی قیمتیں ہماری کرنسی کے سامنے اژدھا بن چکی ہوں پھر اپنے ملازمین کو روز روز کی ہڑتالوں، بندشوں سے کیسے نجات دلائیں۔ کراچی کے کسی ایک علاقے میں اگر قتل ہوتا ہے تو وہ علاقہ بند کر دیا جاتا ہے یا بند کروا دیا جاتا ہے۔ جس کی جہاں

اکثریت ہوتی ہے وہ وہاں ایسا کرنے کے لئے آزاد ہے۔ پولیس رینجرز بھی تماشائی بن جاتی ہے اب روزانہ کا 10 سے 12 افراد کا مرنا وہ بھی آپس میں سیاسی، مذہبی اور لسانی جماعتوں کا کھیل بن چکا ہے۔

ہمارے وزیر داخلہ آخر اب ناکام ہو چکے ہیں۔ رینجرز، پولیس پہلے ہی ناکام تھی مگر کسی کو اب شہر سے عملی طور پر ہمدردی نہیں ہے۔ پھر کیونکہ عدلیہ کو بھی اب نظر انداز کر دیا گیا ہے اس کی وجہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے 5 مئی 2012ء کے بیانات اور پھر امن کمیٹی، اے این پی، پی پی پی، ایم کیو ایم، سنی تحریک کے افراد روز بے دردی سے قتل ہو رہے ہیں پھر بتایا جائے کہ اس شہر کا کیا بنے گا کوئی اس طرف توجہ دینے کے لئے تیار نہیں، حتیٰ کہ فوج بھی تیار نہیں ہے۔ اس لئے بقول شاعر !

ساگر کو میری تھام کے چلا میں، کیونکہ اب نواز شریف اس شہر کے صرف ایک کونے لیاری کو اپنانے، نام کرانے، سیاسی ڈرامہ کرنے کے لئے آنے والے ہیں جو پی پی پی کے باغیوں کے کندھوں پر بیٹھ کر لیاری میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ آخری انجام کیا ہوگا کہ ابھی کسی کو بھی نہیں معلوم۔ اس کی وجہ بھی مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی کے کارکنوں کی آزمائش ثابت ہوگی۔ کیونکہ پھر بھی کشت و خون کراچی کے ہی حصے میں آئے گا، اللہ خیر کرے۔ اس صوبے کے پیچھے اب دونوں سیاسی جماعتیں پڑ گئی ہیں ایک صوبے پر اپنی حکمرانی یعنی مسلم لیگ (ن) کو لیاری علاقے میں داخل کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف عزیر بلوچ کے کندھوں اور اس کے گارڈ قادر ذوالفقار مرزا کی بدولت پی پی پی کو اب باہر کرنے کے درپے ہے۔ یہ کھیل کیا رنگ لائے گا کسی کو نہیں معلوم مگر نامعلوم طاقتوں کو معلوم ہے، ان سے پوچھیں۔

﴿ قومی اسمبلی کی اسپیکر کا فیصلہ اللہ خیر کرے ﴾

ایک بے تکلف دوست اپنے ایک دوست کے گھر پر مہمان بن کر گیا۔ چند ہفتوں تک زیافتوں کا لطف اٹھاتا رہا۔ ایک دن میزبان نے پوچھا جو اس سے بے زار ہونے لگا تھا کہ تمہارا کوچ ہے یا قیام۔ اس مہمان دوست نے کہا قیام۔ ایک ہفتے کے بعد پھر اس میزبان دوست نے پوچھا کہ تمہارا کوچ ہے یا قیام اس دوست نے پھر بے شرمی سے کہا قیام تو دوست نے کہا تو پھر میرا کوچ ہے اور وہ یہ کہہ کر دوسرے گاؤں چلا گیا کہ شاید مہمان گھر خالی چند دن بعد کر دے گا۔ مگر ایک ہفتے کے بعد وہ واپس آیا تو وہ ڈھیٹ مہمان اسی طرح براجمان تھا تو دوست نے سمجھانے کی غرض سے کہا کہ یار اب تو تمہیں یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں اب تمہیں بیوی، بچے یاد آرہے ہونگے تو مہمان دوست نے کہا ہاں یار تم سچ کہتے ہو۔ میں انہیں آج ہی بلوا لیتا ہوں۔ پتہ نہیں یار لوگ اس کو لطیفہ سمجھ کر آگے بڑھ جائینگے مگر اصل مقصد یہ تھا کہ آج کل ہمارے وزیر اعظم صاحب عدلیہ سے 2 دو ہاتھ کرنے کے بعد اپنے بیوی، بچوں سمیت پہلے برطانیہ کے دورے پر نکلے وہاں ایک اخباری رپورٹ کے مطابق انہوں نے صرف 80 لاکھ روپے میں تین سوٹ خریدے اور وہاں کے اخبارات کے مدیران سے داد یں وصول کیں کہ ایک وزیر اعظم جس کے اثاثوں میں ایک ذاتی استعمال کی گاڑی تک نہیں تھی کیسے اتنے مہنگے سوٹوں پر لاکھوں روپے لٹا دیئے۔ یاد رہے کہ ان کے اہل و عیال نے قیمتی جیولری سیٹ، پرفیوم، جوتے اور قیمتی گھڑیاں اسکے علاوہ خریدیں۔ اب اس کے بعد ترکی کا دورہ کرنے والے ہیں۔ آج تو قومی اسمبلی کی اسپیکر نے جمہوریت کو بچانے کے لئے ان کا ریفرنس الیکشن کمیشن کو نہ بھجوانے کا فیصلہ بھی سنا دیا کہ عدالت نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں لکھا جس سے عدلیہ کی تضحیک کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ صرف میڈیا وزیر اعظم کے خلاف حزب اختلاف سے مل کر محاذ آرائی پر اترا ہوا ہے۔ انہوں نے تاہر خاستِ عدالت کی سزا کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ اب تک تو وزیر

قانون، وزیر اطلاعات دونوں وزیر اعظم کی صفائیاں پیش کر رہے تھے۔اب ہماری قومی اسمبلی کی اسپیکر بھی اس میں شامل ہوگئی ہیں۔تو وزیر اعظم صاحب نے اس کو پہلی مرتبہ جمہوریت کی جیت سے تعبیر کر کے اس کا کریڈٹ بھی وصول کرلیا۔

یہ فائدہ ہوتا ہے پارٹی کے اسپیکر ہونے کا جبکہ ایک طرف پاکستان کی تمام بار کونسلیں وزیر اعظم صاحب کو تا برخاست عدالت کی سزا کے بعد اس عہدہ سے مستعفی ہونے کا بار بار قرادادوں کے ذریعے فیصلہ دے چکی ہیں۔مگر نہ جانے وزیر اعظم صاحب کے معصوم دوست اور وزراء انہیں ایسا کرنے سے کیوں روک رہے ہیں۔ماضی کی وکلاء تحریک سے انہوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا اور نہ ہی وہ سیکھنا چاہتے ہیں۔دوسری طرف کل چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری صاحب نے مارشل لاء اور ایمرجنسی کی بھی نوید سنائی تھی جس کو نظر انداز کر دیا گیا اور کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور عدلیہ کے فیصلوں پر عمل درآمد کا صرف اخباری وعدوں سے پیٹ بھرا جارہا ہے۔عدلیہ کب تک برداشت کرتی ہے یہ وقت بتائے گا۔مگر عدلیہ کے تیور دن بدن بگڑتے نظر آرہے ہیں۔پیمانہ اب چھلکنے کو ہے حکومت ان پر عمل درآمد تو کجا اپنے وزراء سے بھانت بھانت کے بیانات دلوا کر پارلیمنٹ کو عدلیہ سے لڑوانے میں بہت حد تک کامیاب ہوچکی ہے۔اب صدر مملکت ہی اپنی حکمت عملی سے اس ٹکراؤ کو روک سکتے ہیں۔سینیٹ میں بھی پی پی پی کی اکثریت ہے وہاں سے بھی وزیر اعظم کو کسی خاص مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔البتہ حزب اختلاف صرف علامتی واک آؤٹ سے کام چلا رہے ہیں۔اب تیل، ماچس اور لکڑیاں اکٹھی ہوچکی ہیں کسی بھی وقت ایک ہوا کا جھونکا وہ کام کر جائے گا جو 5 سال تک کی آندھیاں، بارش، سیلاب کام نہیں کر سکے، اللہ خیر کرے۔آج ہی عدلیہ نے ایک اور بڑے وزیر جناب امین فہیم صاحب کے خلاف ایف آئی اے کو کاروائی کا حکم دے دیا ہے۔یہی ایف آئی اے حکومت کے سابق وزیر حج و اوقاف جناب حامد سعید کاظمی کو حج اسکینڈل سے رہا

کرانے کی پوری کوشش میں کامیاب ہوچکی ہے۔آج ہی ہمارے نیب کے سربراہ نے 4 ارب روپے یومیہ کا غبن، کرپشن کا انکشاف کر کے عوام کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔وہ تو پاکستان کو ایک غریب ملک سمجھے ہوئے تھے، روزانہ ایک ایک محکموں میں اربوں روپے۔حتیٰ کہ اب تو فوجی اداروں میں بھی کرپشن منظر عام پر آنے لگی ہیں۔شاید اسی وجہ سے ڈالر اور غیر ملکی کرنسیاں ناپید ہو رہی ہیں۔ڈالر کھلی مارکیٹ میں 96 روپے میں بھی دستیاب نہیں ہے اللہ پیٹرول، گیس اور بجلی کے نرخوں کی خیر کرے۔

﴿ عمران خان میری نظر میں ﴾

ہمارے ایک معزز کالم نگار جو عمران خان کو اکثر نصیحتیں کرتے رہتے ہیں ان کے کئی کالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دیگر سیاستدانوں کی بانسبت عمران خان کو بہتر سیاستدان سمجھتے ہیں۔ البتہ عمران خان کے رویے اور گفتگو سے بہت نالاں لگتے ہیں۔ سیاست میں ان کے رویے سے بھی خوش نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں انہوں نے ایک کالم میں کسی ایس ایم ایس کا بھی ذکر کیا تھا جو ان کی پارٹی کی طرف سے ملا تھا جس کے جواب میں انہوں نے اپنے موبائل سے ایس ایم ایس کر کے واپس رقم ملنے کی یقین دہانی کرائی تھی جو انہیں واپس نہیں ملی۔ اس کی آڑ میں انہوں نے عمران خان کو جھوٹا قرار دیا اور وعدہ خلاف بھی، وہ عمران خان کی چھوٹی سی چھوٹی غلطی پکڑنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر ان معزز کالم نگار کو مسلم لیگ (ن) سے زبردست انسیت ہے وہ مسلم لیگ (ن) کو سیتا کی طرح پاک سمجھتے ہیں اور اکثر گاہے بگاہے مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے رہتے ہیں اور ان کے بھائی شہباز شریف صاحب کے حق میں اکثر کالم بھی لکھ کر انہیں اور ان کی پنجاب حکومت کو خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔ آج تک انہیں ان دونوں بھائیوں میں کوئی خرابی ہی نظر نہیں آئی جس کو وہ اپنے کالم میں جگہ دیتے۔ نہ شریف برادران کے اسحاق خان کے ادوار میں دو مرتبہ حکومت چھن جانے کی وجوہات نظر آئیں اور نہ ہی پرویز مشرف کے ساتھ ہوائی جہاز میں معزول کرنے کے بھونڈے انداز سے اختلاف ہے اور نہ ہی کوئی کرپشن نظر آئی۔ اتنی باریک بینی اور زمینی حقائق اور ہمارے سیاستدانوں کی کرپشن میں ان کا کوئی کردار نظر آیا اور ہمیشہ مسلم لیگ (ن) کے گن گانے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان کی اطلاع کے لئے انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ نواز شریف دور میں بننے والے موٹروے میں کوریا کی کمپنی ڈائیوو (Daewoo) سے کتنا کک بیک وصول کیا گیا صرف ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ

بے نظیر کے دوسرے دور میں جب وہ دوبارہ برسر اقتدار آئیں تو کراچی میں کوریا کے قونصل جنرل نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی میں اس وقت سندھ حکومت میں انفارمیشن کا ایڈوائزر تھا اور اکثر مختلف قونصل جنرل کی تقاریب میں میری ملاقاتیں رہتی تھیں۔ تو میں نے کوریا کے قونصل جنرل سے ملنے کی حامی بھر لی۔ قونصل جنرل صاحب اور ایک ان کے ساتھ ڈائیوو کمپنی کا نمائندہ بھی ساتھ آیا۔ اس نے بتایا کہ نواز شریف حکومت نے غالباً 6 یا 8 لین کے موٹروے بنانے کی اجازت دی تھی تو اس موٹروے کا تمام ابتدائی کام (Infrastructure) تیار ہو چکا ہے اور بقول اُس نمائندے کے ہم نے وزیر اعظم نواز شریف کو اس کام کی کمیشن بھی دے دی تھی مگر اب بے نظیر صاحبہ کا دور آ گیا ہے وہ 8 کے بجائے 6 لین کا یا 6 کے بجائے 4 لین کا یہ مجھے صحیح طرح یاد نہیں رہا وہ کم لین کرنا چاہتی ہیں اس کے لئے میں ان کی مدد کروں اور یہ کام کروا دوں۔ اس کے لئے وہ مجھے بھی خوش کرنے کے لئے تیار ہیں اور بے نظیر صاحبہ یا آصف علی زرداری صاحب کو بھی خوش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میں نے معذرت کی کہ میں ایسے کسی بھی سودے میں نہیں پڑتا میرا کام وزارت انفارمیشن تک ہی ہے۔

اور نہ میں کمیشن وغیرہ کا کام کرتا ہوں وہ بہت مایوس ہوئے کہنے لگے کہ اچھا جب وہ کراچی آئیں تو کم از کم ان سے ہی ملوا دیں میں نے اس سے بھی معذرت کر لی۔ ایسے ملتے جلتے واقعات مسلم لیگ (ن) کے دونوں ادوار میں عوام کی نظر میں تو آئے مگر میرے معزز کالم نگار کو نہیں معلوم۔ پھر ڈائیوو کی پیلی ٹیکسیاں ان ہی کی ادوار میں آئیں یار لوگ تو کہتے تھے کہ در پردہ ان برادرز نے یہ خریدی ہیں۔ مہنگی گاڑیوں کی ڈیوٹیوں میں بی ایم ڈبلیو میں ان کے دوست اور بزنس پارٹنر راتوں رات کم کر کے دوبارہ ڈیوٹیاں لگا کر کروڑوں روپے کمایا گیا۔ ایٹمی دھماکے کی آڑ میں جب غیر ملکی کرنسی اکاؤنٹس سیز کئے گئے تو راتوں رات بنک کھلوا کر ڈالر باہر بھیج گئے۔ نواز شریف کے دوسرے دور میں

میرے دوست لاہور میں رہتے ہیں ان کا کاروبار مصالحے اور ملائس کا تھا کہنے لگے کہ آج کل بھارت میں مصالحوں اور ملائس کی بڑی زبردست ڈیمانڈ ہے۔ایک مہینے سے تمام ریل کی بوگیاں حمزہ شہباز ملائس بھارت کے لئے بک ہیں دیگر لوگوں کا مال ریلوے سٹیشن پر سڑ رہا ہے اور ریلوے کا عملہ کہتا ہے کہ ہم مجبور ہیں ہمیں اوپر سے آرڈر ہے۔بچے بچے کو معلوم ہے اگر نہیں معلوم تو ان معزز کالم نگار کو نہیں معلوم۔خیر میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں بھی عمران خان کو دوسرے سیاستدانوں کے مقابلے میں بہتر سمجھتا ہوں اور 18 سال سے ان کی جدوجہد کو پسند کی نگاہ سے ضرور دیکھتا ہوں مگر یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اصغر خان کی طرح وہ بھی سیاست میں ناکام رہیں گے اور اب جب کہ انہوں نے دوسری پارٹیوں سے چلے ہوئے کارتوس اکٹھے کرنے شروع کر دیئے ہیں اور ہر بار ان کی زبان سے سونامی کا نام سنتا ہوں تو مجھے سونامی سے گھن آنے لگی ہے وہ بھی مجھے تاشقند کی بلی نظر آتی ہے جو آج تک تھیلے سے باہر نہیں آئی اور میں اپنے ایک دوست کالم نگار کی طرح بھی نہیں ہوں جو عمران خان کو کپتان کہہ کہہ کر پاکستانی قوم کا مسیحا ثابت کرنے میں ہر ہفتہ عمران خان پر کوئی نہ کوئی تعریفی کالم لکھ دیتے ہیں۔ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ اتنے بائی الیکشن ہوئے عمران خان ان میں اپنے نمائندوں کو کیوں کھڑا نہیں کرتے تا کہ انہیں عوام کا رویہ معلوم ہو جائے۔کب اور کہاں سے سونامی آئے گی اور یہی عوام مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی میں سے اپنے نمائندے چن رہے ہیں، صرف عوامی جلسوں سے انقلاب نہیں آتا۔جلسے تو مسلم لیگ (ن) اور (ق) والے بھی کر رہے ہیں، پی پی پی والے بھی کر رہے ہیں۔جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمان ان کے جلسوں میں بھی عوام بھرپور شرکت کر رہے ہیں۔عوام تو ہر کسی کے جلسے میں جاتے ہیں خود عمران خان کے پارٹی کے پرانے ورکر اور نوجوان ان سے نئے لوگوں کی بھرتی سے نالاں ہیں۔رہا عمران خان کے جلسوں میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شرکت کا سبب کنسرٹ سننے کو اور گلیمرز دیکھنے کو ملتا

ہے۔عمران خان صاحب کو قوم کا اگر اقتدار ملا (اگر چہ دلی دور است) تو واقعی قوم کی کایا پلٹ دینگے وہ بھی ان چلے کارتوسوں سے خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔جاتے جاتے عمران خان کے بارے میں ایک لطیفہ سنا دوں، ایک جنازہ جا رہا تھا کسی نے پوچھا کہ یہ کن صاحب کا جنازہ ہے ان صاحب نے نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگایا اور کہا مرحوم ایک نمبر فلاں فلاں برائیوں میں ملوث تھے، تمام شرعی عیبوں میں بھی مبتلا تھے مگر صاحب اپنے ساتوں بھائیوں میں فرشتہ صفت انسان تھے (اندازہ لگائیے کہ بقایا بھائی کیسے ہونگے) سیاسی تجزیہ نگاروں کی رائے میں عمران خان پنجاب میں مسلم لیگ (ن) اور مسلم لیگ (ق) کے ووٹ کاٹیں گے اور پی پی پی کو فائدہ پہنچائیں گے مگر سندھ میں پی پی پی کو نقصان پہنچائیں گے۔اسی طرح کراچی میں ایم کیو ایم کو فائدہ پہنچائیں گے رہا خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کا وہاں کوئی کرکٹ کا شوقین نہیں ہے۔لہٰذا کسی کو متاثر نہیں کر سکیں گے پھر کرکٹ اور سیاست میں فرق ہے دونوں الگ الگ فیلڈ ہیں۔وہاں سونامی نہیں آتی تجربہ کام آتا ہے۔

﴿ اداروں کی جنگ کیسے ختم ہوگی ﴾

ایک ہسپتال کے باہر ایک بوڑھی عورت اپنے کندھوں پر ایک بچی کو اُٹھائے لوگوں سے فریاد کر رہی تھی کہ اسکی بچی بیمار ہے، گھر میں دو وقت سے فاقہ ہے خدا کیلئے کوئی میری بچی کا علاج کرا دیں اور کھانے کیلئے کچھ دلوا دیں۔ لوگ اس کی فریاد سن کر کچھ پیسے دینا چاہتے تھے مگر وہ بضد تھی کہ اسکی لڑکی کا علاج کروا دیا جائے۔ ایسے میں ایک شخص کافی دیر سے دیکھ رہا تھا وہ آگے آیا اور بوڑھی عورت سے پوچھا کہ لڑکی کو کیا ہوا وہ بولی دو دن سے اسے بخار ہے، ڈاکٹر فیس مانگتا ہے دوا کیلئے پیسے نہیں ہیں، کوئی روٹی سالن بھی نہیں دلوا رہا ہے۔ اس بندہ خدا نے جیب سے 1000 کا نوٹ نکالا اور کہا جاؤ ڈاکٹر کو دکھاؤ وہ جو دوا لکھے برابر والے میڈیکل اسٹور سے خرید کر کھانے کا سالن اور روٹی بھی ہسپتال کی کینٹین سے لے کر واپس آؤ۔ جو پیسے بچیں مجھے لا کر دے دینا۔ میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ بوڑھی عورت جلدی سے ہسپتال کی طرف دوڑتی گئی اور تمام کام نمٹا کر واپس آئی تو گیٹ پر وہ مہربان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ بوڑھی کے ہاتھ میں دوائیں اور کھانے کا شاپر تھا۔ اس نے مہربان کا شکریہ ادا کیا اور باقی بچے 400 روپے لوٹاتے ہوئے دعائیں دیں کہ اللہ تمہیں خوش رکھے تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے یہ کہہ کر وہ خوشی خوشی گھر روانہ ہوگئی۔ مہربان نے کہا کہ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی۔ بھلا دیکھو اس سے ڈاکٹر کو فیس مل گئی، میڈیکل اسٹور والے کو دوائیوں کے پیسے مل گئے اور کینٹین والے کو کھانے کے پیسے مل گئے اور بڑھیا کو بچی کا علاج، دوا اور کھانا مل گیا۔ اللہ نے میرا نفلی 1000 کا نوٹ بھی بھنوا دیا۔ چلو بھائی آج کی دہاڑی پوری ہوئی۔ شاید یار لوگ اس کو لطیفہ سمجھ کر آگے بڑھ جائیں مگر جب سے ہمارے سابق وزیراعظم جناب یوسف رضا گیلانی کو عدلیہ نے توہین عدالت پر فارغ کیا اور ہمارے وزیر داخلہ رحمٰن ملک کو دوہری شہریت کی وجہ سے سینیٹر سے مستعفی ہونا پڑا۔ اسپیکر کی رولنگ بھی کام نہیں کر سکی تو اب ہماری پارلیمنٹ نے

ایوان میں عدلیہ کو آئندہ کی مشقوں سے نجات دلانے کا اور سب کو ثواب پہنچانے کا احسن طریقہ دریافت کر کے موجودہ وزیراعظم راجہ پرویز اشرف صاحب کو مزید امتحان میں ڈالنے سے بچا لیا۔ اور توہین عدالت اور دوہری شہریت کا بل عجلت میں کابینہ نے قومی اسمبلی سے پاس کروا کر سینٹ کے حوالے کر دیا اور سینٹ میں بھی افرادی قوت کے بل بوتے پر قومی اسمبلی کی طرح پی پی پی یہاں سے بھی اس کانٹے کو نکالنے میں کامیاب ہوئی سوائے اے این پی جس نے پہلی مرتبہ پی پی پی سے اختلاف کر کے دوہری شہرت بل کے خلاف قومی اسمبلی میں نہ صرف ناراضگی دیکھائی بلکہ واک آؤٹ بھی کیا۔ مگر امید ہے ہمارے صدر جناب آصف علی زرداری صاحب اے این پی کو ایم کیو ایم کی طرح منانے میں 100 فیصد کامیاب ہو جائیں گے اور سب حضرات معہ حکومتی حامی، مخالف کیونکہ دُہری شہریت میں مسلم لیگ ن والے اوپر والے لطیفہ کی طرح خوش ہو کر بل پاس کروا دیں گے مگر شاید ہم بھول گئے کہ عدالت عظمٰی بار بار کہہ چکی ہے کہ ہم پارلیمنٹ سے بالا ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں ہم کوئی ایسا قانون پاس نہیں کرنے دینگے جو آئین کے خلاف جاتا ہو۔ گویا اب کھل کر دونوں ادارے آمنے سامنے آ چکے ہیں تیسرا ادارہ یعنی فوج اب تماشائی بن چکی ہے ابھی راقم یہ کالم لکھ رہا تھا کہ میرے ایک اسٹرالوجسٹ دوست جناب عظیم جعفری جو بہت سے ٹی وی چینلز پر اپنی رائے دیتے رہتے ہیں دفتر میں آئے تو میں نے کہا کہ جعفری صاحب اس عدلیہ اور پارلیمنٹ کی محاذ آرائی میں پاکستان کے ستارے کیا کہتے ہیں تو انہوں نے فوراً کاغذ پنسل سنبھالا اور کہا اللہ بہتر کرے گا۔ مگر مجھے تو 18 جولائی سے پاکستان میں سیاسی افراتفری اور اکتوبر سے رٹر لے، سیلاب، بارشیں ماضی کی طرح پھر نظر آ رہی ہیں۔ مگر اس طرف کوئی نہیں دیکھتا۔ خود وردی والوں کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جس سے انکی بھی بدنامی ہو سکتی ہے۔ 15 اگست سے دسمبر کے درمیان خصوصاً کراچی اور کوئٹہ میں خون ریزی نمایاں ہے۔ امریکہ سے بھی صدر صاحب کا اختلاف نظر آ رہا ہے

جس سے ان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔پارلیمنٹ کے دونوں ہل واپس ہو جائیں گے البتہ اگلے سال جنوری سے پاکستان کے مستقبل کی بہتری کی انہوں نے نشاندہی کی کہ حالات فوج اور عدلیہ سے مل کر بہت بہتر ہونے کا امکان ہے۔اللہ خیر کرے ویسے بھی عوام اتنے مایوس ہیں کہ رمضان المبارک میں مہنگائی کا سیلاب،بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ اس گرم موسم میں رمضان کیسے گزاریں گے۔

اور 206 مور مر گئے

آج اخبارات کی سرخیوں میں ایک سرخی یہ قوم نے پڑھی ہوگی کہ ایک ماہ میں 206 قیمتی مور صوبہ سندھ کے علاقے تھر میں رانی کھیت کی بیماری سے موت کے منہ میں جا چکے ہیں اور وائلڈ لائف والوں کی دن رات کوششوں کے باوجود ان کی بلاکتوں کو نہیں روکا جا سکا اور مور بچاؤ مہم کے لئے ٹیموں کی تعداد 4 سے بڑھا کر 12 کر دی گئی ہے۔جس کی نگرانی صوبائی کنزویٹر سعید اختر بلوچ کر رہے ہیں،سوچئے کیا ان موروں کو اس کے دشمن جانوروں نے مارا یا یہ خود آپس میں لڑ کر مر گئے۔مگر ایسا نہیں ان کو آسمانی آفتی بیماری رانی کھیت نے موت کے منہ میں دھکیلا مگر ساتھ ساتھ یہ خبر بھی نمایاں ہے کہ ایک ماہ میں صرف شہر کراچی میں دہشت گردی میں مرنے والوں کی تعداد 250 سے زیادہ تجاوز کر چکی ہے ان میں خود سنی تحریک اور حکومتی مشترکہ جماعتیں پی پی پی،متحدہ،امن کمیٹی اور اے این پی کے 95 فیصد افراد شامل نہ بنے،جبکہ یہ ماہ مبارک کا آخری عشرہ ہے اور عیدی فطرہ،زکوٰۃ اور چندے کی پرچیاں تاجر مارکیٹوں میں تیزی سے گردش کر رہی ہیں اور ان تاجر برادریوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی متحدہ نے 1 لاکھ کارکنوں کے ذمہ لگا دی ہے۔حالانکہ ایک زمانے تک ان تمام دینی کاموں کی ذمہ داری مذہبی جماعتوں تک محدود تھی جو اب ان سے نکل کر سیاسی اور سماجی تنظیموں تک پہنچ چکی ہے اور اب سب طرف سے جبری وصولی جاری ہے۔ان 250 افراد کی موت کا ذمہ دار کون ہے،کس نے کس کو مارا،کیوں مارا اور اب تک یہ خون کی ہولی جاری ہے اور کب تک یہ خون کی ہولی جاری رہے گی۔اس پر کسی بھی سیاسی،سماجی تنظیموں کی طرف سے کوئی ایک بیان سامنے نہیں آیا۔ان 250 افراد کے پیچھے کتنے افراد متاثر ہوئے،کتنے بچے یتیم اور خواتین بیوہ ہوئیں کیا یہ سب مسلمان نہیں تھے اور کیا یہ کسی کافر کے ہاتھوں مارے گئے؟

اس سال پہلے ہی قوم نے ایک المناک موت کے سائے اس ملک پر بے دردی سے گزرتے دیکھے۔

سیاچن کا تو وہ تو آسمانی آفت تھی جس میں 80 کے لگ بھگ ہمارے فوجی شہید ہو گئے، کتنے شمالی وزیرستان میں ڈرون حملے میں شدت پسند مارے گئے ان میں کتنے بچے، عورتیں اور بوڑھے شامل تھے ہم نے اُف تک نہیں کی۔

صرف سلالا کیمپ پر فوجیوں کی شہادت پر پوری قوم نے غم و غصہ کا اظہار کیا تو ہماری 2 خواتین نے تیسری خاتون کے ایک لفظ "سوری" کہنے پر نیٹو کی سپلائی بحال کر کے دشمنی کو مزید بڑھنے سے روک دیا اور 1 ارب ڈالر سے زائد خونِ ناحق کا تاوان بھی وصول کر لیا۔ اب بے شک دفاع پاکستان والے لانگ مارچ یا ان کے بیٹی بند بھائی ٹرین مارچ کر کے کچھ دن میڈیا میں "ان" ہو جائیں گے اور قوم سے سرخرو ہو کر پھر اپنے "دیئے" ہوئے کاموں پر جت جائیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلّا۔ بات ابھی یہاں تک ہی نہیں اس بدقسمت ملک کی بدحال قوم کا 65 واں یوم آزادی بھی اس ماہ مبارک میں جلوہ افروز ہونے کو ہے اور یہ وہ آزادی منانے والی قوم ہے جس کو آئی ایم ایف قرضے دیتی ہے۔ امریکہ افغان راہ داری کے عوض اربوں ڈالرز کی امداد، ایران گیس اور بجلی، چین شاہراہ قراقرم کی تعمیر اور دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ گوادر کی پورٹ بنا کر دیتا ہے۔ خلیجی ممالک سستا تیل، بنگلہ دیش ٹیکسٹائل کی راہ داری اور بھارت روزانہ دھمکیاں دیتا ہے جبکہ اس قوم کے پاس تمام بے شمار وسائل ضرورت سے زیادہ زمین کے اندر اور زمین کے باہر وافر مقدار میں موجود ہیں۔ معہ 200 سے زائد ممالک کی صف میں ساتویں ایٹمی طاقت اور معہ 2 عدد سمندروں کی دولت سے مالا مال ہے جو بیشتر مغربی ترقی پذیر ممالک کے پاس ایک بھی سمندر نہیں ہے مگر افسوس اس ملک کے سیاستدانوں کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ حکمرانوں کو تو چھوڑ و ان کے پاس دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کے ہزاروں مواقع موجود ہیں۔ یہ باہر بیٹھے 5 سال سے بے روزگار سیاستدان عمران خان اور نواز شریف ایک دوسرے کو چیلنج اور مناظرے کر کے کس کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ کیا 11 سوالوں کے

جواب آنے سے عوام کی بہتری کی اُمید کی جا سکتی ہے یا پھر عمران خان کی کمر مضبوط ہو گی۔ قوم کے ووٹوں کا بٹوارہ کتنی خوبصورتی سے کرا دیا گیا تا کہ قوم کا اعتماد اب دونوں طرف سے چلائے گئے کارتوسوں سے چھلنی چھلنی کروا دیا اور اب باقی رہی سہی کسر ذاتیات، نجی اور خانگی زندگیوں پر کیچڑ اچھال کر پوری کر لی جائیگی۔ کیا عدلیہ 5 سال سے صرف حکمرانوں کی کرپشن، این آر او اور سوئس بنک کے خط سے عوام کی تکالیف دور کر سکتی تھی۔ یا پھر مہنگائی، گیس اور تیل کی قیمتوں میں اندھا دھند اضافہ رکوا سکتی تھی۔ اس طرف کیوں توجہ نہیں دی گئی۔ ایک وزیراعظم کو توہین عدالت پر فارغ کرنے سے قوم کو کیا ملا جواب دوسرے وزیراعظم کو فارغ کرنے سے کتنے نوافل کا ثواب ملے گا۔ پی پی پی کے پاس تو بقول سینیٹر فیصل رضا عابدی وزیراعظم کے لئے اُمیدوار قطار در قطار موجود ہیں۔ ان کی ذمہ داری اب صرف عدلیہ پر بیان بازی تک محدود رہے گی۔ ان کے وزراء اور اب اعتزاز احسن دوبارہ کھل کر میدان میں اتر چکے ہیں۔ ان کا حالیہ انٹرویو جو لندن سے نشر ہوا انہوں نے کھل کر سابق وزیراعظم کو نااہل قرار دینے کے فیصلے کو غلط قرار دیا ہے اور عدلیہ کے کردار پر تنقید بھی کی کیا وہ چیف جسٹس کی بحالی کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے وکلاء تحریک میں ان کا ساتھ دے کر احسان کیا تھا مگر اس تحریک میں وہ اکیلے نہیں تھے پوری وکلاء برادری تھی۔ جو اب خاموش کردار ادا کر رہی ہے سب طرف مایوسی چھائی ہوئی ہے۔ عید اور یوم آزادی قوم کیسے منائے؟ اور کون فیصلہ کرے گا کہ پارلیمنٹ یا عدلیہ میں کون سپریم ہے۔ عوام یا فوج میرے خیال میں دونوں مل کر فیصلہ کرینگے یا وکلاء کو ایک تحریک پھر چلانی پڑے گی۔

﴿ 66واں جشنِ آزادی مبارک ہو ﴾

پاکستانی قوم آج 14 اگست 2012ء کو 66واں جشنِ آزادی منا رہی ہے۔ٹھیک 65 سال پہلے 14 اگست 1947ء کو یہ ملک بنا اس دن بھی 27 رمضان المبارک لیلۃ القدر تھی اس کے دوسرے دن یعنی 15 اگست 1947ء کو بھارت وجود میں آیا یعنی برصغیر دو حصوں میں 2 ممالک کی شکل میں وجود میں آیا۔مگر ہم ان دونوں ممالک کی ترقیوں اور کامیابیوں کا مقابلہ کریں تو ہم میں صرف 3 چیزیں مشترک نظر آئیں گی۔پہلی دونوں ایٹمی طاقت ہیں، دونوں کے حکمرانوں پر زبردست کرپشن کے الزامات ہیں اور دونوں ممالک میں عدلیہ آزاد ہے اور غربت سے ستائے ہوئے عوام کی قسمت نہیں بدلی۔البتہ بھارت نے اپنی 10 گنا آبادی کے باوجود جاگیرداری نظام ختم کیا اور تعلیمی میدان میں ہم سے سبقت حاصل کی۔اس کی وجہ وہاں کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو طویل عرصہ تک زندہ رہے اور انہوں نے قوم کو خود اعتمادی، جمہوریت، عدلیہ اور تعلیم کے ساتھ ساتھ جاگیردارانہ نظام ختم کر کے قوم پر بہت بڑا احسان کیا اور ساتھ ساتھ فوج کو بھی ملکی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنے دی۔اس کے برعکس قائداعظم صرف ایک سال زندہ رہے اور ہمارے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو بیوروکریسی نے 4 سال کے اندر شہید کروا کر ملک کو بے یارومددگار چھوڑ دیا۔رہی کسر ہمارے سیاستدانوں نے سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کر کے فوج کو صرف 11 سال بعد ہی راستہ دکھا دیا۔اس کے بعد تو گویا اقتدار ہر 10 گیارہ سال بعد فوج اور سیاستدانوں کے درمیان میوزیکل چیئر کی طرح آتا جاتا رہا۔ہر آنے والا اپنا فلسفہ عوام پر ٹھوکتا رہا۔اس طرح پاکستان صرف ایک دن کے فرق سے بھارت سے بہت پیچھے رہ گیا۔اور پھر بھارت نے بھی جتنا نقصان وہ پہنچا سکتا تھا اس نے ہر ہر راہ میں پہنچایا۔یہاں تک کہ 1971ء میں ہمارے ملک کے دو ٹکڑے کروا دیئے سیاستدان اور فوج دونوں کو نقصان پہنچا اور آج ہم ایک دہشت گرد ملک شمار کئے جاتے ہیں۔

تمام یورپی اور امریکن ائرلائنز ہمارے ملک سے جا چکی ہیں کوئی کھیل ہماری سرزمین پر منعقد نہیں ہو سکتا، کوئی ٹیم ہماری سرزمین پر نہیں کھیل سکتی ہم دیارِ غیر میں جا کر اپنے جوہر دکھاتے ہیں۔بھارت اور پاکستان کے سیاستدانوں اور حکمرانوں کا موازنہ کیا جائے تو دونوں ملکوں کے عوام ان کی کرپشن سے تنگ آ چکے ہیں۔ہمارے ہاں اگر اربوں کی کرپشن ہو رہی ہو تو بھارت میں اخبارات کھربوں کی کرپشن کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ہر میدان میں کرپشن عام ہو چکی ہے مگر بھارت میں اب بھی قومی اسپرٹ ہے وہ بھارت کو بھارت ماتا کہتے ہیں۔ہم اپنے ملک کو خود بدنام کرنے میں سب سے آگے ہیں۔بھارت میں کرپشن کو روکنے کے لئے وہاں کے عوامی لیڈر انا ہزارے میدان میں اترے مگر ناکام ہو کر وہ ایک سال بعد ٹھنڈے پڑ گئے تو دوسرے رام دیو میدان میں آئے اور وہ بھی نامعلوم وجوہات کی بناء صرف ایک شو دلی کے لام لیلیٰ گراؤنڈ میں دکھا کر انڈر گراؤنڈ ہو گئے۔ہمارے ملک میں عمران خان گذشتہ 2 سالوں سے کرپشن کے خاتمے کے لئے میدان میں ڈٹے ہوئے کامیاب جلسوں اور نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملا کر وہ انقلاب لانے کی باتیں کرتے کرتے وہ بھی پرانے اور چلے ہوئے کارتوسوں میں گھر چکے ہیں۔اگر نوجوانوں کو سنبھالتے ہیں تو شامل ہونے والے پرانے سیاستدان ان کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔سونامیوں کا وعدہ کرتے کرتے وہ شیخ رشید صاحب کی سونامی میں جا گرے۔

شیخ صاحب نے پنڈی کے جلسے میں بلا کر ان کا رہا سہا وقار بھی مشکوک بنا دیا ہے۔قوم ان سے بھی مایوس ہونے کو ہے البتہ حکمران بہت پرسکون دکھائی دیتے ہیں کیونکہ انہیں اُمید ہے کہ وہ 5 سال نہ صرف پورے کریں گے بلکہ اگلا الیکشن بھی وہ کروا کر جیت لیں گے۔وہ صرف عدلیہ سے نالاں ہیں اکثریت کو وہ اقتدار میں شریک کر کے اگلے 5 سال بھی وہ ہی اقتدار میں رہیں گے۔آخر میں چلتے چلتے اولمپکس میں پاکستانی ٹیم کی جو درگت بنی ہے کسی کو اس کا غم نہیں ہے اور نہ ہی آئندہ کی کوئی

پلاننگ سامنے آئی ہے۔ایک زمانہ تھا ہم نے 5 گولڈ میڈل ہاکی،اسکواش،اسنوکر،کرکٹ اور کشتی رانی میں حاصل کئے تھے۔کیا ہمارے ملک میں وفاقی وزیرِ کھیل بھی کوئی ہے جو اس ناکامی کی ذمہ داری قبول کرے۔البتہ بھارت نے 5 تمغے حاصل کئے اور اگلے اولمپکس کے لئے ان کے وزیرِ کھیل نے 25 تمغے حاصل کرنے کا ٹارگٹ دے دیا ہے۔بھارت میں بھی فسادات ہوتے ہیں۔آج کل ممبئی،آسام اور بریلی میں ہندو مسلم فسادات ہو رہے ہیں مگر ہمارے ہاں مسلم مسلم فسادات کراچی میں گذشتہ کئی سالوں سے جاری ہیں اور کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔الغرض 66 سال کے بعد بھی ہم بدحالی کی طرف بڑی تیزی سے گامزن ہیں کاش ہمیں بھی کوئی مخلص رہبر مل جائے۔

﴿ الیکشن سے پہلے کا تجزیہ ﴾

وزیراعظم راجہ پرویز اشرف صاحب نے اچھا کیا کہ وہ عدلیہ کے سامنے پیش ہو گئے اور عدلیہ نے بھی انہیں مزید وقت دے دیا تا کہ وہ سوئس حکام کو خط لکھ سکیں۔پی پی پی کی یہ پالیسی کہ عدلیہ کے وقار میں کوئی کمی نہ آئے۔کم از کم مسلم لیگ (ن) اور سابق صدر جناب پرویز مشرف سے تو بہتر ہے مگر عوام یہ بات ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ اگر سوئس حکام کو خط لکھ کر یہ بھی بتا دیا جائے کہ ہمارے ملک کے قانون کے مطابق صدر مملکت کو اب استثنیٰ حاصل ہے جو 15 سال پہلے جب کیس کا فیصلہ ہوا تھا تو اس وقت نہیں تھا لہٰذا کارروائی کو ختم کر دیا جائے اور سوئس قانون کے مطابق اب یہ وقت بھی گزر چکا ہے تو ایک طرف عدلیہ کی تسلی ہو جائے گی تو دوسری طرف وزیراعظم صاحب کو بھی ٹینشن سے نجات مل جائے گی مگر جو چیز سب سے زیادہ عوام کو چُبھ رہی ہے وہ سندھ کے وزیر اطلاعات شرجیل میمن اور سینیٹر فیصل رضا عابدی کا عدلیہ اور خصوصاً چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کی شان میں غیر پارلیمانی زبان میڈیا میں آ کر کاغذوں کا بنڈل رکھ کر الزامات کی بوچھاڑ کرنا تا کہ عدلیہ مشتعل ہو یا پھر چیف جسٹس صاحب کوئی ایسا اقدم اُٹھائیں جس کو وہ کیش کرا سکیں۔سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک وقت میں پاکستان پیپلز پارٹی کتنے محاذوں پر لڑے گی ایک طرف کھلم کھلا عدلیہ سے محاذ آرائی روز اول سے ہے تو دوسری طرف آنے والے الیکشن میں کون کیئر ٹیکر وزیراعظم ہو گا جس کیلئے حزبِ اختلاف کی منظوری بھی ضروری ہے۔مسلم لیگ ن کسی بھی طرح اس جال میں آنے کو تیار نہیں ہے جب تک ان کی اپنی مرضی کا وزیراعظم نہیں بنتا۔اگر ایسا ہوا تو پی پی پی کو دھاندلی کرانے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔اس کی وجہ الیکشن ریٹائرڈ جسٹس جناب فخر الدین جی ابراہیم صاحب کی زیرِ نگرانی ہو رہے ہیں جن کا ماضی صاف ہے اور وہ کسی کی حمایت نہیں کریں گے اور صاف و شفاف الیکشن ہی کروا کر اپنا مقام برقرار رکھیں گے۔فوج اس میں مداخلت نہیں کرے گی البتہ عدلیہ اس پر نظر ضرور

رکھے گی ۔مگر قرین قیاس ہے کہ چونکہ پی پی پی نے پہلے ہی اکثریتی مخلوط حکومت کو ساتھ ملا کر پانچ سال آسانی سے گزار دیئے اور آئندہ الیکشن کیلئے بھی اتحاد مضبوط بنالیا ہے جبکہ مسلم لیگ نواز کے سربراہ محمد نواز شریف ابھی تک نہ تو کسی کو توڑ سکے اور نہ ہی کسی سے اتحاد کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے نادان ساتھی ابھرتے ہوئے پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ جناب عمران خان جو ابھی خود کوچہ سیاست میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے کھل کر مسلم لیگ (ن) پر الزام تراشیاں اور بدمزگی کی حد تک منہ ماری کر چکے ہیں جس کا جواب خود نواز شریف صاحب نے دینے کے بجائے چوہدری نثار علی اور خواجہ صفدر کو عمران خان کے پیچھے لگا رکھا ہے۔الیکشن میں ایسا لگ رہا ہے کہ وہی ان کے ووٹرز کو توڑنے میں کامیاب ہونگے۔جس کی وجہ سے پی پی پی بہت مطمئن ہے کہ پنجاب میں عمران خان اور مسلم لیگ ق دونوں مل کر مسلم لیگ نواز کو نقصان پہنچائیں گے جس سے پی پی پی کی سیٹیں مزید بڑھنے کا امکان ہے۔اگر آخری دنوں میں پی پی پی ملک سے بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم اور گیس کی سپلائی ریگولر کردی تو پنجاب کا ووٹر پھر ساتھ دینے کیلئے تیار ہوجائے گا۔اس طرح سندھ میں دہشت گردی اور بھتہ خوری پر قابو پائیں تو سندھ میں خصوصاً کراچی میں امن وامان بہتر ہونے کی صورت میں ایم کیو ایم کا گراف پھر بہتر ہوجائے گا بصورت دیگر کراچی کے پڑھے لکھے نوجوان جنہوں نے کراچی کا عمران خان کا جلسہ کامیاب کرایا تھا وہ تحریک انصاف کو ووٹ بھی دے سکتے ہیں۔

آخری تجزیہ الیکشن کے اعلان کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ عوام کا رُخ کس طرف ہوگا۔الیکشن کے ٹیمپو کا دعویٰ یا پوزیشن کوئی نہیں کی جاسکتی۔ماضی میں مقبول ترین وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جب الیکشن کا اعلان کیا تھا تو ان کی پوزیشن بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا نظام مصطفیٰ کا نعرہ اور سیاسی پارٹیوں کے اتحاد نے عوام کی رائے تبدیل کردی جس طرح آخری دنوں میں پرویز مشرف کی پارٹی مسلم لیگ (ق) نے 50فیصد سے زیادہ اپنی سیٹیں کھودیں۔مسلم

لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی میں زبردست مقابلہ ہوا اور پیپلز پارٹی ایک مرتبہ پھر ابھر کر مخلوط حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی اور کہا جارہا تھا کہ یہ مخلوط حکومت 6ماہ بھی نہیں چل سکے گی مگر سیاسی جھٹکے کھا کھا کر اب یہ دوسری مرتبہ جیتنے کی بات کررہی ہے۔دوسری طرف صرف عمران خان فیکٹر خطرہ ہو سکتا ہے کہ 1970ء کے الیکشن میں پی پی پی کلین سوئپ کرگئی تھی جس کی کوئی امید نہیں تھی اس کی وجہ سوشلزم کا نعرہ کام دکھا گیا۔عوام اسلام اسلام کے نعروں سے بیزار تھے آج ہر طرف کرپشن کا کھلا دور چل رہا ہے۔عوام کی بدحالی دور کرنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی صرف عمران خان کی طرف ہر ایک کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔بدحالی سے ستائے ہوئے عوام یکطرفہ ووٹنگ میں حصہ ڈال سکتے ہیں۔ الیکشن میں سب کچھ ہوسکتا ہے۔عوام کی ناراضگی رنگ لاسکتی ہے۔

﴾ مہنگائی کا اثر کیا عوام پر نہیں پڑے گا؟ ﴿

ہمارے ایک دوست روزانہ رکشہ سے سفر کرتے ہیں، آئے دن پیٹرول کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ابھی جو اضافہ ہوا تو دوسرے دن جب وہ رکشہ سے دفتر پہنچے تو رکشہ ڈرائیور نے میٹر سے زیادہ کرایہ طلب کیا اور وجہ یہ بتائی کہ میں نے آج رکشہ میں پیٹرول ڈلوایا ہے اس کی قیمت زیادہ ادا کی ہے۔ لہٰذا ہر سواری سے زیادہ پیسے لینے کا رکشہ ڈرائیور کا حق بنتا ہے۔ ہمارے دوست نے اس سے حجت کی کہ تمہارا میٹر جتنا کرایہ بتائے گا میں اس سے زیادہ نہیں دونگا کیونکہ وزیرِ خزانہ نے کہا ہے کہ پیٹرول کی قیمت میں اضافہ سے عام آدمی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اگر میں نے تم کو زیادہ کرایہ دیا تو مجھ پر اثر پڑے گا اس طرح وزیرِ خزانہ کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی، لہٰذا تم وہی پیسے لو جو تمہارا میٹر بناتا ہے۔ رکشہ ڈرائیور ناراض ہو گیا کہنے لگا بابو جی کس حکومت کی بات کرتے ہو جب سے قوم نے اس حکومت کو کیا کہتے ہیں " مینڈک " دیا ہے اس وقت سے ہر چیز روز بروز مہنگی ہو رہی ہے۔ ہمارے دوست نے اس سے کہا کہ بھائی مینڈک نہیں "مینڈیٹ" دیا ہے وہ کہنے لگا کہ جب صدر اس کا ہے، فوج اس کی ہے، حکومت اس کی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر چیز کے دام بڑھائے جا رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ عوام پر اس کا اثر نہیں ہوگا۔ کیا عوام کوئی آسمانی مخلوق ہیں جو ڈالر کی قیمت میں اضافہ، بجلی کے نرخ، گیس کے دام بڑھنے اور اب پیٹرول، گیس، ڈیزل کی قیمتیں بڑھنے کے باوجود اس کا اثر عوام پر نہیں پڑے گا تو کیا فرشتوں پر پڑے گا! یہ سن کر ہمارے دوست اس کو منہ مانگا کرایہ دے کر جب دفتر پہنچے تو آج ان کی لیٹ لگ گئی یعنی آدھی حاضری۔

ایک دن ہم اپنے رشتہ دار کے ہاں گئے تو دیکھا کہ صاحب خانہ کی بیگم جائے نماز پر بیٹھی زور زور سے دعا مانگ رہی تھیں کہ یا اللہ ڈالر 100 روپے کا کر دے۔ ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ قوم پہلے ہی ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمت سے بیزار ہے اور حکومت کو کوس رہی ہے مگر موصوفہ ہیں کہ دعا مانگ رہی ہیں کہ یا

اللہ ڈالر 100 روپے کا کر دے۔ جب یہ دعا سے فارغ ہوئیں تو ہم نے پوچھا کہ خیریت تو ہے آج آپ ڈالر کی قیمت بڑھنے کی دعا کیوں مانگ رہی ہیں۔

وہ بولیں بھائی صاحب، میں نے اپنے سرتاج سے چھپا کر، رقمیں بچا بچا کر لاکر میں کچھ پیسے اکٹھے کیئے۔ ایک دن جب میں نے اخبار میں پڑھا کہ لاکرز کو حکومت اپنی تحویل میں لے رہی ہے تو میں نے اپنے سرتاج کو بتایا کہ صبح ہی صبح بنک جا کر لاکرز سے پیسے نکالنے ہیں جو میں نے آپ کو بتائے بغیر جمع کیئے تھے، وہ پہلے تو ناراض ہوئے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا نہیں سمجھتیں، پھر وہ مجھے بنک لے گئے اور تمام رقم جو بنتی تھی مجھے نکال کر دے دی۔ میں روز اخبار پڑھ رہی تھی کہ ڈالر مہنگا ہو رہا ہے آئے دن 4 چھے روپے بڑھ رہے ہیں میں نے اپنی ایک جاننے والی سے پوچھا میں نے بھی میاں کو بتائے بغیر ڈالر خرید لیا۔ اب میں روزانہ اخبار دیکھتی ہوں کہ ڈالر کتنا بڑھ رہا ہے، کہیں کم تو نہیں ہو رہا۔ کیونکہ اگر ڈالر نیچے آ گیا اور اب اگر میرے سرتاج کو معلوم ہوا کہ میں نے ان کو بتائے بغیر ڈالر لیا ہے تو وہ پھر کتنا ناراض ہونگے۔ لہٰذا اس دن سے میں نے پابندی سے نماز شروع کر دی ہے اور روز دعائیں مانگتی ہوں کہ اللہ میاں ڈالر 100 روپے کا کر دے۔ ہم نے جب یہ سنا تو اپنا سر پیٹ لیا، یا اللہ کیا ہو گیا ہے کہ صرف اور صرف اپنے مفاد کی خاطر ہم قوم کو مہنگائی کے عذاب میں ڈال رہے ہیں۔ ایک طرف تو حکومت ہر چیز پر ٹیکس پر ٹیکس لگانے پر تلی ہوئی ہے تو دوسری طرف ہماری قوم بھی صرف اور صرف اپنے مفادات میں لگی ہوئی ہے۔ کسی کو بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس خود غرضی کا انجام ہماری معیشت کیسے سدھرے گی۔ آج ہی خبر آئی ہے کہ سندھ میں بھی کل سے 2 دن کے لئے CNG بند کر دی جائیگی۔ پنجاب میں پہلے ہی ہفتے میں 3 دن CNG بند ہوتی ہے، بجلی کا تو کوئی حال ہی نہیں کبھی 16 گھنٹے تو کبھی 18 گھنٹے غائب، عوام پریشان کہ کیا کریں۔ مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی آئے دن پیٹرول، گیس اور ڈیزل میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جس سے مہنگائی میں روز بروز اضافہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تنخواہوں میں حکومت

کوئی اضافہ نہیں کرتیں بلکہ اپنے اسمبلی ممبران کے لئے جو بھی سہولتیں نہیں ہوتیں ان کو بھی حاصل کرنے کا مل پاس کر لیتی ہے اور آئے دن ممبرانز کی تنخواہوں میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے اور جو وہ ٹیکس بھی نہیں دیتے ۔حکومت کا ڈالر الگ داموں میں فروخت ہو رہا ہے تو منی چینجرز کا الگ داموں میں فروخت ہو رہا ہے ۔اس ملک کے وزیرِ خزانہ آئے دن قیمتیں بڑھانے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ اس سے عام آدمی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔غالباً ان کا اشارہ آم کی طرف ہے عام کی طرف نہیں ۔کیونکہ اب آم کا سیزن بھی ختم ہونے کو ہے۔اللہ ہی اس عوام پر اپنا خاص کرم فرمائے ۔(آمین)

﴿پیٹرول کا ہفتہ واری اُتار چڑھاؤ کیوں؟﴾

پاکستان میں پیٹرول کی مہنگائی کا سب سے پہلا واقعہ مشرقی پاکستان (جواب بنگلہ دیش کہلاتا ہے) کی وجہ سے پیش آیا جس کی وجہ ہر سال اس مشرقی خطے میں سیلاب آتا تھا وہاں ہر طرف غربت تھی ،مغربی پاکستان خوشحال سمجھا جاتا تھا تو حکومت نے پیٹرول کی قیمت جو صرف 3 روپے فی گیلن تھی جی ہاں اُس سستے زمانے میں پیٹرول فی لیٹر نہیں فی گیلن فروخت ہوتا تھا۔مشرقی پاکستان کے بھائیوں کی مدد کیلئے ایک روپیہ فی گیلن سرچارج لگا دیا گیا۔معاملہ صرف مشرقی پاکستانی بھائیوں سے ہمدردی اور امداد فراہم کرنا تھا تو سب نے پہلے خوشی سے نیک نیتی سمجھ کر قبول کر لیا۔بس یہاں سے پیٹرول میں اضافے کا رجحان شروع ہوا یہاں تک کہ 1971ء میں جب مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا تب بھی حکومت نے یہ مشرقی پاکستان کا سرچارج ختم کرنے کے بجائے پیٹرول کی قیمتوں میں خاموشی سے ضم کر دیا جو آج تک ہم ادا کر رہے ہیں ۔پھر 1975ء میں پوری دنیا میں پیٹرول کا بحران آیا اور خلیجی ریاستوں والے ممالک جو تیل پیدا کرتے تھے انہوں نے تیل کی قیمتوں میں اضافے کا مطالبہ کیا اور تیل کی سپلائی جزوی طور پر کم کر دی جس سے تمام ممالک میں پیٹرول کی راشننگ بھی ہوئی اس مہنگائی کی آڑ میں پیٹرول سے بننے والی مصنوعات ،کیمیکل،کھاد وغیرہ سب کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا گیا پھر عالمی تیل بیوپاریوں نے پیٹرول کی تنظیمیں بنا کر اپنی مرضی کے دام منظور کروا لیے ۔ان دنوں 7 ڈالر تک فی بیرل پیٹرول عالمی منڈی میں فروخت ہوتا تھا جو بڑھ کر 10 بارہ ڈالر تک پہنچ گیا ۔یہاں سے پیٹرول کی قیمتوں میں اضافے کا رجحان پیدا ہوا اور ایک وقت یہ آیا کہ پیٹرول 150 ڈالر فی بیرل تک بھی پہنچ گیا۔اسی وجہ سے عوام کو بیوقوف بنانے کیلئے پاکستان جیسے غریب ملک میں گیلن سے لیٹر کا نظام رائج کیا گیا تا کہ عوام کو پیٹرول سستا لگے۔

پھر جو پیٹرول 1 گیلن کے عوض ملتا تھا اب 1 لیٹر میں ملنے لگا۔اور پھر پیٹرول کی قیمتیں آئے دن آنے،

دال، چاول کی طرح تجارتی بنیادوں کی طرح اوپر نیچے ہوتی رہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ڈیزل جو ہمیشہ سے ہمارے ملک میں پیٹرول سے آدھی قیمت پر دستیاب ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی قیمتوں میں اضافہ کر کے پیٹرول کی قیمتوں کے برابر کر دیا اور عوام کی خاموشی کی وجہ سے اب ڈیزل کی قیمت تو پیٹرول سے بھی زیادہ بڑھا دی گئی ہے۔ پیٹرول کی قیمتوں میں اندھا دھند اضافہ اگرچہ ہر دورِ حکومت میں رہا اور عوام کا احتجاج بھی ہوتا رہا۔ ہڑتالیں، توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ کا عمل بھی دیکھنے میں آتا رہا۔ مگر جتنا بھیانک اس موجودہ دورِ حکومت کے حصے میں آیا وہ ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔ خصوصاً پہلے سالانہ بجٹ میں اضافے کی امید تو ہوتی تھی پھر 6 چھ ماہ بعد 1 دو روپے کا اضافہ ہونا شروع ہوا اور پھر 3 تین ماہ پھر ہر ماہ بہ ماہ اور اب تو اس میں اتنی برکت ہو گئی ہے کہ ہر ہفتے ہماری پیٹرولیم کی وزارت سونے اور چاندی کے بھاؤ کی طرح فی لیٹر 8 دس روپے بڑھا کر عوام کے زخموں پر نمک لگا کر ہفتہ وار چھٹی کو بھی بد مزہ کر دیتی ہے۔ اور تو اور گیس جو ہمارے ملک میں پیدا ہوتی ہے پہلے سی این جی اسٹیشنوں سے سستی بکوا کر گاڑی والوں کو عادی کیا اور پھر آہستہ آہستہ اس کو بھی پیٹرول، ڈیزل کی صف میں لا کر برابر کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ جب ہمارے ملک میں یہ گیس صنعتوں میں استعمال ہو رہی تھی تو پھر کیا وجہ تھی کہ اس کو گاڑیوں میں استعمال کروایا اور سب سے بڑا عذاب اس کے ناغہ کا اجراء ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ گذشتہ ایک سال سے بین الاقوامی سطح پر پیٹرول کی قیمتوں میں جمود ہے مگر حکومت یہ بتانے سے قاصر ہے کہ وہ عوام کے ساتھ ہر ہفتے گھٹا بڑھا کر کیا مذاق کرتی ہے۔ ٹرانسپورٹرز ایک مرتبہ دام بڑھا کر کرایوں میں کوئی کمی نہیں کرتے البتہ دوبارہ دام بڑھنے سے وہ اپنے اپنے کرایوں میں اپنا من مانا اضافہ کر کے دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹ رہے ہیں۔ اب تو رکشہ اور ٹیکسی والے نزدیک کے فاصلے کے بھی سینکڑوں روپے لیتے ہیں۔ میٹر ختم ہو چکے ہیں۔ اس کی آڑ میں ہر چیز پر غیر ضروری اضافہ ہو چکا ہے۔ خواہ وہ پھل، ترکاری ہو یا دال، آٹا، چاول جس میں پیٹرول کا جز بھی نہ ہو۔ ہر شخص اس کی

آڑ میں من مانی کر رہا ہے۔ اس ناگہانی مہنگائی نے بے روزگاری میں اضافہ کر دیا ہے۔ اسی بے روزگاری سے تنگ آ کر نوجوان غلط لوگوں کے ہاتھوں اسلحہ، منشیات، دہشتگردی، موبائل فونز، کار اور اسکوٹرز کو چھین کر اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ بھرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ میرے ایک بزرگ مفتی واقف کار نے بتایا کہ ہمارے محلے کے کچھ معزز افراد یہ فتویٰ بھی پوچھنے آئے کہ اس مہنگائی اور بے روزگاری کی وجہ سے ان کے ہاں فاقہ کشی کی نوبت آ چکی ہے تو کیا حضرت عمرؓ کے دور میں جب مدینہ میں قحط پڑا تھا تو انہوں نے ہاتھ کاٹنے کی سزا ختم کر دی تھی اور جس طرح 3 دن کی بھوک کی کمزوری میں حرام کو حلال قرار دیا ہے تو کیا ہم ناجائز طریقے سے دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ یعنی چوری اور ڈاکہ ڈال سکتے ہیں؟ مفتی صاحب یہ سن کر سکتے میں آ گئے اور انہوں نے خاموشی اختیار کی اور کہا کہ اللہ سے مدد مانگو، وہی سب کا پیٹ بھرنے والا ہے، یہ اس کا وعدہ بھی ہے مگر وہ لوگ مطمئن نہیں ہوئے۔ ہماری حکومت ٹیکس وصول کرنے کے واحد نظام کی طرف رواں دواں ہے۔ آخر عوام کی طرف کب متوجہ ہو گی۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن پاک کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جس کو خود اپنی حالت بدلنے کا ادراک نہ ہو۔ وزارتِ پیٹرولیم کے مشیر صاحب سے میری درخواست ہے کہ وہ کم از کم عوام کو تو بتائیں کہ ہر ہفتے پیٹرول کی قیمتوں میں اُتار چڑھاؤ کیوں ہو رہا ہے جبکہ 3 ماہ سے ہمارے ڈالر اور روپیہ دونوں میں کوئی اُتار چڑھاؤ نہیں آیا؟

﴿ کیا آسمان سے فرشتے اُتر کر اس ملک کو بچائینگے؟ ﴾

ایک زمانہ تھا جب کراچی کا شمار پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں بہترین شہروں میں ہوتا تھا۔ پاکستان کا صدر مقام تھا، سمندر تھا۔ صنعتی ترقی زوروں پر تھی پورے ملک سے اس شہر میں تلاشِ روز گار کے لئے نوجوان کھنچے چلے آتے تھے اس شہر کو پھولوں کے گلدستے سے بھی تشبیہ دی جاتی تھی۔ روشنیوں کا بھی شہر کہتے تھے دن اور رات میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ شہری رات گئے تک سیر سپاٹے کرتے تھے یہ واحد پاکستان کا شہر تھا جس میں پانچوں قومیں ہنسی خوشی مل کر رہتی تھیں۔ پھر اس شہر کو کسی دشمن کی نظر لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر قومیتوں میں تقسیم ہوتا گیا۔ ایوب خان کے دور میں کیپٹل اسلام آباد منتقل ہوا تو ضیاء الحق کے دور میں اسلام تقسیم ہو کر عوام مذہب سے دور ہو گئی اور ہر کوئی اپنے آپ کو سندھی، مہاجر، پٹھان، بلوچ اور پنجابی کہنے کو فخر سمجھنے لگا۔ پاکستانی صرف پاکستان سے باہر جا کر پاکستانی کہلواتا تھا اور پھر واپس پاکستان آ کر وہی سندھی، مہاجر، پنجابی اور پٹھان بن جاتا تھا۔ آج اگر ہم کراچی کا تجزیہ کریں تو اس شہر کی خوبصورتی کو گہن لگ چکا ہے۔ پورے شہر کا بٹوارا ہو چکا ہے، کسی علاقے میں پٹھان آبادیاں تشکیل پاتی ہیں تو کسی میں مہاجروں کی اکثریت ہے۔ شہر سے باہر سندھی اور بلوچوں کی آبادی ہے تو بیچ میں پنجابی بولنے والے آباد ہیں۔ ائرپورٹ سے باہر شہر کی سڑک پر آؤ تو شاہراہ فیصل پر پاکستان کا جھنڈا نظر نہیں آتا تمام قومیتوں کے رنگ برنگے جھنڈے لگے ہوئے ہیں اور مقامی سیاستدانوں کی نمایاں تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ صرف مقامی سیاست پر زور ہو چکا ہے جس کی وجہ سے آئے دن شہر میں ایک دوسرے پر قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں۔ دونوں طرف سے 10 پندرہ معصوم افراد قتل ہو رہے ہیں۔ پولیس بے بس ہے، رینجرز خاموش ہے، فوج تماشہ دیکھ رہی ہے۔ عدلیہ اپنا اثر کھوتی جا رہی ہے، بڑی بڑی صنعتیں ختم ہو رہی ہیں۔ صنعتکار، تاجر حضرات بغیر بھتے کے کوئی کاروبار نہیں کر سکتے۔ بڑے بڑے صنعتکار تو اپنے

بچوں کو پہلے ہی باہر بھیج چکے تھے اب وہ اپنا کاروبار اونے پونے بیچ کر دبئی کا رُخ کر رہے ہیں۔ کچھ ٹیکسٹائل بنگلہ دیش منتقل ہو چکی ہیں۔ پاکستان اب دہشت گرد ملکوں میں پہلے نمبر پر آنے کو ہے غیر ملکی یہاں نہیں آتا، البتہ کاروباری سودے دبئی میں ہوتے ہیں

حکومت پریشان ہے کیونکہ عدلیہ نے اس پر سخت گرفت روز اول سے ہی رکھی ہوئی ہے۔ حکومت عدلیہ سے دو دو ہاتھ کر رہی ہے 5 سال میں آج تک N.R.O اور سوئس بنک کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ لاپتہ افراد کا آج تک کوئی پتہ نہیں چل سکا ملکی سرمایہ بیرون ملک جا چکا ہے۔ پہلے یہ سرمایہ دبئی میں جا کر لٹتا اب دوبارہ گردش میں ہے، کھلے عام دہشت گردی ہو رہی ہے، اغوا برائے تاوان ایک مرتبہ پھر عروج پر ہے۔ ڈالر 100 روپے کے قریب ہے تو پیٹرول 100 روپے سے بھی اوپر جا چکا ہے۔ ڈیزل تو اب پیٹرول سے بھی اوپر جا چکا ہے، گیس بھی کسی وقت 100 روپے میں ہو جائے گی پھر ہم کیسے دنیا بھر سے کاروبار کر سکیں گے۔ بھارت کے روپے کے مقابلے میں ہمارا روپیہ آدھا ہو چکا ہے۔ اب اگر بھارتی تاجر ہمارے روپے سے کاروبار کرینگے تو رہا سہا سرمایہ بھی بھارت منتقل ہو جائیگا۔ پاکستان کے مستقبل کی کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ بلوچستان ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے دن دھاڑے غیر بلوچیوں کو گاڑیوں سے اتار کر قطاروں میں کھڑا کر کے گولیوں سے بھونا جا رہا ہے۔ آج تک ایک بھی واردات کا سوراغ نہیں لگ سکا۔ چیف جسٹس بلوچستان جا کر بار بار انتظامیہ کو خبردار کرتے رہے ہیں مگر کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کل کیا ہونے والا ہے سب کو معلوم ہے مگر سب نے ہونٹ سی رکھے ہیں ۔کل کا سانحہ امریکہ کے خلاف نکلنے والے جلوسوں میں ہماری بسیں جلیں، ہمارے بنک لوٹے گئے، ہمارے نہتے عوام مارے گئے، ہماری املاک جلیں، اربوں کا نقصان ہمارا ہوا، پوری دنیا میں بدنامی ہوئی ،امریکہ سے ناراضگی ہم نے مول لی۔ کب تک ہم اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں مارتے رہینگے۔ الیکشن سر پر ہے خوف و ہراس کے عالم میں لوگ کیسے ووٹ ڈالنے نکلیں گے۔ خدارا عقل کے ناخن لیں، سیاستدان

سر جوڑ کر بیٹھیں اور پاکستان کے مستقبل کو محفوظ بنائیں ورنہ تو اللہ حافظ ہے۔ ہم دن رات اپنی عیاشیوں میں لگے ہوئے ہیں، کیا آسمان سے فرشتے اُتر کر اس ملک کو بچائینگے؟ یہ کراچی کی وبا اگر مزید پھیلی تو پورا ملک اس کی لپیٹ میں آجائیگا۔ قوم کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائیگا۔ سوچو خدارا سوچو، اب غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ پہلے ہی سب کو ہم ناراض کر چکے ہیں۔

ٹی 20 کی ہار

پاکستانی کرکٹ ٹیم سری لنکا سے سیمی فائنل میں کیا ہاری یا رلو گوں نے پورا ملبہ ٹیم کی ہار پر ڈال دیا جبکہ بھارت کی ٹیم سے ہارنے کا دکھ ساؤتھ افریقہ سے صرف ایک رنز کی جیت ہونے کے باوجود بھارت کو سیمی فائنل سے رن ریٹ پر باہر کر دیا تھا۔ حالانکہ خود پاکستانی ٹیم نے آخری میچ میں آسٹریلین ٹیم کو بالکل آؤٹ کلاس کر کے صرف 112 رنز جو اس کو سیمی فائنل کوالیفائی کرنے کیلئے ضروری تھا اس تک محدود رکھا۔ قوم کو ایک طرف اپنے جیتنے کی خوشی تھی تو دوسری طرف بھارت کی سیمی فائنل سے باہر ہونے کی خوشی تھی۔ بھارتی کھلاڑی مایوسی سے راتوں رات سری لنکا سے اپنے ملک واپس لوٹ گئے۔ ویسے بھی ایک گھنٹہ کی فلائٹ ان کو زیادہ بھاری نہیں پڑی مگر پوری قوم کی تھو تھو دھونی کو اکیلے ہی برداشت کرنی پڑی۔ اس کی وجہ بھی خود دھونی کی خودسری اپنی پسند کے کھلاڑیوں کو کھلانا خاص طور پر سہواگ کو باہر رکھنا۔ دھونی کو سابق کپتان شاستری کی طرح مہنگا پڑا۔ اس کی کپتانی اب کون سنبھالے گا۔ اس کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا۔ اب ہم پاکستان کی سیمی فائنل میں شکست پر کچھ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا جیسے ہی ہماری ٹیم حزب عادت غیر محتاط کھیل کی وجہ سے ہاری۔ راقم کو دھڑا دھڑ ایسے ہی ایس ایم ایس آنے شروع ہوئے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ہماری قوم بہت جذباتی قوم ہے اس لئے صرف قارئین کے لیے چند ایس ایم ایس لکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ خود ان کو بھی مل چکے ہوں گے۔ خیر وہ برداشت کریں۔ پہلا ایس ایم ایس یہ آیا "اے اللہ قوم نے ساری رات جاگ کر جو دعائیں کرکٹ ٹیم کے لیے کیں تھیں وہ ہمارے مرحوم والدین اور دادا دادی کی مغفرت فرما" کیونکہ ہم نے اپنی ٹیم کیلئے بہت زیادہ پڑھا تھا تمام ثواب اب ہمارے رشتہ داروں کا حق بن گیا ہے۔ دوسرا ایس ایم ایس "ہمارے کپتان حفیظ نے آئی سی سی سے پوچھا ہے کہ اگر آسٹریلیا ویسٹ انڈیز کو زیادہ رنز سے ہرا دے تو کیا پاکستان آسٹریلیا سے فائنل کھیل سکتا ہے؟

کیونکہ ہم نے آسٹریلیا کو پہلے ہی ہرادیا تھا" تیسرا ایس ایم ایس " آفریدی کی بیٹی ماں سے دیکھو پاپا چھکے پہ چھکے مار رہے ہیں ماں بیٹی ٹھیک سے دیکھو یہ شیمپو کا اشتہار ہے" چوتھا ایس ایم ایس " جب سیمی فائنل شروع ہوا تو ایک پٹھا نے اپنے ٹی وی کے ساتھ بم باندھ دیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ اگر آج ہماری ٹیم ہاری تو بم سے اُڑا دوں گا"۔ اب ہم اپنی ٹیم کی اصلی کارکردگی کی طرف آتے ہیں۔ ہم نے ٹی 20 میں کیا کیا؟ سب سے پہلے ہم نے ٹی 20 میں وہ کھلاڑی شامل کیے جو گذشتہ 5 سالوں سے یا تو باہر تھے یا پھر سفارشی تھے یا پھر کپتان کے اور سلیکٹر بشمول بکی کے ایجنٹ تھے۔ کب کس نے کھیلنا تھا کب کس نے نہیں کھیلنا تھا۔ عمران نذیر نے صرف ایک میچ میں کارکردگی دکھائی ورنہ وہ پہلے یا دوسرے ہر اوور میں آوٹ ہوا یا پھر اس اکیلے میچ میں اس کا کیچ ڈراپ ہوا۔ شاہد آفریدی کی کارکردگی باؤلنگ اور بیٹنگ میں صرف بوم بوم آفریدی کے نعروں میں دب گئی اور ان کی بار بار شمولیت کپتان کی مرحون منت تھی۔ سابق کپتان آوٹ آف فارم شعیب ملک کو کیوں کھلایا گیا۔ یہ سلیکٹر جواب دیں گے کہ یہ کس کا "پوا" تھا۔ کپتان محمد حفیظ نے کوئی کارکردگی نہیں دکھائی۔ صرف عمر گل ایک میچ جتوا گئے۔ سہیل تنویر کی بھی کوئی کارکردگی نہیں تھی۔ عبدالرزاق کو بھی زبردستی کھلایا۔ یاسر عرفات کا بھی کوئی کردار نہیں رہا جس سے ٹیم جیتتی۔ عمران فرحت کو بھی ساتھ لے کر گئے مگر نہیں کھلایا۔ محمد سمیع کو ٹیم سے بالکل باہر رکھا اور اسد شفیق کو بھی موقع نہیں دیا گیا جبکہ وہ فارم میں بھی تھا۔ صرف ناصر جمشید اور کبھی کبھی اکمل برادران نے کچھ رنز بنا کر دکھائے۔ اگر صحیح تجزیہ کیا جائے تو یہ پوری ٹیم تُکے میں سیمی فائنل میں پہنچی۔ اس کی وجہ بھی مشکوک ہے۔ اب جب ہماری ٹیم ہار چکی ہے تو کسی پر تبصرہ اچھا تاثر نہیں چھوڑتا۔ مگر ایک چیز ضرور حقیقت ظاہر کرتی ہے وہ یہ کہ ٹیم میں ہارنے کا کا مبینیشن مشترکہ تھا۔ کیا سٹہ لگا ہوا تھا جس میں صرف 139 رنز نہیں بن سکتے تھے۔ کھیل کو سلوموشن میں دیکھیں۔ جو میچز ہم ہارے ہیں وہ لگتا ہی تھا کہ ہم

ہارتے ہی جا رہے ہیں۔ اور جو جیتے ہیں وہ بھی ایسا لگتا تھا کہ ہم کو جتایا جا رہا ہے۔ عجیب ٹی 20 تھا کہ قوم کو جیتنے تک سسپنس میں رکھا گیا اور ہارنے پر بھی سسپنس میں رکھا گیا۔ اب کیا ورلڈ کپ میں بھی ہم ایسے ہی کھلاڑی کھلا کر قوم کو مایوس کریں گے۔ کیا ہمارے پاس صحیح ٹی 20، ون ڈے یا ٹیسٹ ٹیم موجود ہے؟ جو پاکستان کا نام دوبارہ روشن کرے یا پھر خفیہ جوا کھیل کر ہار جیت کا فیصلہ قوم کو دکھایا جا رہا ہے۔ اب تو ہماری ٹیم کی کارکردگی WW ریسلرز کی طرح ہو چکی ہے۔ مار کھاتے کھاتے ریسلر کبھی جیت جاتا ہے اور کبھی پٹتے پٹتے ریسلر اچھے خاصے پہلوان کو اُٹھا کر پچھاڑ دیتا ہے۔ قوم صرف یہ سوچ کر خوش ہے کہ بھارت بھی تو ٹی 20 ہار گیا۔

﴿ کراچی جل رہا ہے ﴾

چند دن قبل ہمارے وزیرِ اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ صاحب نے اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کراچی کے حالات اتنے خراب نہیں ہیں جتنے میڈیا نے بڑھا چڑھا کر عوام کو گمراہ کر رکھا ہے۔اس بیان پر کراچی کے ہی نہیں بلکہ پورے ملک کی عوام حیران اور پریشان ہوئے کہ بلا ناغہ 10 سے پندرہ افراد کا قتل، اغواء برائے تاوان کی روز آنہ وارداتیں، ڈکیتیاں، دہشت گردی، قیمتی پلاٹوں پر قبضہ، ہر مارکیٹوں میں بھتہ مافیا کا کھلا راج، پولیس اور رینجرز کی ناکامیاں اس سے زیادہ اور وہ کیا چاہتے ہیں جو شہریوں کی زندگیاں اجیرن بنا چکیں ہیں۔جمعرات کے جنگ اخبار کی اشاعت میں جناب عرفان صدیقی صاحب نے کراچی کے حالات پر بہت مؤثر کالم لکھا۔راقم بھی بحیثیت صنعتکار اپنے کئی کالموں میں خصوصاً کراچی کے حالات پر اس کی سنگینی صورتحال پر روشنی ڈال چکا ہے۔صدرِ مملکت جناب آصف علی زرداری صاحب کئی موقعوں پر کراچی آکر انتظامیہ سے لاء اینڈ آرڈر پر میٹنگ کر کے خصوصی ایکشن لینے کے احکامات بھی صادر کرتے رہے ہیں۔انتظامیہ خصوصاً پولیس کے سربراہان بھی تبدیل کر کے دیکھ چکے ہیں مگر حالات دن بدن بگڑتے ہی جا رہے ہیں اور اب شہریوں کو یقین ہو چلا ہے کہ اس شہر کو لاوارث سمجھ کر دہشت گردوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔عدلیہ بھی متعدد بار انتظامیہ کو وارننگ دے چکی ہے کہ پولیس اور رینجرز اتنی بڑی تعداد میں گزشتہ 2 دھائیوں سے تعینات ہے مگر اس شہر کو جس کی آبادی اب 2 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے آخر کیا وجہ ہے کہ قانون کی گرفت سے باہر ہو چکا ہے۔اس شہر میں پورے ملک سے لوگ آکر آباد ہیں کوئی تعصب نہیں ہوتا تھا کسی کو منع نہیں تھا مگر اب اسی شہر کو اپنے اپنے علاقوں سے جانا پہچانا جا رہا ہے، علاقے بانٹے ہوئے ہیں۔کراچی کے صنعتکار، تاجر، وکلاء سب متاثر ہیں کورنر سندھ جناب عشرت العباد صاحب سے بھی ایوانِ تجارت کے نمائندوں، تاجر ایسوسی ایشن کے نمائندوں نے بھی

ملاقاتیں کیں، ہڑتال تک کی نوبت آگئی پھر کورنر سندھ کی یقین دہانیوں کی وجہ سے مؤخر کر دی گئی۔ وزیرِ داخلہ رحمان ملک بھی کراچی آکر صورتحال کا جائزہ لیتے رہے اور رینجرز کے تعاون سے آپریشن بھی کیا مگر وہ آپریشن اتنے ناقص طریقے سے یکطرفہ کیا گیا کہ وہاں کے باشندے سڑکوں پر نکل آئے اور پولیس، رینجرز کی گاڑیاں تک جلا ڈالیں۔

کراچی شہر میں حساس بلڈنگوں کے راستے بند کر دیئے گئے، ہوٹلوں کو چار دیواریوں میں چن دیا گیا، سفارتخانوں کی گلیاں بند کر دی گئیں جس سے عوام اور ٹریفک میں رکاوٹیں پڑیں مگر کچھ فرق نہیں پڑا۔یہاں تک کہ موٹر سائیکلوں پر ڈبل سواری پر پابندیاں لگیں پھر یکم محرم الحرام سے 10 محرم الحرام تک بلا جواز موٹر سائیکلوں پر حتیٰ کہ سنگل تک پر بغیر سوچے سمجھے پابندیاں لگائیں۔وہ تو سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحب کی مہربانی سے یہ حکم نامہ معطل کر دیا گیا ورنہ لاکھوں افراد اپنے اپنے روزگاروں پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔یکم محرم سے 10 محرم تک موبائل فون بند کر دیئے گئے بھلا اس سے بڑھ کر بھی قوم کے ساتھ کوئی مذاق ہو سکتا تھا بجائے اس کے کہ غیر قانونی سمیں بند کرنی چاہئے تھیں وہ تو نہیں کرتے عوام کو خصوصاً کاروباری افراد کو زبردست نقصان ہوا۔کراچی پورے ملک سے کٹ جائے گا۔قتل اور دہشت گردی پھر بھی بند نہیں ہوگی۔پھر اوپر سے ایک نئی تکلیف دہ آفت CNG کے نرخ کم کر کے اُس کی سپلائی محدود بنا کر اس شہر کے رہنے والوں کی زندگی اجیرن کر دی۔صبح سے شام تک لمبی لمبی گاڑیوں کی قطاریں لگوا کر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔جبکہ اس صوبے میں حکومت مشترکہ اتحادیوں سے چلائی جا رہی ہے اور ہر اتحادی شاکی اور باغی ہوتا جا رہا ہے۔کون کون اس خونی کھیل میں ملوث ہے سب جانتے ہیں مگر کسی مگرمچھ پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔اس کی وجہ اتحاد کی زنجیریں نہ ٹوٹ جائیں۔حکومت کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے 10 پندرہ جانوں کی روز آنہ امن کے قبرستان پر لاشوں کی بھینٹ چڑھائی جا رہیں ہیں۔نئے وزیرِ اعظم بھی

اسلام آباد میں بیٹھے بیٹھے سندھ حکومت کو احکامات دے رہے ہیں کہ کراچی میں حالات کو کنٹرول کیا جائے مگر کیسے کیا جائے ،سب ہی حصہ دار ہیں۔جس پر ہاتھ ڈالیں وہی آنکھیں دکھلا کر حکومت کو بے بس کر دیتا ہے۔ایک طرف محرم کا مہینہ شروع ہو چکا ہے 10 دن کی خیر خیریت سے عوام دہشت میں مبتلا ہے۔جلسے جلوس،امام بارگاہیں حساس علاقوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ہر کوئی سانحہ سے سہما ہوا ہے اس شہر کو کس کی نظریں کھا گئیں کوئی فوجی حکمرانوں کو الزام دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی کرسی کو مضبوط کرنے کے اس شہر کے نمائندوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی تو کوئی جمہوریت کو الزام دیتا ہے کہ جب بھی عوامی حکومت آتی ہے اس شہر میں قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔سفاک دہشت گرد اپنے اپنے بلوں سے نکل کر معصوم شہریوں پر مالِ غنیمت سمجھ کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔پولیس کم نفری کی شکایت کرتی ہے، رینجرز والے خود اپنا تحفظ کرنے میں ناکام ہیں۔خود ان کے ہیڈ کوارٹرز پر دہشت گرد آزادی سے حملہ کر کے چلے جاتے ہیں آج تک کسی کا سراغ نہیں لگ سکا۔ان کا نیٹ ورک اتنا مضبوط ہے کہ جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں دھماکہ کر کے پولیس اور رینجرز کا مذاق اڑاتے ہیں۔ملک کی معیشت کی کسی کو پرواہ نہیں ہے،ڈالر گزشتہ 5 سالوں میں جو مشرف دور میں 60 روپے تھا اب 100 روپے کی حدیں چھونے کو ہے۔مہنگائی کا رونا اب لوگ رو دھو کر بیٹھ گئے ہیں اور تمام لوگ اس کی آڑ میں منہ مانگے دام وصول کر رہے ہیں۔لوگ تو اب یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ اس سے تو مشرف کا دور کہیں بہتر تھا کم از کم دہشت گردی تو نہیں تھی۔حالانکہ یہی عوامی نمائندے اس وقت بھی مشرف کے ساتھ تھے صرف سربراہان تبدیل ہو گئے مگر حالات بد سے بدتر ہو چکے ہیں۔خدارا اس شہر کو اس دہشت گردی سے نکالیں ورنہ اگر افریقی ممالک کی طرح حالات مزید بگڑے تو اندرونی خانہ جنگی بھی ہو سکتی ہے۔آخر میں میرے ایک قاری نے میاں تنویر قادری صاحب کی نظم " کراچی جل رہا ہے "عوام کی ترجمانی کر رہی ہے حاضر ہے۔

مرے آقا مرے مولا کراچی جل رہا ہے
کرم کے فیصلے فرما کراچی جل رہا ہے

حافظ رات دن سر توڑ کوشش کر رہے ہیں
نتیجہ کچھ نہیں نکلا کراچی جل رہا ہے

انا کی آگ ہے یا زہر ہے بغض وحسد کا
پتہ کچھ بھی نہیں چلتا کراچی جل رہا ہے

لبوں پر سسکیاں سہمی ہوئی ہیں بے کسوں کی
یہ عالم خوف سا ہے کیا کراچی جل رہا ہے

ہر اک جانب ہے اک شور قیامت کی علامت
سنائی کچھ نہیں دیتا کراچی جل رہا ہے

نہا کر خاک وخوں میں روز اٹھتے ہیں جنازے
مگر قاتل نہیں ملتا کراچی جل رہا ہے

ہزاروں بچوں، بوڑھوں، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کا
سہارا چھن گیا گویا کراچی جل رہا ہے

بھڑکتی آگ نے جو کر دیئے مخدوش چہرے
کراچی پہچان ان کی کیا کراچی جل رہا ہے

نظر کس کی لگی ان ہستی بستی بستیوں کو
کسی ساحر نے کیا پھونکا کراچی جل رہا ہے

نئے دولہا کی دولہن رو کہ میت پر پکاری
ابھی سے روٹھ کر مت جا کراچی جل رہا ہے

مسیح عہد حاضر کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا
مرض ہے کیا دوا ہے کیا کراچی جل رہا ہے

نہایت خوں فشاں ہے تری پر جا کے شب و روز
مدد اے شہر کے راجہ کراچی جل رہا ہے

میاں تنویر کی ہے التجا رب دو عالم!
کرم کی بارشیں برسا کراچی جل رہا ہے

﴿ اربابِ اقتدار کے لئے لمحۂ فکریہ ﴾

میں نے گزشتہ کئی کالموں میں حکومت کی توجہ معمول بن جانے والی لاقانونیت اور دہشت گردی کی طرف مبذول کرائی تھی۔ کیونکہ اس وقت پاکستان کا ہر شہری اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے مگر صد افسوس کہ صاحب اقتدار اور صاحب اختلاف دونوں ہی اس سنگین مسئلے کو حل کرنے کے بجائے اقتدار کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ قومی اسمبلی اور دیگر پلیٹ فارموں سے ایک دوسرے پر کرپشن کی الزامات کی بھر مار ہے۔ موجودہ حکومت کو 5 سال ہونے کو ہیں مگر آج تک احتساب بیچ اور دیگر عدالتوں سے کوئی بھی جرم ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ اخبارات کے کالم ان الزامات سے بھرے پڑے ہیں کبھی کوئی خبر سوئٹزرلینڈ کے حوالے سے آتی ہے تو کبھی لندن اور فرانس کے حوالے سے بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی ہے اور پھر دونوں کی طرف سے تردید کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر نئے نئے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ عوام ان سے بے زار ہو چکے ہیں وہ نہ تو حزب اقتدار پر یقین رکھتے ہیں اور نہ حزب اختلاف پر ان کا اعتماد باقی رہا ہے۔ رہی سہی کسر انتظامیہ پوری کر رہی ہے۔

اس وقت صوبہ سندھ بالخصوص کراچی کی صورتحال، باوجود اس کے کہ وزیر اعلیٰ/گورنر بار بار اس کو صحیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر حالت بدستور دگر گوں ہوتے جا رہے ہیں، دہشت گردی اور لاقانونیت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے لسانی تنظیموں کے درمیان کشمکش میں کراچی کے نوجوانوں کا قتل عام ہو رہا تھا جس میں معصوم شہری بھی مارے جا رہے تھے۔ مگر اب ان تنظیموں کی طرف سے اس قتل عام میں کہا جا رہا ہے کہ حکومت کی مختلف ایجنسیاں بھی شامل ہیں۔ چونکہ آج تک کوئی بھی مجرم موقع واردات پر نہیں پکڑا جا سکا اس لئے کوئی نہیں بتا سکتا کہ کون کون اس میں ملوث ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بے اثر ہو چکے ہیں اور موقع واردات پر موجود لوگ

بھی کسی کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ یہ دہشت گرد عدالتوں سے چھوٹ جاتے ہیں اور جب یہ دہشت گرد چھوٹ کر آئیں گے تو اس معصوم شہری کا کیا بنے گا اس سے کوئی واقف نہیں!

دوسری طرف مذہبی تنظیموں کے افراد دن دیہاڑے قتل کئے جا رہے ہیں۔ میری مراد سپاہ صحابہ، اہلسنت، اہل تشیع اور سپاہ محمد سے ہے جن کے چیدہ چیدہ لوگوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہونے والا یہ جہاد بیشتر پنجاب اور سندھ میں ہو رہا ہے جس میں عالم دین بھی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام قرار دیا ہے اور ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ اس کائنات میں خانہ کعبہ کی حرمت سب سے افضل ہے۔ مگر ایک مسلمان کے خون کی عظمت خانہ کعبہ سے بھی بڑھ کر ہے تو کیا وجہ ہے کہ ساری مذہبی تنظیمیں اختلافات کو ختم کر کے ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے اس اذیت ناک باب کو ختم کیوں نہیں کرتیں۔ میرے خیال میں درمیان میں کوئی خفیہ طاقت بھی اپنا کام کر رہی ہے اور جو نہیں چاہتی کہ اہل تشیع اور اہلسنت آپس میں مل جل کر رہیں۔ مگر وہ مسلمان کیسے ہیں جو غیروں کے بہکائے میں آ کر اپنے بھائیوں کا گلہ کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔ خدارا اسلام کے نام پر یہ سلسلہ بند ہونا چاہئے اگر یہ سلسلہ بند نہ ہوا تو مجھے ڈر ہے کہ ہمارے پڑوسی برادر ملک ایران سے ہمارے خوشگوار تعلقات جو ایک طرف افغانستان کی وجہ سے ناراضگی کی طرف جا رہے ہیں اس شیعہ سنی قتل عام پر خراب ہو سکتے ہیں۔ خود حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کا سدباب کرے۔ تمام علماء اور مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے سب فریقوں کو احساس دلائے کہ اس میں نہ صرف دنیاوی نقصانات ہیں بلکہ آخرت میں بھی عذاب ہی عذاب ہے۔ کیونکہ مرنے والا اور مارنے والا دونوں ہی کلمہ گو ہیں۔

کراچی ہی کے حوالے سے تیسری اہم بات سرکاری محکموں کے افسران کا قتل ہے جواب ایک عام بات ہو چکی ہے۔صرف چند ماہ میں کئی افسران قتل ہو چکے ہیں اس سے ایک طرف تو سرکاری افسران اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں تو دوسری طرف ان دہشت گردوں کے حوصلے اور بڑھ رہے ہیں اور وہ جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں جا کر مار آتے ہیں۔حتیٰ کہ سرکاری افسروں کو ان کے دفتروں، گھروں کے سامنے دن دیہاڑے بغیر کسی خوف کے گولیوں کا نشانہ بناتے ہیں اور پھر انتہائی اطمینان کے ساتھ چلے جاتے ہیں جو کہ ایک پوری منصوبہ بندی کے تحت ہی ممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی قاتل نہیں پکڑا گیا اگر ایسا نہیں ہے تو بتایا جائے کہ جب سارے شہر میں رینجرز اور پولیس چوکیاں موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آج تک کوئی قاتل یا مجرم نہیں پکڑا جا سکا اور یہ کہ جب لاقانونیت نے اسی طرح جاری رہنا ہے تو رینجرز کا شہروں میں رہنے کا کیا فائدہ ہے۔پولیس کے موجودہ فرسودہ نظام کو ختم کر کے اسلام آباد کی طرح کراچی میں بھی میٹروپولیٹن پولیس کا نظام لانا چاہئے اور صرف کراچی کے پڑھے لکھے نوجوانوں پر مشتمل ایک نئی پولیس فورس بنانی چاہئے جو مغربی ممالک کی طرح جدید گاڑیوں، وائرلیسوں اور دیگر ضروری ساز و سامان سے لیس ہو۔ان کی تنخواہیں بھی افسران گریڈ کی طرح ہونی چاہئیں۔ہمیں عام 10 پولیس والوں کو بھرتی کرنے کے بجائے ایک اچھا باصلاحیت گریجویٹ نوجوان پولیس والا بھرتی کرنا چاہئے اور 10 پولیس والوں کی تنخواہ کے برابر اگر ہم اس نوجوان سے کام لیں گے تو اس کے نتائج بھی بہتر ہونگے۔جیسا کہ دیگر ممالک میں پولیس کی تنخواہیں سب سے زیادہ اس لئے رکھی جاتی ہیں تا کہ وہ کرپشن میں مبتلا نہ ہوں۔جبکہ ہمارے ملک میں تنخواہ سب سے کم ہے اور اختیارات سب سے زیادہ ہیں۔اس وجہ سے ایک پولیس والا اتنی کم تنخواہ پر گزارہ کر ہی نہیں سکتا۔اسی وجہ سے ہمارے ہاں پولیس کا محکمہ بدنام ترین محکمہ بن چکا ہے۔اس لئے اس نئے نظام کی ضرورت ہے اگر اس نظام کو رائج نہ کیا گیا تو مجرم اسی طرح دندناتے

پھریں گے اور عوام ان کی دہشت گردی سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے اور نہ ہی افسران محفوظ رہیں گے۔

کل بھی پاکستان میں 3 واقعات رونما ہوئے ہیں پہلے اورنگی ٹاؤن میں 2 دھماکے کئے گئے مگر کوئی بھی مجرم پکڑا نہیں گیا۔اس سے پہلے ابوالحسن اصفہانی روڈ پر بھی دہشت گردی ہو چکی ہے۔دوسرا راولپنڈی کلر سیداں میں بھی دہشت گردی میں 22 افراد جاں بحق ہو گئے جبکہ اسلام آباد میں D-8 کے ممالک کی کانفرنس شروع ہو چکی ہے ان لیڈروں پر کیا اثر پڑے گا اور تیسرا واقعہ کوئٹہ میں پیش آیا جو سیکورٹی فورسز کی گاڑی پر ریموٹ کنٹرول بم سے حملہ کیا گیا۔اس میں بھی کئی افراد جاں بحق اور زخمی ہو گئے۔10 محرم الحرام میں چند دن رہ گئے ہیں مگر پورے ملک میں خصوصاً کراچی اور کوئٹہ میں تو عوام دہشت گردی سے سہمے ہوئے ہیں۔کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔

﴿ پاکستان کا کیا بنے گا؟ ﴾

2 سال قبل بھارت اور نیپال حکومت میں کچھ ان بن ہوگئی تو بھارت جو نیپال کو پیٹرول اور ڈیزل سپلائی کرتا تھا تو اس نے تنگ کرنے کے لئے تیل کی سپلائی کم کر دی۔ اتفاق سے ان دنوں میں نیپال سیر و سیاحت کے لئے اپنے بھارتی دوستوں کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ ایئر پورٹ سے جب ہم ہوٹل جا رہے تھے تو جگہ جگہ پیٹرول پمپوں پر پیٹرول لینے کے لئے لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ گاڑیوں کے مالکان پیٹرول پمپ کے نزدیک قطار میں گاڑیاں نیوٹرل کھڑی کر کے اور انجن بند کر کے اپنے کاموں پر چلے جاتے تھے۔ وہاں پمپ کے پاس موٹر بائیک والے ان کو ان کی مطلوبہ جگہ پر پہنچا کر موبائل نمبر لے کر آجاتے۔ جب ان کا نمبر جو غالباً 3 سے 4 گھنٹے کے بعد آتا تو وہ ان کو فون پر مطلع کر کے واپس اپنی بائیک پر لے آتے۔ ان 3 چار گھنٹوں کے دوران وہ موٹر بائیک والے دھکا لگا لگا کر پمپ کے قریب دھکیل دیتے۔ یہی حال موٹر بائیک والوں کا بھی تھا ایک طرف گاڑیوں کی لمبی لمبی لائنیں ہوتی تھیں تو دوسری طرف اس سے بھی بڑی لائن موٹر بائیک والوں کی ہوتی تھیں مگر بائیک والوں کا نمبر جلدی آجاتا تھا۔ یہ تکلیف دہ مرحلہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ ہمارے ملک میں کم از کم نہ پیٹرول کی قلت ہے اور نہ ہی گیس کی۔ ہر طرف اس سے ہم بے نیاز تھے جبکہ نیپال اور بھارت کے درمیان کوئی ویزہ سسٹم نہیں ہے۔ بھارتی اور نیپالی عوام ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں یہاں تک کہ بازار میں نرخوں میں بھارتی روپیہ اور نیپالی سکہ دونوں ساتھ ساتھ لکھے ہوتے ہیں۔ عام طور پر بھارتی روپیہ بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا لین دین میں چلتا تھا۔ پاکستانیوں کو ائیر پورٹ پر ویزہ مل جاتا ہے، سیاحت (Tourism) نیپال کا سب سے زیادہ کمائی کا ذریعہ ہے۔ خیر بات کہاں سے کہاں نکل گئی جب سے گیس کی بندش شروع ہوئی تو پہلے عوام کو محسوس نہیں ہوا مگر جب دام بے تحاشہ بڑھائے جاتے رہے تو عوام کی طرف سے احتجاج ضرور ہوا

۔میڈیا بھی بولا مگر حکمرانوں اور خصوصاً پیٹرول اور گیس کی وزارت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی تو ہمارے چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری صاحب نے خود ایکشن لیا کہ گیس تو ہمارے ملک میں پیدا ہوتی ہے تو پھر اس میں اتنی تیزی سے ردوبدل کیوں کیا جا رہا تھا اور وہ بھی ہر ہفتے کے ہفتے۔ اوگرا جو اس کی اتھارٹی ہے از خود نرخوں کے اتار چڑھاؤ میں مصروف تھی اس کو روکا گیا اور اضافی سرچارج عوام کو دینے سے روک دیا گیا۔ پھر پورے ملک میں دام تو کم ہو گئے مگر اس کی سپلائی روک دی گئی جب چاہا ناغوں کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور جب گیس کے ڈیلروں کی کمائی کم ہوئی تو انہوں نے اس ستائی ہوئی قوم کو عذاب میں ڈال کر ہڑتال کر دی۔ جب حکومت نے دباؤ ڈالا تو کچھ اسٹیشن کھل گئے۔ مگر ایک تو اتنی لمبی لائنیں جو میں نے نیپال میں دیکھی تھیں وہ تو کچھ بھی نہیں تھی جو حال ہی میں، میں نے چند دنوں میں دیکھا تو لگتا تھا کہ ملک میں ہنگامی حالات سر پر آگئے ہیں اور گیس ختم ہو چکی ہے۔ عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ حکومت ان ڈیلروں سے بات نہیں کرنا چاہتی نہ ہی اپنا ٹیکس کم کر کے عوام کو سستی گیس دینا چاہتی ہے۔ دوسری طرف ڈیلر صاحبان بھی اپنی طرف سے ڈٹے ہوئے ہیں کہ ان کے منافع میں کیوں کمی آئے دونوں طرف سے عوام پس رہے ہیں۔

9,8 دس محرم کو عوام کو گھروں میں قید کیا گیا 3 دن کی چھٹی کر دی گئی، موبائل فون بند کر دیئے گئے کسی کو ترس نہیں آیا۔ پورا ملک خصوصاً کراچی، اسلام آباد کو ئٹہ پوری دنیا سے کٹ گیا ان 3 دنوں کی بندش سے لاکھوں افراد قریبی ممالک خصوصاً امارات گھومنے نکل گئے۔ ایک طرف خوف و دہشت گردی سے بچنے کے لئے، دوسری طرف قید و تنہائی سے شاکی۔ پوری دنیا میں ہماری کتنی بدنامی ہوئی ہوگی اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ کہتے ہیں کہ پاکستانی حکمران کیسے کیسے طریقے سے دہشت گردی کی روک تھام کے بجائے عوام کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ فوج، رینجرز اور پولیس سب ناکام نظر آتے ہیں، گھروں میں قید کرنا غاروں کے زمانے کی تاریخ دوہرا رہے ہیں۔ عوام سب برداشت

کرنے پر مجبور ہیں۔ 3 دنوں میں اربوں روپے کا نقصان تو صرف معیشت کو پہنچا ہے اور پھر کل کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ دہشت گرد اتنے منہ زور ہو چکے ہیں کہ ہمارے وزیر داخلہ 20 کروڑ روپے صرف ایک طالبان کی معلومات فراہم کرنے والے "احسان اللہ احسان" جو طالبان کا ترجمان بتایا جاتا ہے کو انعام دینے کو تیار ہیں۔ اربوں روپے موبائل کمپنیوں کے ڈوب گئے، پی ٹی سی ایل ایکسچینج جو اپنی افادیت کھو چکا تھا اب لوگ دوبارہ اس کے کنکشن لگوانے لگے ہیں کم از کم خیر و عافیت تو معلوم ہوتی رہے گی۔

الیکشن سر پر آرہے ہیں سیاستدان بھانت بھانت کے وعدے اور وعیدیں کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اخبارات اور ٹی وی چینلز، ملاکھڑے اور مذاکرے کر کے عوام کو اپنا ہمدرد ثابت کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ پہلے ہی کم مصیبتیں عوام جھیل رہے ہیں اوپر سے یہ نئی آفت گیس کی لائنیں اگر اسی طرح جاری رہیں تو کل پیٹرول اور ڈیزل کا نمبر بھی آسکتا ہے۔ کسی کو عوام کی فکر نہیں ہے، لاقانونیت اور دہشت گردی اب حکومت کی بس سے باہر ہو چکی ہے۔ آج ہی کے اخبارات میں امریکن سروے بتا رہا ہے کہ اب دہشت گردی اور غیر محفوظ ممالک کی فہرست میں پاکستان 100 میں سے 7 نمبر پر آچکا ہے۔

قائداعظم کے پاکستان کو ہم کہاں لے جانا چاہتے ہیں خدارا عقل کے ناخن لیں۔ بہت جگ ہنسائی ہو چکی ہے پاکستان کا نام آتے ہی باہر کے ممالک میں عوام منہ بگاڑتے ہیں جیسے ہم کوئی وحشی مخلوق ہیں جن سے ہر کوئی بچنا چاہتا ہے۔ یہ عذاب عوام سے کب ٹلے گا خود عوام ہی سوچیں اور فیصلہ کریں کہ پاکستان کا کیا بنے گا؟ اور کون سدھارے گا؟ اس بگڑے معاشرے کو اور آنے والی نسلیں ہمیں کس نام سے پکاریں گی۔

ضمنی انتخابات یا خطرے کی گھنٹی

کہا جا رہا ہے کہ فروری 2013ء میں الیکشن ہونگے۔ یہ باتیں حکومتی حلقوں میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ ادھر الیکشن کمیشن جس کی سربراہی جناب ریٹائرڈ جسٹس فخر الدین جی ابراہیم کر رہے ہیں پورے زور و شور سے جاری ہے۔ البتہ سندھ میں نئی اور پرانی حلقہ بندیوں پر اختلافات کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ خود حکمران جماعت پی پی پی والے بھی اس نئی حلقہ بندیوں پر شاکی نظر آتے ہیں۔ مگر بظاہر خاموش ہیں کسی وقت بھی یہ لاوا پھٹ سکتا ہے۔ سپریم کورٹ نے بھی حالیہ فیصلے میں الیکشن کمیشن کو ووٹروں کی لسٹ کی دوبارہ جانچ پڑتال کا حکم جاری کر دیا ہے۔ اس کی وجہ بھی چند سنگین ووٹروں کی اندراج سامنے آئی ہیں۔ سندھ میں تو عام طور پر ووٹروں کا اندراج غلط ہوتا رہا ہے، ایک ایک کوٹھ کے نام پر ہزاروں ووٹروں کا جعلی اندراج ماضی میں نظر آتا رہا مگر کبھی بھی اس کو صحیح کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ مگر اب کراچی کے ایک 200 گز کے مکان میں 600 سے زائد ووٹروں کا اندراج حیران کن تھا جو سب کے سامنے لایا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ الیکشن کمیشن اتنے کم وقت میں کیسے اس سنگین مرحلے سے گزر کر صحیح ووٹروں کا دوبارہ اندراج کرے گا۔ اس کی ایک وجہ کراچی میں گروپ بندی اپنے عروج پر ہے۔ تمام علاقے مخصوص آبادیوں کی بناء پر الگ الگ بٹے ہوئے ہیں۔ خصوصاً پٹھان، سندھی اور مہاجر علاقے تو بہت مضبوط گڑھ بن چکے ہیں تو دوسری طرف مذہبی گروپ بھی حرکت میں آچکے ہیں۔ طالبان فیکٹر بھی اب چند علاقوں میں نظر آرہا ہے۔ صاف شفاف الیکشن کروانے کا دعویٰ تو کیا جا رہا ہے مگر حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ اگر الیکشن فوج کی نگرانی میں ہوئے تو پھر صاف شفاف الیکشن ہو سکتے ہیں۔ پولیس اور رینجرز تو اب بہت سے علاقوں میں داخل بھی نہیں ہو سکتی اس کی وجہ بھی دہشت گردی کی آڑ میں اسلحہ کی بھرمار ہے اور سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کے دور میں لاکھوں کلاشنکوف کے قانونی لائسنس بھی جاری کئے گئے تھے۔ غیر

قانونی اسلحہ کی بات چھوڑیں اس کی تعداد کسی کو نہیں معلوم تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے پاس ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو الیکشن کے موقع پر معلوم ہونگے۔

بات آنے والے الیکشن کی ہو رہی تھی مگر گذشتہ ہفتے پنجاب میں ضمنی انتخابات ہوئے تو حکومتی اتحاد میں زبردست دراڑ پڑ گئی اور غیر متوقع طور پر پی پی پی اور (ق) لیگ کے مشترکہ مضبوط ترین اُمید وار بری طرح ہار گئے۔ 8 حلقوں میں سے 6 حلقوں میں مسلم لیگ (ن) کی غیر متوقع کامیابیاں حکومتی حلقوں کو ہلا کر رکھ گئیں۔ صرف ایک حلقے سے (ق) لیگ کا اُمید وار کامیاب ہوا اور ایک حلقے سے آزاد اُمید وار کامیاب ہوا۔ یہ سب کچھ ایک دن میں ہوا، ہر طرف شور مچ گیا۔ ہارنے والوں نے الیکشن میں دھاندلیوں کا الزام لگا کر الیکشن نتائج کو مشکوک بنانے کی پوری کوشش کی۔ مگر دھاندلیوں کا ریکارڈ اور ثبوت فراہم کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ محض الزامات برائے الزامات تو ہماری روایتوں کا حصہ ہیں۔ ہمارے سیاستدان اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے کے بجائے سامنے والے پر دھاندلی، دھونس، رعب و دبدبہ کا الزام لگا کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ خود مرکز میں وزیر اعظم اور نائب وزیر اعظم پی پی پی اور (ق) لیگ سے تعلق رکھتے ہیں اور مرکزی پوری انتظامیہ وہ خود چلا رہے ہیں۔ پھر دھاندلیوں کا الزام سامنے والی پارٹی پر کیسے لگا سکتے ہیں۔ خصوصاً ووٹوں کی تعداد بھی وہی ہو تو پھر کیسے الزامات کو ثابت کرینگے۔ جبکہ اب الیکشن کمیشن بھی غیر جانبدار ہے کوئی ٹھوس ثبوت بھی الیکشن کمیشن کو نہیں پیش کیا گیا۔ سوائے الزامات کے وہ بھی میڈیا پر آ کر گھنٹوں اس پر ضائع کئے گئے۔ اگر ٹھوس ثبوت ہوتے تو یقیناً الیکشن کمیشن اس کا نوٹس لیتا اور الیکشن رکوایا بھی جا سکتا تھا مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہوا۔ دراصل یہ 5 سالہ حکومتی بدنظمی، کرپشن، دہشت گردی، گیس اور بجلی کے بحرانوں سے عوام کا ردعمل تھا جو اس نے خاموش 5 سالہ مسلم لیگ (ن) کی مثبت سیاست کا بدلہ اتارا اور مسلم لیگ (ن) کے حق

میں فیصلہ کر دیا۔ عوام نے عمران خان کو مسترد کر دیا جو خود عمران خان کی پارٹی نے اپنے آپ کو الیکشن کے امتحان سے دور رکھا۔ سیاسی حلقے ان ضمنی انتخابات کو آنے والے الیکشن کی راہ ہموار کرنے سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ گویا اتنا مضبوط ترین اتحاد اب اپنی بے بسی کا رونا روئے گا نہ باہر سے سونامی آئے گی اور نہ ہی اندر والے اتحادی اس سے بچیں گے۔ البتہ نئے نئے اتحاد کچھ کر دکھائیں گے۔ قوم کو ان 5 سالوں میں حکومت اور اس کے اتحادیوں سے مایوسیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب لاکھ وہ جعلی ووٹوں اور دھاندلیوں کے الزامات کی آڑ لے کر حقائق تسلیم نہ کریں تو یہ ان کی بھول ہوگی۔ 5 سال عدلیہ سے محاذ آرائی نے بھی عوام کو مایوس کیا کیونکہ عدلیہ نے مقدور بھر عوام کے حق میں فیصلے تو دیئے مگر حکومت نے ٹال مٹول کر کے ان کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اگر وہ خوش دلی سے پیٹرول اور گیس کی قیمتوں میں اعتدال رکھتے، گھنٹوں گاڑیوں کی لائنیں نہ لگواتے تو عوام پی پی پی کو ووٹ ڈالتے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا، وزراء کی کارکردگی صفر اور کرپشن صد فیصد ہو۔ اخبارات میں روز آنہ اربوں روپے کی کرپشن وہ بھی ہر محکمہ کی آ رہی ہو، عوام غربت و افلاس میں گھرے ہوئے ہوں اور حکمران چین کی نیند سو رہے ہوں تو الیکشن کے نتائج ایسے ہی ہونگے۔ صرف سندھ میں نتائج مختلف ہو سکتے ہیں۔ نوشہرو فیروز کے ضمنی الیکشن میں بہت کم ووٹ پی پی پی کے اُمید وار کو ملے جبکہ وہاں اس کے حریف نے دھاندلی کے الزامات لگا کر الیکشن کا بائیکاٹ کیا جس کا تعلق این پی پی سے تھا۔ جو حکومت سندھ میں پہلے اتحادی تھی۔ پیر پگارا کی مسلم لیگ بھی الگ ہو چکی ہے صرف ایم کیو ایم سے اتحاد باقی ہے۔ اے این پی بھی مصلحتاً خاموش ہے مگر علیحدگی کے لئے پر تول رہی ہے۔ اے این پی کے سربراہ اسفندیار ولی صاحب نے کراچی کے شاہی سید کو چپ کرا رکھی ہے۔ مگر اخباری بیانات میں وہ دل کا بوجھ ہلکا کرتے رہتے ہیں۔ سرحد اور بلوچستان میں بھی اتحادیوں میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن دو مرتبہ باہر جا کر واپس آ چکے ہیں

۔وہ مذہبی نئے اتحاد سے خائف ہیں۔جماعت اسلامی جوایم ایم اے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے وہ مولانا فضل الرحمٰن کے سیاسی مصلحتوں سے ناراض ہوکران کے اتحاد سے الگ ہوکر نئے اتحاد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ہوسکتا ہے پنجاب کے ضمنی نتائج کا اثر سندھ میں بھی پڑسکتا ہے۔الیکشن میں کچھ بھی پوشن کوئی آخری نہیں ہوتی۔بہر حال خطرے کی گھنٹی تو بج چکی ہے۔

﴿ کالاباغ ڈیم یا پنڈورا بکس ﴾

لاہور ہائی کورٹ نے کالاباغ ڈیم بنانے کا اچانک اعلان کر کے سندھ اور خیبر پختونخواہ کے سیاستدانوں کے لئے ایک نیا محاذ کھول دیا ہے۔اس کے حتمی نتائج کیا ہوں گے،اس پر تبصرہ کرنا قبل از وقت ہے کیونکہ پنجاب کے سیاستدانوں کے نزدیک اس ڈیم کی تعمیر صوبہ کیلئے زندگی کا درجہ رکھتی ہے جبکہ سندھ اور خیبر پختونخواہ کے سیاستدان اس کو اپنے اپنے صوبے کیلئے زرعی موت قرار دیتے ہیں۔گویا اس گڑھے مردے کو اُکھاڑنا ایک پنڈورا بکس کھولنے کے مترادف ہے۔جنکی حقیقت کسی کو بھی معلوم نہیں مگر یہ ان بازی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے ہیں۔ میرے خیال میں تینوں صوبوں کے عوام کو نہ تو یہ معلوم ہے کہ اس ڈیم کے بنانے میں کیا فوائد ہیں اور نہ یہ کہ اس کے کیا کیا نقصانات ہوسکتے ہیں۔کیونکہ نہ تو عوام اتنے باشعور ہیں اور نہ ہمارے تمام سیاستدان ٹیکنو کریٹس ہیں البتہ جو سیاسی دکان جس قدر چمکائے گا عوام اس کے پیچھے نعرے بازی بلہ گلہ کریں گے اور بعد میں ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ تحریک کی صورت بھی اختیار کر لے کیونکہ صورتحال کچھ اس طرح ہوگی کہ ایک صوبے میں منصوبے کے مخالف میں جلوس نکل رہے ہونگے اور اس کے خلاف نعرے لگ رہے ہونگے تو دوسرے صوبے میں ڈیم بنانے کے حق میں نعرے لگ رہے ہونگے۔اور دونوں طرف عوام کو یہ تک معلوم نہ ہوگا کہ وہ حمایت یا مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسا ایک مرتبہ کراچی میں حکومت کے خلاف ایک بہت بڑا جلوس گزر رہا تھا اور شرکاء اپنے مطالبات کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔کسی بزرگ نے جلوس میں شریک ایک بچے سے پوچھا کہ بیٹا تمہارے کیا مطالبات ہیں اور جلوس کیوں نکال رہے ہو تو اس بچے نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ جلوس کیوں نکل رہا ہے اور ہمارے کیا مطالبات ہیں۔یہ مطالبات تو کالج کے لڑکوں کو معلوم ہیں۔قطع نظر اس کے کہ ڈیم بننا چاہیے کہ نہیں ہم کو سب سے پہلے اس بات پر نگاہ رکھنی چاہیے

کہ اس کی آڑ میں ہماری قومی یکجہتی کو نقصان نہ پہنچے اور چھوٹے صوبوں کے عوام پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کے خلاف کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار نہ کرلیں ۔ کیونکہ مخالف صوبوں کے سیاستدانوں کے تیور یہی بتا رہے ہیں ۔لہٰذا حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ ڈیم بنانے کا ارادہ فوری طور پر ترک کر کے سب سے پہلے اس ڈیم کے بنانے اور نہ بنانے سے ہونے والے فوائد اور نقصانات کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا جائے ۔ چاروں صوبوں کے ماہرین کے علاوہ غیر جانبدار غیر ملکی ماہرین ڈیم کی تعمیر کے تمام فنی پہلوؤں کا باریک بینی سے جائزہ لیں اور ایمانداری اور دیانتداری سے اس سے پیدا ہونے والے نقائص دور کریں کسی بھی صوبہ کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی نہیں ہونی چاہیے اور کسی صوبے کی زمینیں اگر بنجر ہونے کا احتمال ہو تو اس کی پوری پوری رقم ادا کی جائے اور جس صوبے کا اور بھی کوئی نقصان ہو تو اسکی پیشگی تلافی کی جائے ۔ اگر تمام صوبے اس بات پہ راضی ہوں تب اس ڈیم کو بنانے کا اعلان کیا جائے اور اس ڈیم کا نام کالا باغ ڈیم کے بجائے پاکستان ڈیم رکھا جائے ۔ اور اگر تمام ماہرین مشترکہ طور پر ڈیم کی تعمیر کے حق میں نہ ہوں تو اس کا ارادہ فوری طور پر ترک کر دیا جائے ۔ دنیا میں جہاں بھی بڑے بڑے ڈیم بنتے ہیں وہاں صرف اور صرف ملک کی معیشت کا خیال رکھ کر پوری منصوبہ بندی کر کے بنائے جاتے ہیں ۔ میں پاکستان کے سیاستدانوں سے اپیل کروں گا کہ خدارا اس ڈیم کو سیاسی مسئلہ ہرگز نہ بنایا جائے اور نہ اس کو کسی صوبے کے لیے مخالفت برائے مخالفت کی شکل دی جائے بلکہ ایک سچا پاکستانی بن کر ملک کی زرعی معیشت کو بڑھانے کیلئے ایک میز پر بیٹھ کر اس کو حتمی شکل دیں ۔ اس ڈیم کو بنانے میں ہرگز ہرگز کوئی جلدی نہیں کی جائے کیونکہ یہ تمام اقدامات اُٹھانے سے پہلے اس کے نفع اور نقصان کا جائزہ نہیں لیا گیا اور ایک دور میں قومی اسمبلی میں اکثریت کے بل پر اس کا نفاذ کر دیا گیا تھا جس پر حزبِ اختلاف کو اعتماد میں لیا گیا اور نہ ہی اس سے مشورہ لیا گیا تھا جس کی وجہ سے حکومت اور حزبِ اختلاف ایک دوسرے

سے دور سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں جو کسی بھی صورت ملک کیلئے بہتر نہیں ہے اور ہمارے لیے ایسا ڈیم قابل قبول نہیں ہے جو پاکستان کی سلامتی یا یکجہتی کو نقصان پہنچائے ۔

عوام کو یہ بھی بتانا چاہیے کہ کالا باغ ڈیم کے بننے میں کتنی رقم صرف ہوگی اور اس میں کتنا وقت لگے گا ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ اس سے کتنی بجلی حاصل ہوگی ۔ کتنی بنجر زمینیں آباد ہونگی اور کتنا پانی دستیاب ہوگا ۔ جس سے صوبوں کو کتنا فائدہ پہنچے گا اور بہتر یہ ہوگا کہ اس متوقع فائدہ کو متاثرہ صوبوں میں برابر برابر تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا جائے تا کہ کسی صوبے کی حق تلفی نہ ہو۔

﴿عیسائی تہواراور مسلمانوں کے تہواروں میں فرق﴾

آج کل نفسانفسی کے دور میں بھی میرے قارئین بہت نصیحت آمیز ای میلز بھیجتے رہتے ہیں جس کو میں اپنے دیگر قارئین کی نظر کرتا رہتا ہوں۔ملاحظہ ہوایک بزرگ کو جب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو بلا کر وصیت کی کہ جب ان کا انتقال ہو جائے تو ان کو نہلا دھلا کر کفنایا جائے تو ایک پاؤں میں وہ موزہ بھی پہنا دیا جائے جو انہوں نے مرنے کے وقت پہنا ہوا ہو۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے صاحبزادوں نے کفن میں لپٹی لاش میں ایک موزہ پہنانے کی کوشش کی تو تمام افراد، دوست و احباب اور مولانا صاحب نے سختی سے ان کے صاحبزادوں کو منع کیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔صاحبزادوں نے مرحوم کی یہ وصیت پڑھ کر سنائی۔کچھ لوگوں نے کہا کہ مرحوم کی آخری خواہش پوری کرنی چاہیے، کچھ نے کہا کہ یہ وصیت غیر اسلامی ہے اس لیے نہیں پوری کی جا سکتی۔صاحبزادوں کا اسرار اور کچھ مرحوم کے دوستوں کا کہنا تھا کہ وصیت ہر حال میں پوری کی جائے جبکہ دیگر افراد کا کہنا تھا کہ یہ ہو نہیں سکتا۔بات تکرار سے بھی جھگڑے کی شکل اختیار کرنے لگی تو سب سے چھوٹے بیٹے نے کہا کہ ابا جان نے مجھے بھی ایک خط دیا تھا کہ اگر ان کی وصیت پر عمل نہ ہو سکے تو اس خط کو پڑھ کر سب کے سامنے کھول کر سنا دینا۔چنانچہ جب خط کو کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ میرے بچو! جب تم کو دنیا والے خود تمہارا بے کار ترین مال ایک موزہ جو کسی کے کام کا بھی نہیں ہوتا۔قبر میں ساتھ لے جانے کی بھی اجازت نہیں دے سکتے تو تم دنیا کے قیمتی مال ہضم کر کے کیا کرو گے۔خبردار اس حرام مال سے بچنا کیونکہ یہ یہیں چھوڑ کر جانا پڑے گا۔قرآن مجید میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے کاش لوگ سمجھیں۔اتفاق سے راقم آج کل لندن میں اپنی بیٹی کے گھر بچوں کی چھٹیوں کی وجہ سے اور ہمارے ملک میں بھی سال کے آخری دنوں کی سالانہ چھٹیوں کو گزارنے یہاں کی سیر کرنے آیا ہوں۔تو ایک طرف ہمارے ملک میں خصوصاً کراچی میں دہشت

گردی، قتل و غارت گری اپنے عروج پر ہے۔مسلمان مسلمان کا گلا کاٹنے میں لگا ہوا ہے اور یہاں لندن میں مسلمان عیسائیوں کے ملک میں بالکل محفوظ زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا تہوار کرسمس اور نئے سال کی خوشیوں میں مگن ہیں۔ہر طرف سستے مال کی سیل لگی ہوئی ہے۔اتنی سستی کہ 70 فیصد تک سیل لگا کر ہر کسی کو اس موقع سے فائدہ پہنچانا یہاں کا دستور ہے۔ایک ہم مسلمان ہیں کہ جو اپنے تہواروں پر دگنے اور تگنے دام بڑھا کر عوام کو لوٹتے ہیں۔حتیٰ کہ رمضان المبارک جیسے مہینے میں مہنگائی کر کے روزہ داروں کی بد دعائیں لیتے ہیں۔تمام عیسائی ممالک بشمول امریکہ، کینیڈا، یورپ سب ممالک اپنے اپنے تہواروں پر خصوصی سیل کا اہتمام صدیوں سے کر رہے ہیں اور اسی وجہ سے ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں مگر خوش قسمتی سے راقم کو زندگی میں پہلی مرتبہ اس دورے میں ایک مسلمان بنگلہ دیشی ریسٹورنٹ کے مالک سے واسطہ پڑا۔ہم لندن سے 400 میل دور اسکاٹ لینڈ پہنچے، میرے ساتھ میری بیگم، داماد، بیٹی اور ان کے دو بچے بھی تھے۔رات 10 بج چکے تھے۔ہوٹل میں سامان رکھ کر اس چھوٹے سے گاؤں جس کا نام ”گریٹنا (Gretna)“ تھا۔حلال کھانے کی تلاش میں نکلے۔شدید بارش میں ایک ریسٹورنٹ کی لائٹ کھلی ہوئی تھی۔ہم پہنچے تو ریسٹورنٹ بند ہو چکا تھا۔وہ صفائی کر رہے تھے۔ہم نے کہا کھانا مل سکتا ہے؟ اس کے نوکر نے کہا کہ ریسٹورنٹ بند ہو چکا ہے۔اتنے میں اس کا مالک جس کا نام عبدالباری تھا کچن سے باہر آیا۔اس نے جب ہماری فیملی کو دیکھا تو نوکر سے کہنے لگا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ان کو کھانا دو۔ہم نے بھوک کی وجہ سے بہت زیادہ آرڈر دے دیا۔اس نے آ کر کھانا کم کروا دیا کہ آپ آرام سے کھائیں ہماری ڈشیں لندن کی طرح کم نہیں ہوتیں بھرپور بھری ہوتی ہیں۔اور واقعی ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا وہ بھی آدھی ڈشیں کافی تھیں۔ایک ایک روٹی دو دو روٹیوں کے برابر تھیں۔بہت دلچسپ آدمی تھا۔اس نے کہا کہ وہ صرف 5 گھنٹے ریسٹورنٹ کھولتا ہے۔شام 5 بجے سے صرف 10 بجے تک

ریسٹورنٹ کھلتا ہے۔11 بجے تک صفائی کر کے رات بھر وہ مطالعہ کرتا ہے اور صبح کی نماز پڑھ کر سوتا ہے اور پھر دوپہر ظہر کے وقت اُٹھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، فیملی کے ساتھ شام کو پھر ریسٹورنٹ کھولتا ہے ۔اس کو دولت جمع کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔صرف اتنا کمانا چاہتا ہے جس سے اس کی فیملی آرام سے زندگی گزار لے۔آج کے دور میں بھلا ایسا صبر والا انسان کہاں ملتا ہے وہ بھی یورپ میں ۔کاش ہم مسلمان بھی اس سے سبق سیکھیں مگر افسوس ہم سب مسلمانوں کو خصوصیت سے حسد اور طمع لالچ نے گھیر رکھا ہے۔آج ہم مسلمان ممالک کے پاس دنیا بھر کی دولت، پیٹرول، گیس، سونا، چاندی، مارٹل، اناج، سبزیاں، پھل وغیرہ سب ہی کچھ ہے مگر قناعت اور ایمانداری نہیں ہے۔ہم 50 سے بھی زائد ممالک آج سب کے آگے دہشت گردوں میں شمار ہوتے ہیں۔لوگ ہمارے مذہب سے خائف ہیں اور ہم کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔کاش ہم ان غیر مسلموں سے ہی کچھ سیکھ لیں۔

﴿ کون الیکشن کو سبوتاژ کرنا چاہتا ہے؟ ﴾

موجودہ جمہوری حکومت کے 5 سال مکمل ہونے کے قریب پہنچ رہے تھے، الیکشن کمیشن کے سربراہ فخر الدین جی ابراہیم اپنا اہم کردار ادا کرنے کے لئے سرگرم ہو چکے تھے۔بات چیت اب سیٹ اپ اور درمیانی مدت کے لئے نگران حکومت لانے کی بھی بہت زور وشور سے بحث جاری تھی اور یہی لگ رہا تھا کہ حزب اختلاف اور حزب اقتدار دونوں متفق ہو چکے ہیں اور اب سرکاری نوٹیفکیشن آیا اور جب آیا کہ اچانک علامہ طاہر القادری جن کا 1 ماہ سے تمام بڑے بڑے شہر بشمول کراچی میں پوسٹروں سے آگاہ کیا جارہا تھا کہ وہ پاکستان واپس لوٹ رہے ہیں اور ان کا نعرہ سیاست نہیں ریاست کو بچانے کی آخری کوشش کی جائے گی۔تو اچانک ہر طرف بھونچال آگیا سیاستدانوں نے حمایت اور مخالفت میں زبردست بیان بازی شروع کردی۔پھر لاہور کے بہت بڑے جلسے کے بعد تو میڈیا نے ان کا ٹرائل شروع کردیا۔ان کے خلاف بہت سے اینکروں نے ٹی وی میڈیا پر اور کچھ نامور کالم نگاروں نے ان پر شکوک وشبہات کی یلغار کردی اور ان کی ماضی کی سیاست کے حوالے سے اور موجودہ تقریروں، پریس کانفرنسوں کے حوالے سے متضاد کالم بھی لکھ دیئے۔کم از کم ابھی تک میری نگاہ سے ایک کالم بھی ان کے حق میں نہیں لکھا گیا۔پہلے تو عمران خان تحریک انصاف کے سربراہ کی حیثیت سے ان کے اقدامات کی حمایت کر چکے تھے مگر جب انہوں نے نگران وزیر اعظم نہ بننے کا اعلان کیا اور 14 جنوری 2013ء کو اسلام آباد مارچ کا عندیہ دے دیا تو وہ اس لانگ مارچ سے پیچھے ہٹ گئے۔البتہ ان کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے، مسلم لیگ (ق) کے چوہدری شجاعت حسین اور چوہدری پرویز الٰہی صاحبان نے ان سے خصوصی ملاقات کی اور مثبت ردعمل کا اظہار کیا۔البتہ متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ نے طاہر القادری کی کھل کر نہ صرف حمایت کی بلکہ لاہور کے جلسے میں بھرپور شرکت اور پھر کراچی میں 90 پر بلا کر ان کے حق میں بہت بڑا جلسہ کر کے ان

کے 14 جنوری کے لانگ مارچ کی نہ صرف توثیق کی بلکہ اپنے تمام کارکنوں، عوام اور ہمدردوں کو بھر پور شرکت کرنے کا اعلان بھی کر دیا جس سے حکمران حلقوں میں زبردست کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ اسلام آباد کا گھیراؤ حکومت کا گھیراؤ سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ خود متحدہ قومی موومنٹ حکومت کی سب سے اہم حلیف ہے جو روز اول سے آصف علی زرداری کی بھرپور حمایت کرتی رہی ہے۔ اس اچانک تبدیلی سے پی پی پی حلقے کو گوں میں پڑ گئے اور اس گتھی کو سلجھانے کے لئے وزیر داخلہ رحمٰن ملک جو گذشتہ 5 سالوں میں لندن جا کر جناب الطاف حسین صاحب کو منوانے میں بہت مشہور تھے اس موقع پر ناکام دکھائی دیئے ہیں اور قائد تحریک نے ان کو آخری خبریں آنے تک پاکستان واپس جانے تک علامہ پروفیسر طاہر القادری سے ملاقات کا مشورہ دیا ہے۔ وہ جا کر ان سے 14 جنوری 2013ء کے لانگ مارچ کو روکنے کے لئے بات چیت کریں۔ البتہ قائد تحریک نے حکومت سے نکلنے کی تردید بھی کر دی تا کہ جمہوریت کو ڈی ریل کرنے کی افواہیں جو گذشتہ 1 ہفتہ سے مخصوص حلقوں کی طرف سے پھیلائی جا رہی تھیں ان کو لگام دیا جا سکے اور ایم کیو ایم پر اس کا الزام بھی نہیں لگ سکے اور یہ بھی معلوم کیا جائے کہ علامہ طاہر القادری صاحب کس قسم کی اصلاحات چاہتے ہیں۔ کیا ان اصلاحات کی وجہ سے الیکشن کو ملتوی ہونے سے روکا جائے یا پھر الیکشن کو ان سے مؤخر کر دیا جائے۔ موجودہ الیکشن کے انعقاد کے لئے چیف الیکشن کمیشن کی تمام سفارشات خود حکومت بھی مان چکی ہے اور ان پر عمل درآمد کے احکامات بھی خصوصی طور پر جاری کر دیئے گئے ہیں۔ دوسری طرف الیکشن کی نگرانی خود فوج کی طرف سے بھی مل چکی ہے تا کہ شفاف الیکشن کا انعقاد ممکن بنایا جا سکے۔ تا کہ پوری دنیا کے سامنے عوام کھل کر اپنے اپنے نمائندوں کا چناؤ کر سکیں اور دھاندلیوں سے پاک اصل نمائندے آئندہ اقتدار سنبھال کر اس ملک سے کرپشن، دہشت گردی، لاقانونیت کا خاتمہ کر سکیں۔ اتنے کم وقت میں کیا ایسا ممکن ہو سکے گا جبکہ مسلم لیگ (ن) کھل کر طاہر القادری کی آمد اور لانگ

مارچ کی مخالفت کر رہی ہے۔ جناب نواز شریف صاحب کا کہنا ہے کہ الیکشن ملتوی کرانے کے لئے خود حکومت نے لانگ مارچ سیاست نہیں ریاست کا نعرہ یہ در پردہ ایک چال ہے جس کی وجہ سے عوام کو سڑکوں پر لا کر امن و امان کی صورتحال کو بگاڑ کر جمہوریت دشمن عناصر کو کھلا موقع فراہم کیا جائے تا کہ حکومت کے 5 سالہ کردار پر پردہ ڈالا جا سکے اور ایک تیر سے 2 شکار کر کے الیکشن کو ملتوی کرانے کا پورا بہانہ حکومت کے ہاتھ آ جائے مگر ایک طرف عوام جو موجودہ حکومت سے شاکی ہیں۔ عمران خان فیکٹر کو بروئے کار لانے کی اُمیدیں رکھتے ہیں اس اچانک تبدیلی سے پریشان ہیں اور خود موجودہ حکومت بھی پریشان ہے کہ کہیں مصر کی طرح یا لیبیا کی طرح عوام کا ریلہ تحریر اسکوائر (جہاں سے مصری حکمران حسنی مبارک) کے خلاف شروع ہونے والی تحریک دیکھتے ہی دیکھتے کامیابی سے ہمکنار ہو کر 3 دیہائیوں سے زیادہ اور مضبوط ترین حکومت آناً فاناً ڈھیر ہو گئی۔ کہیں یہی تاریخ پاکستان میں نہ دوہرا دی جائے پھر عوام کا مستقبل کس کے ہاتھوں میں جائے گا یہ کسی کو نہیں معلوم۔ اس سونامی کے لئے میدان کو تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے گذشتہ 3 سالوں میں عوامی جلسوں سے تیار کیا تھا اور 5 سال سے مسلم لیگ (ن) جو کھل کر فوج کے مقابلے میں پی پی پی کو پورا موقع دے چکی تھی اور اس کا صبر بھی عوام میں حالیہ الیکشن میں جیت کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ وہ کیسے راتوں رات اس میدان کو ہاتھ سے جاتا دیکھ سکتے ہیں۔ آخری اُمید چیف جسٹس اور فوج بھی جمہوریت کو ڈی ریل کرنے کے حامی نہیں ہیں۔ تو پھر یہ لانگ مارچ کس کے اشاروں پر برپا کیا جا رہا ہے۔ اصلی اصلاحات تو عوامی نمائندوں ہی سے جمہوری تقاضوں کو پورا کر کے کی جا سکتی ہیں اور صرف شفاف الیکشن کی صورت میں عوام کی اُمیدوں اور آخری کوشش سے ہی ہو سکتی ہے۔ عوام اس بات سے بھی خائف ہیں کہ اس لانگ مارچ کی آڑ میں ملک میں انارکی نہ پھیلے اور پولیس، رینجرز کی ناکامی کی طرح فوج کے ہاتھوں سے بھی بات نکل جائے اور بلوچستان کی طرح بقایا ملک

میں بھی افراتفری پھیل جائے۔لہٰذا اب تمام سیاستدانوں کو کل کر سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔پاکستان کی بقاء کے لئے انہیں مل بیٹھ کر بیان بازی بند کر کے آخری فیصلہ کرنا ہے اور ہر صورت میں صاف شفاف الیکشن کا سب نے مل کر انعقاد ممکن بنانا ہے اور الیکشن ملتوی کروانے کے ہر راستے بند کرنے چاہئیں اور اقتدار میں آنے والی جماعت پر چھوڑ دینا چاہئے۔البتہ اب عوام کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے ووٹوں کا استعمال کرے تا کہ انہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔اب خود قوم کے پاس غلطی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ فوج اور عدلیہ اس الیکشن کی نگران ہے اور وہ اپنے سچے اور حقیقی نمائندوں کو ہی چنیں جو ان کو اس دلدل سے نکال سکے۔کاش یہ الیکشن ہمارے ملک کی سیاہ راتوں کو روشن مستقبل میں تبدیل کر دے۔

﴿ لانگ مارچ سے عوام کو کیا ملا؟ ﴾

علامہ طاہر القادری صاحب کا 4 روزہ دھرنا ختم کرا دیا گیا۔اگر سب غور کریں تو ابھی تک یہ راز راز ہی رہا کہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری جو 7 سال تک سیاست سے تائب ہو کر جب کینیڈا جا بسے تھے تو پھر الیکشن کے موقع پر اچانک وہ پاکستان کیوں آئے؟ یا یوں کہیے کہ وہ کیوں لائے گئے؟ اس کے در پردہ کونسی طاقت تھی جس کی ایماء پر آناً فاناً کروڑوں روپے خرچ کر کے لاہور کا جلسہ عام ہوا پھر لانگ مارچ کا اعلان جس میں 40 لاکھ افراد کے ساتھ تختِ لاہور سے روانگی اور اسلام آباد کا دھرنا حکومت کی تحلیل تک اسلام آباد میں قیام، پھر روز روز نا ممکن مطالبات کی فہرستیں اور آخر میں کچھ حاصل کیے بغیر لانگ مارچ کا خاتمہ۔آخر یہ ڈرامہ کیوں رچایا گیا۔پورے ملک کو دہشت اور وحشت میں مبتلا کرنے کی کیا وجہ تھی۔بلاوجہ ہزاروں معصوم عوام جن میں بچے، بوڑھے اور نوجوانوں کو جذباتی تقاریر سے متاثر کر کے کھلے آسمان تلے اسلام آباد کی سرد راتوں میں بے گھر کر کے حکومت پہ بلاوجہ دباؤ ڈالا گیا آخر کیوں؟ فوج اور عدلیہ خاموش تماشائی بنی رہی۔عوام جن جن پریشانیوں میں مبتلا تھے ان میں سے تو ایک لفظ بھی معاہدے میں شامل نہیں کیا گیا اور جس جس کو بُرا بھلا کہا گیا ان کے خلاف ایک لفظ بھی اس تحریری معاہدے میں نہیں ہے۔پھر دھرنا کیوں ختم کیا گیا؟ یہ سب کچھ ایک فلم یا ڈرامہ سے کم نہیں تھا جس کو 20 کروڑ عوام نے اخبارات، ٹی وی چینلز سے 14 جنوری 2013ء سے 17 جنوری 2013 تک دن رات سو کر اور جاگ کر دیکھا۔امید یہ تھی کہ علامہ طاہر القادری بھارت کے انا ہزارے ثابت ہونگے اور حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور نہ ہی آنے والے الیکشن پر کوئی اچھے توقعات رکھے جا سکتے ہیں۔16 مارچ تک تو خود حکمران جماعت پی پی پی کے وزراء بار بار الیکشن کروانے کا عندیہ دے چکے تھے پھر طاہر القادری نے کونسا نیا معاہدہ کیا۔اسی چیف الیکشن اور الیکشن کمشنر جس کو وہ مستعفی کرانے

کی ضد کر رہے تھے انہی کی سربراہی میں الیکشن کرانے میں تیار ہو گئے ۔مولانا فضل الرحمٰن کا تبصرہ سب سے بہتر لگا کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا وہ بھی مرا ہوا ۔لگتا ہے حکومت نے اپنی حکمت عملی جو عمران خان اور نواز شریف سے متوقع تھی طاہر القادری صاحب کے ذریعے پوری کروادی ۔اب لانگ مارچ اور سونامیوں کے دعویدار کیا کریں گے ۔اس اعلامیہ میں مہنگائی، کرپشن عدلیہ سے محاذ آرائی، گیس اور بجلی کی فراہمی، دہشت گردی کا خاتمہ، ٹارگٹ کلنگ، کرپٹ سیاستدانوں سے نجات کسی ایک نکتہ کو معاہدے میں شامل کیا اور نہ ہی ان میں سے ایک نکتہ پر حکومت کو پابند کیا گیا۔

پھر لانگ مارچ کا کیا فائدہ عوام کو پہنچایا گیا؟ کل پھر کوئی اور 40 پچاس ہزار کے مجمع کو اسلام آباد لا کر یہ ڈرامہ رچایا جا سکتا ہے کیونکہ اس معاہدے کی رو سے اس 4 روزہ لانگ مارچ کے ذمہ داروں اور شامل ہونے والوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہو سکے گی اس کی ضمانت بھی موجود ہے ۔البتہ ان 40 پچاس ہزار افراد کو سلام پیش کرنا چاہیے جنہوں نے صبر و تحمل سے ایک اچھے پاکستانی ہونے کی مثال قائم کی، نہایت نظم و ضبط کے ساتھ اسلام آباد آئے، بغیر کسی توڑ پھوڑ یا ہنگامہ کیے بغیر اپنے قائد علامہ طاہر القادری کی ہدایات پر عمل کر کے خاموشی سے واپس اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے ۔

دوسری طرف حکومت نے بھی بہت بردباری کا مظاہرہ کیا ہے ۔نہ جلوس کی راہیں روکیں نہ روایتی پولیس لاٹھی چارج ہوا نہ کوئی گرفتاری عمل میں لائی گئی، نہ بجلی کے کرنٹ چھوڑے گئے، نہ میدانوں میں پانی بھرا گیا، نہ آنسو گیس استعمال کی گئی اور نہ ہی کسی کو پریشان کیا گیا ۔غالباً پاکستان کی تاریخ کا پہلا پُر امن مظاہرہ یا لانگ مارچ ہے جس میں دونوں طرف سے ایک دوسرے سے بھڑنے کے بجائے امن و سکون سے اپنا مقصد حکومت تک پہنچا کر ایک نئی تاریخ رقم کر دی ۔اس کے بعد اس پھس پھسے معاہدے پر کیا عمل ہو گا وہ آنے والے وقت میں قوم کے سامنے آجائے گا ۔ہو گا پھر وہی، اسی طرح کے لوگ دوبارہ الیکشن لڑیں گے ۔اب تو ڈگریوں والی شق بھی ختم ہو چکی ہے لہٰذا جعلی

ڈگریوں اور غیر ملکی شہریت کا قانون بھی ختم ہو چکا ہو گا ۔سب کچھ وہی ہو گا جو 60 ستر سال سے اس ملک میں ہوتا رہا ہے اور علامہ طاہر القادری صاحب کے معاہدوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ۔اسی طرح عوام اپنے جاگیرداروں، چوہدریوں، نوابوں، خانوں، خوانوں، وڈیروں کو دوبارہ گھوڑوں پر بٹھا کر 5 سال کیلئے اسمبلیوں میں لائیں گے ۔اللہ اللہ خیر صلا ۔نہ چہرے بدلیں گے نا نظام بدلے گا نہ قوم کی قسمت بدلے گی ۔عدلیہ فیصلے دے دے کر تھک جائے گی مگر اس پر عمل درآمد حکومت کی اپنی مرضی پر منحصر ہو گا ۔عوام صرف کرکٹ، ہاکی، اسنوکر یا پھر کسی اور کھیل کی جیت میں مست رہے گی۔

اللہ اللہ خیر صلا۔

ایک خواب جو بکھرنے کو ہے

ایک رات میں کھانا کھا کر جلدی سو گیا حالانکہ کے میں کم از کم 2 تین گھنٹے بعد سوتا تھا۔ آنکھ لگنے کے فوراً ہی بعد ایسا محسوس ہوا کہ میرے سرہانے اردگرد ایک عجیب مخلوق جمع ہے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ آسمانی مخلوق یعنی فرشتے ہیں اور اس وقت سے جب سے پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا ہے اس وقت سے ہم نے آسمان پر پاکستان کے لئے سینئر فرشتوں پر مشتمل ایک سیل قائم کر دیا گیا ہے کیونکہ پاکستان پہلا اسلامی ملک ہے جس نے ایٹمی دھماکہ کیا تو آسمان پر فرشتوں نے بھی جشن منایا اور اس کے بعد فرشتے بھی پاکستان میں بڑی دلچسپی لینے لگے اور وہ باقاعدہ پاکستان کے اخبارات کا مطالعہ کرنے لگے مگر ان اخبارات کے پڑھنے کے بعد اس سیل نے یہ محسوس کیا کہ فرشتوں میں بڑی تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں خاص طور پر جب انہوں نے اتوار کا میرا کالم پڑھا جس میں تحریر تھا کہ اتنے ٹیکس لگنے، پیٹرولیم کے دام بڑھنے، ڈالر کے ریٹ بڑھنے کے بعد عوام پر نہیں تو کیا فرشتوں پر اثر پڑے گا۔ تو واقعی ان پر کافی اثر پڑا اور وہ ایک گروپ کی شکل میں پاکستان سیل کے اردگرد جمع ہو گئے اور انہوں نے طرح طرح کے مطالبات پیش کر دیئے۔ مثلاً موت کے فرشتوں کا کہنا تھا کہ ہم جان نکالنے اکیلے پاکستان نہیں جائینگے کیونکہ ان کو اب کلاشنکوف سے ڈر لگنے لگا ہے۔ لہٰذا ہر موت کے فرشتے کے ساتھ 3 تین گارڈ جائینگے۔ کیونکہ مارنے والوں کے پاس جدید ہتھیار ہیں اور چونکہ زیادہ تر یہ واقعات رات کو ہوتے ہیں اس لئے وہ اوور نائم بھی چارج کرینگے۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا چونکہ اب پاکستان میں جان نکالنے کے لئے بار بار جانا پڑتا ہے۔ لہٰذا آنے جانے کا کنوینس الاؤنس بھی دیا جائے۔ جب سیل نے ان کو سمجھایا کہ تم تو فرشتے ہو تمہیں ان ہتھیاروں سے کیوں ڈر لگتا ہے تو موت کے فرشتوں نے جواب دیا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مارنے سے باز نہیں آرہا ہے، ہم تو پھر ان کے مخالف گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب روز ازل اللہ نے

فرشتوں کو انسان کے سامنے سجدہ کرنے کو کہا تھا تو ہم نے اس وقت بھی کہا تھا کہ یہ انسان خون خرابہ کرینگے اور اسی انکار پر ہمارا ایک ساتھی جنت سے نکال دیا گیا تھا۔

تو کیا پتہ آج یہ اس دن کا بدلہ ہم سے نہ لے لیں۔ میں نے فرشتوں کے اس گروپ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ اس قتل و غارت میں تمام عوام شامل نہیں ہیں بلکہ ایک مخصوص ٹولہ ہے جو مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر پاکستان کو کمزور اور پوری دنیا میں مسلمانوں کو بدنام کر رہا ہے اور ان گروپوں سے ہر محب وطن پاکستانی سخت پریشان ہیں۔ میں نے فرشتوں سے کہا کہ وہ ہی کوئی راہ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ انہوں نے کہا دراصل جو قوم اللہ کو بھول جاتی ہے تو اللہ اس پر زمینی عذاب نازل کرتا ہے۔ ہم کو اللہ نے اسی لئے پاکستان بھیجا ہے کہ جس قوم کو میں نے انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزاد کیا اور اتنا اچھا ملک عطا کیا کہ جس میں 12 مہینے کوئی نہ کوئی فصل اگتی رہتی ہے اور کھتی ہے۔ ہر قسم کے پھول، پھلوں اور اناجوں سے نوازا۔ زمین کے اندر قدرتی معدنیات، تیل، نمک، سوڈا، کوئلہ حتیٰ کہ ہر چیز بے حساب پیدا کی۔ چاند، سورج، لہلہاتے کھیت، خوبصورت پہاڑ، سمندر اور دریاؤں کا تحفہ دیا۔ سردی، گرمی، بہار اور خزاں 4 موسم بنائے تا کہ امیر غریب سب اس سے فائدہ اٹھائیں اور آج اتنی خوشحالی کے باوجود وہ اللہ سے مدد مانگنے کے بجائے وہ آئی ایم ایف، ورلڈ بنک، جی ایٹ، امریکہ اور مغربی ممالک سے ایڈ مانگ رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ رات دن اسی ایمانداری سے محنت کرتے جیسی انہوں نے پاکستان بنانے کے شروع سالوں میں کی تھی اس کے برعکس افسوس آج مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے۔ نہ مرنے والوں کو معلوم ہے کہ اسے کس نے مارا ہے اور نہ مارنے والوں کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس کو مار رہا ہے۔

ایک ہفتہ قبل ایم کیو ایم کے ایم پی اے جناب منظر امام کو دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا ساتھ ان کے 2 باڈی گارڈ بھی مار دیئے گئے۔ 5 دن پہلے رینٹل پاور کیس کے تفتیشی افسر نیب آفیسر کامران فیصل

اپنے کمرے میں مردہ قرار پائے۔ 3دن پہلے مسلم لیگ (ن) کے رہنما میاں تیمور اور اس کے والد میاں ارباب اور ڈاکٹر حسن عالم کو دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا۔ پرسوں کراچی میں دن دیہاڑے مزید 18افراد قتل کر دیئے گئے۔ کراچی میں مستقل طور پر ہر روز 10 سے 12افراد قتل کیئے جا رہے ہیں، یہی حالات کوئٹہ میں بھی تھے وہاں گورنر راج نافذ کر دیا گیا ہے۔ نہ ہی حکومت کو اور نہ سیاستدانوں کو کوئی فکر ہے ایک صوبہ دوسرے صوبے کے حکمرانوں سے سبقت حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ایسا کب تک ہوگا۔ پنجاب میں لوڈشیڈنگ اور گیس کی عدم دستیابی کی وجہ سے روز آنہ ہڑتالیں، جلوس، قتل، مار دھاڑ شروع ہو چکی ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے پنجاب میں گیس بالکل بند کر دی گئی ہے اور لوڈشیڈنگ بھی جاری ہے۔ ایک وزیر اعظم کو نااہل قرار دیا گیا تو دوسرا نااہل وزیر اعظم لایا گیا۔ ہر کوئی مال بٹورنے میں لگا ہوا ہے، ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ سپریم کورٹ کے احکامات نظر انداز کیئے جا رہے ہیں۔ چیف جسٹس صاحب چیخ چیخ کر تھک چکے ہیں۔

لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور حکومت اپنی من مانی پر اتر آئی ہے۔ میں نے فرشتوں کے آگے ہاتھ جوڑے کہ بے شک پاکستان میں ایسا ہو رہا ہے مگر اس میں عوام سے زیادہ ہمارے مفاد پرست سیاستدان قصوروار ہیں جو صرف اور صرف اپنے مفادات کی خاطر قوم کو لڑوا رہے ہیں اور جو دہشت گردی ہو رہی ہے اس کے بانی وہی مفاد پرست سیاستدان ہیں۔ لہٰذا عوام پر عذاب بھیجنے کے بجائے ان تمام سیاستدانوں پر عذاب آنا چاہئے تا کہ پاکستان کے عوام ایک مرتبہ پھر امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں اور میں فرشتوں کو سمجھا رہا تھا کہ اچانک بجلی چلی گئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اب بھی ہمارے عوام ان سیاستدانوں کے چنگل سے نہیں نکل سکے تو پھر کہیں یہ خواب خدانخواستہ سچ ثابت نہ ہو جائے اور میں نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ کھانا کھانے کے فوراً بعد نہیں سوؤں گا۔

﴿ فروری میں کراچی کی دہشت گردی کی پیشگوئیاں ﴾

2ہفتے پہلے حکومت نے 4دن کی چھٹیوں کا اعلان کر دیا۔ سوچا چند دن دبئی میں گزاریں اس کی وجہ بھی کراچی کے بھیانک حالات تھے، سندھ حکومت دہشت گردی کو روکنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ روزانہ ہی 15بیس معصوم افراد ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بن رہے ہیں۔ جن میں اتحادی، سیاسی شخصیتیں بھی شامل ہیں۔ اب علماء کا قتل عام بھی روزمرہ کا معمول بن چکا ہے اگر اس سے آدھے افراد صوبۂ پنجاب میں مارے جا رہے ہوتے تو شاید اب تک فوج میدان میں آچکی ہوتی۔ گویا سندھ اور بلوچستان کے عوام سے کسی کو بھی ہمدردی نہیں ہے۔ دبئی کو میں بڑی رشک بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوں، اس کی وجہ 1975ء میں پہلی مرتبہ لندن جاتے ہوئے ہماری قومی ایئر لائن (پی آئی اے) راستے میں 1 گھنٹہ تک دبئی میں رکی، دن کا وقت تھا ایئر پورٹ ریگستان کی تپتی ہوئی زمین پر چند کمرے بغیر ایئر کنڈیشن، کچی پکی دیواروں پر مشتمل تھا۔ مسافروں کو لانے لے جانے کے لئے ایئر پورٹ پر 2پرانی بسیں تھیں جو مسافروں کو جہاز سے اتار کر ایئر پورٹ لا رہی تھیں۔ وہ بھی بغیر ایئر کنڈیشن تھیں، گرمی کے مارے برا حال ہو رہا تھا، چند چھوٹی چھوٹی دوکانیں تھیں جن پر تمام عملہ پاکستانی اور بھارتی تھا۔ ایئر پورٹ پر اناؤنسمنٹ بھی اردو میں ہو رہی تھی۔ اللہ اللہ کر کے گھنٹہ گزرا اور واپس مسافروں کو جہاز میں پہنچایا گیا تو جہاز میں بیٹھے تو جان میں جان آئی۔ اس کے بعد جب بھی لندن جانا ہوتا جہاز دبئی اترتا تو میں جہاز میں بیٹھنے کو ترجیح دیتا تھا۔ یہی حال دبئی شہر کا تھا، معمولی مکانات، نیم پختہ عمارتیں، کچی پکی سڑکیں، معمولی ہوٹل ہوتے تھے۔ جبکہ ہمارا ایئر پورٹ فلی ایئر کنڈیشن، کراچی جگمگاتا روشنیوں کا شہر، عمدہ سڑکیں، خوبصورت مکانات، اونچی عمارتیں، کشادہ پارکس، امن وآشتی سے بھرپور خوشحال شہری، تمام صنعتوں کا جال دنیا بھر کی ایئر لائنز کے دفاتر، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ مگر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دبئی جو ریگستان تھا جہاں بنکوں کے دفاتر،

چند ائیر لائنز کی آمد ورفت اور صنعتوں کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا آج دنیا کے سب سے خوبصورت شہر میں تبدیل ہو چکا ہے۔

دنیا بھر کی ائیر لائنز کے مرکزی دفاتر ، دنیا کی سب سے بلند ترین عمارت ، دنیا کے سب سے خوبصورت ہوٹلز کا جال، صنعتیں، ہمارے ہی آدمیوں سے بنائی ہوئی ائیر لائنز، انشورنس بینکس آج ہم سے کہیں آگے جا چکے ہیں۔ جہاں دھول اٹھتی تھی آج وہاں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی قطار در قطار خوبصورت عمارتیں، امن ایسا کہ اگر رات کو کوئی خاتون تنہا بھی چہل قدمی کرنے نکلے تو کوئی جرأت نہیں کرسکتا کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ جتنا جتنا دبئی اونچا جاتا گیا اس سے دگنی رفتار سے کراچی نیچے آتا گیا۔ آج پوری دنیا کی بڑی ائیر لائنز کراچی آنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ سب نے اپنے دفاتر کراچی سے دبئی منتقل کر دیئے ہیں وہاں بیٹھ کر کراچی کے مسافر دبئی سے سوار کراتے ہیں۔ یہ معمولی تمہید لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ میرے ایک دوست جن کے آباؤاجداد 40 پچاس سال پہلے کوئٹہ سے فجیرہ (امارات کی سب سے چھوٹی ریاست) جو تھٹھہ سے بھی گئی گزری ہوتی تھی وہاں آباد ہوئے تھے۔ انہیں علاج کے لئے دہلی جانا تھا میں نے ان کو مشورہ دیا کہ میرے بہت سے ڈاکٹر اور سرجن دوست کراچی میں ہیں بھارت سے بہتر علاج ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں کل بتاؤنگا پھر دوسرے دن کہنے لگے کہ ان کی فجیرہ حکومت نے پاکستان جانے سے منع کر دیا ہے پھر وہ صاحب بھارت چلے گئے اور ناکام واپس آئے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کا دنیا میں بڑا نام ہے، دہلی میں بہت گندگی تھی، ہسپتال بھی اچھے نہیں تھے، ڈاکٹروں سے بھی وہ بہت شاکی تھے کہ اچھی طرح ان کی دیکھ بھال نہیں کی اور نہ ہی صحیح تشخیص ہوئی چونکہ وہ عربی لباس پہن کر آتے جاتے تھے تو ٹیکسی والوں نے خوب بے وقوف بنایا۔ ایک رات ٹیکسی میں واپس آرہے تھے تو ٹیکسی میں رات کو ایک آدمی ایکسٹرا ہوتا ہے، کوا ائیر پورٹ سے فلائٹ لیتی تھی تو دونوں نے ہندی زبان میں کہا کہ

اس مسافر کو راستے میں لوٹ لیتے ہیں چونکہ وہ اردو جانتے تھے مگر کام صرف انگریزی سے چلاتے تھے تو انہوں نے اپنے فون سے پولیس ایمرجنسی کا نمبر ڈائل کر کے انگلش میں تھانے دار کو اس مصیبت سے آگاہ کیا تو کوا پولیس نے پوچھا کہ آپ کس طرف ہیں، آپ اپنا موبائل فون ڈرائیور کو دے دیں اور زیادہ نہ گھبرائیں۔ پھر انہوں نے ڈرائیور سے پتہ معلوم کیا اور یہ نہیں بتایا کہ وہ تھانے سے بات کر رہے ہیں پھر وائرلیس کے ذریعے پولیس گاڑیاں پہنچ گئیں اور پولیس نے ڈرائیور کو گرفتار کر کے ان کو اپنی گاڑی میں ائیر پورٹ پہنچایا۔ ائیر پورٹ پر پولیس آفیسر نے پوچھا کہ آپ خیریت سے ہیں اور محفوظ ہیں۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا تو اس نے مسکرا کر کہا کہ وہ اس کو اس کا محنتانہ نہیں دینگے۔ الغرض انہوں نے 500 روپے دیئے اور اس سے بھی جان چھڑائی۔

واپسی پر میں نے پھر ان کو پیشکش کی کہ وہ پاکستان چلیں ان کا بھرپور علاج کرا دیا جائیگا۔ دوبارہ پھر انہوں نے فجیرہ حکومت کو بھارت کی کارگزاری سنائی اور کہا کہ میرے عزیز دوست میرا علاج پاکستان کروانا چاہتے ہیں کیا میں ان کے ساتھ کراچی جا سکتا ہوں۔ وہاں کے قارن آفیسر نے کہا کہ ہم تمہارا علاج اپنے پیسوں سے لندن میں کروا سکتے ہیں مگر دہشت گردی کی وجہ سے کراچی جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ حال ہے ہمارے ملک کی ریپوٹیشن کا؟ مجھے کافی شرمندگی ہوئی۔ اتفاق سے ہم ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے تو بھارتی چینل سے شاہ رخ خان کا پروگرام آرہا تھا جس میں اس نے صاف صاف کہا کہ میں نے ایسا کوئی بیان یا ارادہ ظاہر نہیں کیا کہ اس کی جان کو بھارت میں خطرہ ہے اور وہ اس ڈر سے پاکستان جانا چاہتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس نے ہمارے وزیر داخلہ رحمٰن ملک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان کو بھول کر پہلے اپنے مسلمان شہری باشندوں کی حفاظت کریں، جہاں دن دیہاڑے سر بازار قتل کیا جا رہا ہے اور آج تک وہ ایک قاتل کو بھی نہیں پکڑ سکے، تو میری خاک حفاظت کرینگے۔ میرے وہ دوست چونکہ اردو جانتے تھے مجھ سے سوال کرنے

لگے کہ اس سے بڑا دہشت گردی کا الزام پاکستان کے متعلق ایک مسلمان فنکار شاہ رخ خان سے بڑھ کر کون لگا سکتا ہے۔ اگر ہم آنکھیں کھول کر اپنے جمہوری دور کا موازنہ فوجی دوروں سے کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلا دور لاکھ ہم مشرف کو برا بھلا کہیں اس دور سے ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ ہم نے جمہوریت کی لاج نہیں رکھی اپنے عوام کی ہم خود حفاظت کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ خصوصاً کراچی جیسے معاشی شہر میں اب کوئی محفوظ نہیں رہا، اب تو پولیس اور رینجرز کے افراد بھی دن دیہاڑے ٹارگٹ کلرز کے ہاتھوں مر رہے ہیں آگے الیکشن کا زمانہ آرہا ہے۔ ہمارے وزیر داخلہ رحمٰن ملک تو فروری میں کراچی میں دہشت گردی کی نشاندہی کر چکے ہیں۔ جنوری کی آخری تاریخ ہے اور اب تک 250 افراد مارے جا چکے ہیں، 280 موٹر سائیکلیں، 190 کاریں اور 530 کے قریب موبائل فون چھینے جا چکے ہیں، تو فروری کا اللہ ہی حافظ ہے۔ کاروبار و بازار، سرِ شام سنسان ہو جاتے ہیں۔ کراچی کے باشندے شام ہونے سے پہلے ہی اپنے اپنے گھر جانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ٹریفک جام رہتا ہے، پولیس سڑکوں سے غائب رہتی ہے آخر ان کو بھی اپنی جان پیاری ہے۔

﴿ سپریم کورٹ کا ایک اور کارنامہ ﴾

آج سے 30 سال پہلے جناب طاہر القادری صاحب پاکستان ٹیلی ویژن پر ہر اتوار کو شام 7 بجے تقریر کرتے تھے۔ اس زمانے میں صرف پاکستان ٹیلی ویژن ہی ہوتا تھا۔ راقم ان کی تقریر بڑے انہماک سے سنتا تھا کیونکہ ان کی تقریروں میں بہت سی کتابوں کے دلائل ہوتے تھے۔ اگرچہ وہ تقریر کے دوران جذباتی ہو جاتے تھے۔ ٹی وی اسکرین پر نیچے لکھا ہوا آتا تھا "مولانا طاہر القادری" میں ان کی تقریروں سے بہت متاثر ہوتا تھا۔ کسی اتوار کو جناب شاہ بلیغ الدین صاحب کی تقریر ہوتی تھی وہ بہت دھیمی آواز میں دلائل دیتے تھے۔

کچھ عرصے کے بعد ان کے نام میں علامہ طاہر القادری کا اضافہ ہو گیا۔ پھر چند سال بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا اور فرمایا کہ ان کو خواب میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ جب سے میرا دل کھٹا ہو گیا ہے کہ اس دنیاوی سیاست میں حضور ﷺ کا نام کیوں لیا جا رہا ہے۔ عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے پھر 1994ء میں راقم جب مشیر اطلاعات سندھ کے عہدے پر فائز تھا، منہاج القرآن کراچی کے ناظم کے گھر پر ملنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں علامہ طاہر القادری صاحب ٹھہرے ہوئے تھے، ابھی ہم ان کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے کہ ان کے اسسٹنٹ نے آکر بتایا حضرت آپ کے کل کے حیدرآباد جلسے کی خبر ٹی وی پر دکھائی جا رہی ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا صاحب تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔ واپسی پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ ایک بات میں نے نوٹ کی کہ جس گھر میں ان کا قیام تھا اس گھر کی سیڑھیوں اور ہر کمرے کے باہر ان کے کلاشنکوف بردار گارڈ کھڑے تھے۔ میں نے اس سے قبل کسی بھی سیاستدان کے گھر کے اندر گارڈ نہیں دیکھے تھے البتہ گھر کے باہر گارڈ ضرور ہوتے تھے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ان کے نام میں پروفیسر کا اضافہ ہو گیا پھر اس اضافے کے بعد ڈاکٹر کا اضافہ بھی پڑھنے میں آیا۔ نہ جانے وہ کون

سے ڈاکٹر بنے پھر وہ ناراض ہو کر کینیڈا چلے گئے ۔ وہاں جا کر شیخ الاسلام کا بھی اضافہ ہو گیا پھر اچانک ہی ان کی واپسی کا اعلان ہوا، پھر لاہور کا جلسۂ عام، دھرنا اور پھر معاہدہ اس حکومت سے جس کو وہ یزید سے تشبیہہ دیتے تھے ۔اس دھرنے کے دوران چیف جسٹس صاحب کا نیب کو وزیر اعظم اور رینٹل پاور کے کیس کے تمام ملزمان کی گرفتاری کے حکم کے، چیف جسٹس زندہ باد کے نعرے خود علامہ ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری المعروف شیخ الاسلام نے اپنے بلٹ پروف عالی شان کنٹینر سے باہر تشریف لا کر اپنے ساتھ مظلوم دھرنے کے شرکاء سے لگوا کر فرمایا کہ آدھے مطالبات پورے ہو گئے اور آدھے مطالبات جب تک پورے نہیں ہو نگے دھرنا جاری رہے گا۔ بتایا آدھے مطالبات تو کیا پورے ہوتے ، اچانک حکومتی وفد سے مغلوب ہو کر جلد بازی میں کہ ہمارے مطالبات کی ضمانت حکومت نے دے دی ہے ۔لہٰذا دھرنا ختم جبکہ شرکاء کو پہلے بتایا تھا کہ جب تک وزیر اعظم کو برطرف نہیں کیا جائے گا ہم دھرنا ختم نہیں کرینگے ۔ پھر اعلان کیا کہ اب وہ پنجاب اور دوسرے بڑے شہروں جن میں فیصل آباد، لاہور، کوئٹہ، ہر جگہ لانگ مارچ شروع کیا جائے گا۔ ابھی ان اعلانوں کی سیاہی بھی نہیں سوکھی تھی کہ چیف جسٹس آف پاکستان کی عدالت میں الیکشن کمیشن کو بھی چیلنج کر دیا۔ 3 دن تک عدلیہ نے بہت صبر و تحمل سے ان کو سنا، جہاں جہاں وہ جذباتی ہوئے ان کو آڑے ہاتھوں بھی لیا، تنبیہہ بھی کی مگر جب ان کا مقدمہ خارج ہوا تو وہ بپھر گئے اور باہر آ کر میڈیا کے سامنے بڑی بھڑاس نکالی۔

آج کئی ماہ گزر چکے ہیں کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ علامہ صاحب کیوں اس ملک میں واپس آئے، نہ اپنی کینیڈین شہریت لوٹائی، نہ اب وہ پاکستان کی کسی بھی اسمبلی کی رکنیت کے اہل بھی نہیں رہے۔ پھر کیوں الیکشن ملتوی کروانے کے درپے ہیں ۔کس کے اشاروں پر افراتفری مچانا چاہتے ہیں ۔ جس عدلیہ کو وہ زندہ باد کے نعروں سے نواز رہے تھے آج اسی عدلیہ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ آخر وہ

کیا سمجھ کر عدلیہ کو للکار رہے ہیں، وہ تو اچھا ہوا کہ عدلیہ نے ان کے عزائم بھانپ لیے اور الیکشن کو سبوتاژ ہونے سے روک دیا جس سے وہ بے نقاب ہو گئے ۔

اب انہوں نے دوبارہ بڑے شہروں میں لانگ مارچ کی دھمکی بھی دی ہے اب یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس کی آڑ میں وہ کیا انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ ایک طرف عدلیہ سے 2 دو ہاتھ کرنے کے بعد، اب انتظامیہ خصوصاً پنجاب میں افراتفری پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ دوسری طرف مرکزی حکومت نے ان کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے تا کہ مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف پر دباؤ بڑھایا جا سکے اور اگر الیکشن ملتوی نہ ہو سکیں تو پھر نواز شریف کو تحریک انصاف کے دو ٹکڑوں میں تقسیم کروا کر پی پی پی دوبارہ الیکشن جیتنے کی پوزیشن میں آجائے ۔عوام علامہ طاہر القادری کے گورکھ دھندے سے پریشان ہے کہ ایک طرف دہشت گردی اپنے عروج پر ہے، گیس کے بحران سے دوچار اور مہنگائی کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے ۔میڈیا اگرچہ طاہر القادری کے پروگرام سے ناخوش ہے مگر نمک مرچ لگا کر عوام کو الجھا کر رکھا ہوا ہے اور ان کے نئے نئے اعلانات بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ فرنٹ پیج پر لگا کر ہیبت بھی پھیلا رہا ہے۔ کچھ اس کو پسند کر رہے ہیں، خاص طور پر ان معتقدین تو ابھی تک ان کو پاکستان کا نجات دہندہ قرار دے رہے اور حکومت کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ مگر سمجھدار پڑھے لکھے طبقے میں وہ اپنی مقبولیت کھو چکے ہیں۔

دن بدن ان کا گراف تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا ہے۔ مگر حضرت اپنی گٹھری سے روز ایک نئے اعلان سے قوم کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہیں۔ حال ہی میں جب راقم لندن میں تھا ایک چینل سے ان کے ایک بہت بڑے عوامی، مذہبی اجتماع کی فلم دکھائی جا رہی تھی جس میں علامہ طاہر القادری کو اپنے معتقدین کے ہمراہ مجلس میں دھمال کرتے دکھایا گیا ہے بعد میں بہت سے معتقدین جذبات میں 700 آ کر ان کے پیروں میں گر کر سجدہ کر رہے ہیں اور علامہ صاحب ان کو سجدے

سے اٹھا کر اپنے گلے لگا رہے ہیں۔ یہ کون سا اسلام ہے جو انسان کو انسان کے آگے سجدہ کرنے کو پسند کرتا ہے۔ فی الحال اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان مشکل حالات میں پاکستان کو شر پسندوں سے بچا لے اور الیکشن پر امن کرا کر اس افراتفری اور دہشت گردی سے نجات دلوا دے۔ (آمین)

آخری پیٹرول بم

ابھی عوام دہشت گردی لاقانونیت اور مہنگائی کا رونا رو رہے تھے کہ 6 ماہ قبل سپریم کورٹ کے حکم سے پیٹرول اور ڈیزل کے رکے ہوئے اضافے کو صرف 2 ہفتوں میں جانے والی جمہوری حکومت نے جاتے جاتے بھی آخری پیٹرول بم اپنے ہی عوام پر بے دردی سے گرا دیا جس کے لئے ان کی اتحادی جماعتوں نے مذمت کے دو الفاظ بھی کہنا گوارا نہ کیے۔ عوام بے چارے تو مردہ قوم میں شمار ہوتے ہیں وہ کیا کرتے۔ خود پیٹرول پمپ مالکان نے پیٹرول اور ڈیزل کے اضافے کی بو سونگھتے ہی ایک دن پہلے ہی پیٹرول اور ڈیزل کی سپلائی روک دی تھی اور بورڈ لگا کر عوام کو آگاہ کیا جا رہا تھا کہ پیٹرول اور ڈیزل کے ذخائر ختم ہو گئے ہیں۔ پھر حکومت کے 3.89 روپے مٹی کا تیل، ڈیزل 3.93 روپے اور 4.50 روپے پیٹرول میں اضافے کے اعلان کے بعد ٹھیک 12 بجے رات پیٹرول پمپ چالو کر کے عوام کو خریدنے پر مجبور کر دیا۔

کیا عجب اتفاق ہے کہ جب پی پی پی کی پہلی حکومت مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی 1971 میں وجود میں آئی تھی تو اس وقت پیٹرول 4.50 روپے فی گیلن یعنی 1 روپے فی لیٹر فروخت ہوتا تھا۔ جس میں ایک روپے فی گیلن مشرقی پاکستان (اس وقت تک بنگلہ دیش نہیں بنا تھا) سیلاب کا ٹیکس بھی شامل تھا اور ڈیزل 2.50 روپے فی گیلن یعنی 50 پیسے فی لیٹر فروخت ہوتا تھا۔ آج اسی پی پی پی کے ختم ہونے والے آخری ہفتوں میں جاتے جاتے سوئے ہوئے عوام پر 4.50 روپے فی لیٹر کا اضافہ کر کے یہ کارنامہ انجام دے ڈالا اور پیٹرول اب 106 روپے اور ڈیزل 113 روپے فی لیٹر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ مشرف حکومت سے اقتدار لیتے وقت اسی پی پی پی کی حکومت میں ہی پیٹرول 54 روپے فی لیٹر اور ڈیزل 44 روپے فی لیٹر فروخت ہوتا تھا۔ 5 جمہوری سالوں میں ماضی کے فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف کے دور میں ڈالر 60 روپے ہی منجمد رہا اور اس فوجی حکومت کے دعووں کے

مطابق پاکستان نے اپنے تمام قرضوں کا کشکول توڑ کر اُتار پھینکا تھا۔

اس حکومت کے پہلے ہی ماہ میں ڈالر کی قیمتوں میں اضافہ شروع ہو گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ڈالر 100 روپے سے بھی اوپر جا پہنچا۔ ساتھ ساتھ موجودہ حکومت نے آئی ایم ایف سے من مانی شرائط پر قرضے لینے شروع کر دیے جس کا حجم اس کے جانے کے بعد ہی پتہ لگ سکے گا اور جس کا بار پہلے نگران حکومت کو پھر آنے والی حکومت کو جھیلنا پڑے گا۔ عوام تو بے حس قوم میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ وہ تو بس اب تماشائی بن کر زندگی گزار رہے ہیں۔ اپنے اردگرد کے ممالک بھارت اور ٹوٹے پاکستان کا حصہ بنگلہ دیش کے عوام سے بھی سبق نہیں سیکھتے جنہوں نے سڑکوں پر نکل نکل کر حکومتوں کے مہنگائی کے منصوبوں کو لگام دے رکھی ہے۔ ان کی کرنسیوں میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں آنے دیا جاتا۔ حال ہی میں بھارت نے تو تیل، بجلی اور گیس کے نرخوں میں بھی کمی کر دی تھی۔ یاد رہے زرعی اداروں اور بڑی بڑی صنعتوں کیلئے حکومت سبسڈری بھی دیتی ہے اور ہمارے ملک میں کوئلے کے کانوں کی بھرمار اور 100 سال سے زائد ذخائر ہونے کے باوجود تھر اور دیگر مقامات پر صرف کارپوریشن بنا کر مزید 5 سال گنوا دیئے۔ اور ایک کلو کوئلہ بھی نہیں نکالا گیا۔ البتہ اربوں روپے اس کی منصوبہ بندی پر خرچ کر ڈالے۔ ہماری خوش مزاج حزب اختلاف مسلم لیگ (ن) ان 5 سالوں میں خاموش تماشائی بنی رہی۔ وہ عوام کے دکھ درد کو بھول کر لمبی تان کر سوتی رہی اور اب اس الیکشن میں اپنی باری کا انتظار کر کے میدان میں اترنے کی پوری تیاری کر چکی ہے۔ اب وہ پنجاب سے نکل کر کبھی سندھ میں جلسے کر رہی ہے تو کبھی پختونخواہ کے عوام کو جگا رہی ہے کہ تیار ہو جاؤ نہ سونامی کے دباؤ میں آؤ نہ شیخ الاسلام کے دھرنے کو اہمیت دو اگلی باری بھی ہماری ہے اور صرف ہماری ہے۔ کیونکہ ہم نے حکومت سے کوئی جھگڑا نہیں کیا اور حکومت کو کھل کر عوام پر بم پر بم برسانے دیئے۔ مہنگائی کے سمندر کے آگے کوئی بند نہیں باندھنے دیئے اب ہم آ کر عوام کے زخموں پر مرہم رکھیں گے

۔اب ہم ملک سے دہشت گردی ختم کریں گے۔ یہ کریں گے وہ کریں گے کو یاد ہی گھسے پٹے نعروں کے سہارے الیکشن جیتیں گے اور ہر حال میں حکومت بنائیں گے۔ کوئی ان سے پوچھے یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوگا۔ ماضی میں بھی تو مسلم لیگ ن کی 2 بار حکومت رہی تھی آپ کو بھی تو 2 مرتبہ کرپشن کی وجہ سے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ آپ کے اراکین پارلیمنٹ بھی جعلی ڈگریوں اور فوجی حکمرانوں کی کودوں میں جا بیٹھے تھے۔ آج ہوا کا رخ بدلتا دیکھ کر 2 دو اور 5 پانچ کر کے آپ کی طرف لوٹ رہے ہیں اور آپ کھڑے ہو کر ان کو واپس مسلم لیگ ق سے ن میں ویل کم کر رہے ہیں۔ ماضی کے لوٹوں کو پھر اپنے دامن میں سمیٹ کر کونسی خدمت آپ قوم کی کریں گے۔ الیکشن کا بازار جب گرم ہو گا تو بیشتر یہی لوٹے مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ کر اسمبلیوں کی زینت بنیں گے۔ قوم ان سے کیا خیر خواہی کی توقع کرے گی۔

یہ تو ہمیشہ فصلی بٹیرے ہیں۔ جہاں ان کا مفاد ہوگا یہ اسی کھیتوں میں اتریں گے اور پھر سے عوام کو بے وقوف بنانے میں لگ جائیں گے۔ اللہ اللہ تے خیر صلا۔ قوم پھر 5 سال کیلئے اپنی امیدیں ان سے وابستہ کر کے ان کے ساتھ ہو لے گی۔ جو وہ ماضی میں کرتی آئی ہے۔ جب تک یہ نواب، وڈیرے، چوہدری، جاگیرداری نظام جاری ہے۔ اس وقت تک اس ملک کی قسمت سے یہی لوگ کھیلتے رہیں گے۔ کاش ہماری عوام نے بھارت کی طرح پہلے ہی دور میں ان نام نہاد نوابوں، جاگیرداروں، وڈیروں اور چوہدریوں سے نجات حاصل کر لی ہوتی تو اس انجام تک نہ پہنچتی۔ اب بھی وقت ملا ہے اس الیکشن سے فائدہ اُٹھانے کا ورنہ پھر پچھتانا پڑے گا۔ ماضی سے سبق سیکھنے کا سنہری موقع ہے۔

﴿ الیکشن 2013 ''ہنوز دلی دوراست'' ﴾

3 ہفتے سخت سردی، بارشیں کینیڈا میں گزارنے کے بعد پاکستان واپس پہنچے تو یہاں تمام حکومتیں تحلیل ہو چکی تھیں اور نگران سیٹ اپ تشکیل پا چکا تھا۔ کراچی میں پھر بھی روزمرہ کی دہشت گردی کی آڑ میں 10 بارہ لاشیں گر رہی ہیں۔ اگر چہ سپریم کورٹ نے انتظامیہ کو 2 ہفتے کا ٹائم دیا ہے کہ کراچی میں ہر قیمت پر دہشت گردی ختم ہو اور دوبارہ امن قائم ہو مگر ابھی تک خاطر خواہ تبدیلی نظر نہیں آ رہی۔ صنعت کار، تاجر حضرات ابھی تک خوف و ہراس کا شکار ہیں خصوصاً بدھ کو کراچی کے ایک صنعتی ادارے میں گھس کر فیکٹری کے مالک کو پولیس کی چوری شدہ موبائل میں چند سادہ کپڑوں میں بغیر ماسک لگائے سینکڑوں مزدوروں اور سیکورٹی افراد کی موجودگی میں دن دہاڑے موبائل میں ڈال کر لے گئے اور بعد میں کروڑوں روپے لے کر مغوی کو چھوڑ گئے۔ 2 دن گزرنے کے باوجود اور ایک ٹی وی چینل سے لائیو ویڈیو دکھانے کے بعد بھی پولیس خاموش ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ لیاری ہی کے افراد دن دہاڑے پولیس کی چوری شدہ موبائل میں ارشد پپو سمیت دیگر وارداتیں کرتے پھر رہے ہیں۔ نگران کابینہ ابھی تک صرف حلف اُٹھانے اور جائزہ لینے تک ہی محدود ہے۔ کب تک حرکت میں آئے گی۔ صرف الیکشن کمیشن اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔ چند دن قبل سیاسی میدان میں شیخ الاسلام کے بعد ہمارے سابق صدر پرویز مشرف صاحب بھی میدان میں بڑے جاہ و جلال سے کراچی ائیر پورٹ پر وارد ہوئے۔ اگر چہ ان کا استقبال کرنے والوں کی تعداد بڑی حد تک مایوس کن تھی البتہ ان کی حفاظت پر معمور افراد کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ سابق صدر صاحب نے پریس کانفرنس میں اپنے ماضی کے 8 سالہ دور کی کامیابیاں گنوائیں۔ میرے مشاہدے میں سیاست دان کم ہی سچ بولتے ہیں اور فوجی حکمران کم جھوٹ بولتے ہیں مگر پرویز مشرف صاحب نے تمام ماضی کے فوجی حکمرانوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔ خصوصاً انہوں نے آخری دور میں بلوچستان کے اکبر بگٹی کے قتل

کو خودکشی قرار دیا جس کو سن کر ہر شخص حیران ہو گیا۔ ایسا انکشاف تو گذشتہ 6 سالوں میں کسی حلقے سے بھی نہیں سننے میں آیا۔ یہ مفروضہ سابق صدر صاحب کو ہی سوجھا۔ دوسرا مضحکہ خیز انکشاف اسلام آباد کی لال مسجد کے واقعہ کو بھی انہوں نے نہایت تو ڑ مروڑ کے مرنے والے غازی عبدالرشید اور ان کے خاندان پر ڈالا کہ انہوں نے نہتے فوجیوں پر گولیاں برسائیں جس کی وجہ سے سابق صدر اور ان کے وزیر اعظم شوکت عزیز کو انتہائی اقدام اُٹھانے پر مجبور کیا گیا۔ درمیان کے مذاکرات خود خانہ کعبہ کے امام عبدالرحمٰن سدیس و دیگر مفتی اور علماء کرام کی کوششیں اور خود ان کی اپنی تشکیل کردہ مسلم لیگ ق کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین کی مفاہمتی تجاویز کو بھی انہوں نے مسترد کرنے سے منکر ہو گئے۔ یہی صورتحال انہوں نے چیف جسٹس چوہدری افتخار صاحب کے ساتھ قصرِ صدارت میں دیگر جرنیلوں کے ساتھ روا سلوک معزولی اور پھر بعد میں ان کو گھر میں نظر بند کرنے سے بھی انکار کر کے سب کو حیران کر دیا جو خود ان کے زوال کا سبب بنا جبکہ وہ آرام سے عوام کو بے وقوف سمجھتے ہوئے حکمرانی کر رہے تھے۔ اگر وکلاء حضرات چیف جسٹس کی بحالی کی مہم نہیں چلاتے تو شاید وہ آج بھی جوڑ توڑ کر کے مسندِ خلافت پر براجمان ہوتے مگر پی پی پی کی حکومت آتے ہی ان کے ہاتھ پاؤں پھلانے میں آصف علی زرداری صاحب نے بڑی خوبصورتی سے ان کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ قوم حیران ہے آج جبکہ ان کی اپنی جماعت مسلم لیگ ق ان سے الگ ہو کر ان کے دور کی تمام خرابیاں ان کے پلڑے میں ڈال کر الگ ہو چکی ہے اور متحدہ قومی موومنٹ بھی ان سے تقریباً الگ ہو چکی ہے وہ دوبارہ اپنی نئی آل پاکستان مسلم لیگ جس کا نہ کوئی منشور سامنے آیا نہ جماعت کی ممبر سازی ہو سکی۔ صرف چند ان کے اپنے دوستوں پر مشتمل افراد کو لئے وہ پورے پاکستان میں الیکشن لڑنے کی امید رکھتے ہیں جبکہ ان کے سابقہ دور کی نفرتوں کے جواب میں لندن کے عوامی جلسہ میں ان پر جوتا بھی پھینکا گیا اور پھر کراچی میں بھی ایک مقامی وکیل کی طرف سے اظہارِ نفرت میں

دوبارہ جوتا پھینکا جانا یقیناً معنی رکھتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ماضی کی طرح وہ مکالہرا کر بہادری کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اگر وہ خود بغیر کسی بیرونی طاقت یا مفاہمت اور متحدہ ان کے ماضی کے لحاظ میں اپنی ایک سیٹ ان کے کھاتے میں ڈال دے تو وہ اور بات ہے تب بھی ان کی سیٹ پکی ہرگز نظر نہیں آتی۔ البتہ چترال کے ان کے دوست ان کا ساتھ دیں تو بھی شاید ان کی سیٹ نکل سکے۔ لوگ حیران ہیں کہ وہ کونسے ان کے دوست ہیں جو ان کو 5 سال آرام دہ زندگی گزارنے کے بعد پاکستان کھینچ لائے اب جبکہ عدالتِ عظمیٰ نے ان کا نام ای سی ایل میں بھی ڈال دیا ہے۔ کتنی جگہوں پر جا کر خود اپنی عبوری ضمانتوں کو کنفرم کروا کر ان کی پیشیاں بھگتیں گے۔ ان کی اپنی جان کو بھی خطرہ ہے۔ طالبان اور بگٹی قبیلہ پہلے ہی ان پر اپنے دانت تیز کر چکا ہے۔ فوج اور رینجرز ان کی کیسے حفاظت کر سکیں گیں جبکہ آج کل تو خود فوج، رینجرز اور پولیس پر حملے روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ ہر روز ہی ایک نئے خودکش حملے کی اطلاع اخبارات اور میڈیا سے مل رہی ہے۔ غالباً معصوم لال مسجد کی طلباء و طالبات اور علماء کا خون اور بگٹی کا قتل ان کو مقافات عمل سے گزارنا چاہتا ہے۔ جو ان کے نادان دوست یہاں کھینچ لائے۔ انجام سے بے خبر پاکستان کی سیاست میں تو ان کی جگہ نہیں بنتی البتہ جو انہوں نے اپنے دور کے آخری دنوں میں امام جابر حکمرانوں کی طرح کلہرائے، کراچی کے قتل عام پر ان کو اس کا جواب اب دینا ہوگا۔ ویسے بھی میری رائے میں الیکشن کیلئے "ہنوز دلی دوراست" فی الحال تو ماضی کے داغدار سیاستدانوں کا اتوار بازار لگا ہے۔ جن میں جعلی ڈگری والوں، دہری شہریت رکھ کر جھوٹ بولنے والوں، نادہندہ اور کرپٹ سیاستدانوں کو سزائیں سنانے کا عمل بہت تیزی سے جاری ہے۔ کاش یہ عمل پہلے ہی شروع ہو جاتا تو قوم ان کے چہرے پہلے ہی سے دیکھ لیتی۔ خیر دیر آید درست آید۔ کاش اس سے ہماری سیاست کو نئی منزل مل سکے اور الیکشن کمیشن اور عدلیہ سرخرو ہو سکیں۔

﴿ الیکشن قوم کی آزمائش ﴾

پورے ملک میں الیکشن کا بخار بڑے زور و شور سے چڑھا ہوا ہے۔ تمام سیاسی جماعتیں اپنی کامیابیوں اور دوسروں کی ناکامیوں کی دعویدار ہیں۔ میڈیا پر معرکہ آرائی جاری ہے مگر قوم گم سم ہے کس کس کی باتوں پر یقین کرے وجہ صاف ہے کہ سیاستدانوں سے قیام پاکستان سے لے کر آج تک 66 سال سے وہ بے وقوف ہی بنتی رہی ہے اور اندیشہ ہے کہ اس الیکشن کے بعد بھی اگر ہوئے تو تب بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اس کی وجہ صاف نظر آرہی ہے وہی سیاستدان ہیں اور وہی پرانی سیاسی جماعتیں ہیں جو ایک دوسرے کو سہارا دے کر سیٹیں ایڈجسٹمنٹ کر کے پھر کامیاب ہو جائیں گی اور عمران خان جو صحیح معنوں میں پہلی مرتبہ پوری تیاریوں کے ساتھ نئے وارد ہیں۔ جن کا منشور 90 دنوں میں پورے ملک سے کرپشن ختم کرنے کا دعویدار ہے۔ ماضی کے مرحوم جنرل ضیاء الحق کے 90 دن کے الیکشن کروانے کے دعوے کا ہم پلہ ثابت ہوگا۔ بقول شاعر! خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔

ہر چورن بیچنے والے کو اپنی چورن کی افادیت کا پتہ ہوتا ہے مگر وہ خریدار کے سامنے مبالغہ آمیز دعوے کر کے بیچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جیسے پہلے فٹ پاتھوں پر جنسی معجونوں کو عوام کو بیچ کر بے وقوف بنایا جاتا تھا آج وہی کاروبار ہمارے سیاستدان اسی الیکشن میں کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ کہیں کہیں تو الیکشن سے عوام بھی محظوظ ہو رہی ہے، خاص کر ہمارے مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے میں ماضی کی پشتو فلموں کی ہیروئن مسرت شاہین غالباً تیسری بار مقابلے پر اتری ہوئی ہیں۔ فلمی اداکارہ میرا بھی اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لئے میدان مارنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ کئی علاقوں سے خواجہ سرا بھی الیکشن کی تیاری کیئے ہوئے ہیں۔ مجھے ایک ای میل حافظ آباد سے ایک خواجہ سرا نسرین نامی گرامی کی موصول ہوئی ہے، بھیجی تو انہوں نے نگران حکومت اور الیکشن کے اعلان سے قبل

تھی مگر بعض مرتبہ ای میلر سٹپ ہو جاتی ہیں تو یہ بھی سٹپ ہوگئی تھی اس ای میل میں انہوں نے پاکستانی مایوں قوم کو مشورہ دیا ہے کہ وہ 66 سال سے تمام سیاستدانوں بشمول مرد حضرات، عورت، فوجی، صنعتکار، وڈیروں، چوہدریوں، نوابوں سب کو آزمایا اور سب نے مایوس کیا۔ اس الیکشن میں ہم مظلوموں کو بھی ایک موقع دیں ویسے بھی ہمارا کام ہی دلوں کو لبھانا ہے۔ میں نے سن رکھا تھا کہ حافظ آباد میں ہر سال خواجہ سراؤں کا خفیہ کنونشن ہوتا ہے اور نسرین صاحبہ غالباً اس کی صدر ہونگی تو الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ بھی ہوا ہوگا۔ ذکر ہو رہا تھا الیکشن کی گہما گہمی کا مگر وہ تو دور دور تک نظر نہیں آرہا باوجود اس کے کہ 1 ماہ سے بھی کم وقت رہ گیا ہے، دھڑا دھڑ الیکشن کمیشن، عدلیہ ریٹرننگ افسران سے کاغذات نامنظور پھر منظور جعلی ڈگریاں والے جیل جا رہے ہیں اور پھر ان کو دوبارہ الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ عوام ہر دن ایک نئے فیصلے سے دوچار ہو رہی ہے۔ ایک علاقے سے کاغذات مسترد تو اسی امیدوار کے دوسرے علاقے سے کاغذات نامزدگی منظور ہو رہے ہیں۔ ہمارے سابق مرد آہن صدر پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ ایک نئی روایت کو جنم لے گا۔ کاش عدلیہ کی ماضی کے فیصلے اور نظریہ ضرورت کو اگر پہلے ہی لگام دے دی جاتی اور پی سی او کے تحت اٹھائے جانے والے حلف اور این آر او کے تحت ملنے والے معافی ناموں کے آگے دیواریں کھڑی کر دی جاتیں تو آج پاکستان دہشت گرد نہ ٹھہرایا جاتا۔ ہر کوئی ٹشو پیپر کی طرح استعمال نہ کرتا۔ ہماری قوم حسرت سے ٹی وی پر اپنے ہی کھلاڑیوں کو دوسرے ممالک میں کھیلتے دیکھتی ہے۔ پوری دنیا نے متفقہ طور پر اس ملک میں آنے پر پابندیاں لگوا رکھی ہیں۔ ہمارے حکمرانوں میں اتنی بھی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ پوچھیں کہ یہ ناانصافی صرف پاکستان ہی کے ساتھ کیوں ہو رہی ہے۔ نگران حکومت سے جو عوام کو امیدیں وابستہ تھیں وہ بھی پوری نہیں ہو رہی ہیں۔ الیکشن کیسے شفاف ہونگے سیاسی وابستگیاں تو سب پر عیاں ہے۔ صرف چہرے بدلے ہوئے ہیں نظام تو اسی طرح کام

کر رہا ہے البتہ مخالف سیاسی پارٹیاں واویلا کر رہی ہیں۔ کچھ جماعتوں کو تو الیکشن کمیشن پر بھی تحفظات ہیں وہ الیکشن کے نتائج کو کیسے مانیں گیں۔ اگر الیکشن کو مکمل طور پر شفاف بنانا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ مکمل فوج کی نگرانی میں پولنگ ہونی چاہئے جس طرح صرف ایک مرتبہ جنرل یحییٰ خان نے جو الیکشن کروائے تھے صرف آج تک ان کو شفاف الیکشن کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ایک الگ بات ہے خود یحییٰ خان نے الیکشن تو کروا دیئے مگر اقتدار مجیب الرحمٰن کو نہیں سونپا جس سے اس ملک کو آدھے پاکستان سے ہاتھ دھونا پڑے اور آج بھی اس کے صوبوں میں علیحدگی کی تحریکیں جنم لے چکی ہیں۔ ہر ایک کی زبان پر ہے کہ اس ملک کا کیا بنے گا؟ کاش قوم خود یہ فیصلہ کرے کہ اس نے اس ملک کو بحران سے نکالنا ہے باہر سے کوئی آ کر نہیں نکالے گا۔ اگر وہ ذات برادری کو چھوڑ کر بالکل صحیح امیدواروں کو چن لیں تو یہ قوم اور ملک گرداب سے نکل سکتا ہے اور قدرت نے یہ نادر موقع بھی الیکشن کی صورت میں فراہم کر دیا ہے۔

صرف یہ کہنے سے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں حقیقت سے فرار ہے۔ صرف نعروں اور وعدوں سے ملک ترقی نہیں کرتے اس کے لئے تعلیم اور جدوجہد ضروری ہے وہ ہم سب کو مل کر کرنی چاہئے اور اللہ سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ خود کو یا ملک کو برا بھلا کہنے سے تقدیریں نہیں بدلتیں اس کے لئے قوم کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ آیئے اس الیکشن سے اپنی تقدیریں بدل کر قائداعظم کے پاکستان کو صحیح سمت میں گامزن کریں۔ دراصل یہ الیکشن قوم کی آزمائش ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔

﴿ اگلے الیکشن کی تیاری ﴾

بچپن میں ہم والدین سے اکثر یہ محاورہ سنا کرتے تھے کہ چھاج بولے سو بولے چھنی بھی بولے جس میں بہتر سوچھید۔شاید ہمارے نوجوان اس محاورے سے ناراض ہونگے، میں اس مشکل محاورے کا مطلب بتا دیتا ہوں کہ چھاج آٹا چھاننے والی پتلی جالی ہوتی ہے جس میں باریک سوراخ ہوتے ہیں مگر چھنی میں بڑے بڑے سوراخ ہوتے ہیں جس میں سے موٹا موٹا سامان گزر جاتا ہے۔کبھی بڑے بڑے کنکر، مٹی بھی چھن جاتے ہیں۔وہ اگر شکایت کرے تو یقیناً سب کو اعتراض ہوگا۔

میری پوری قوم نے اس الیکشن میں وہ کچھ دیکھا اور سنا جو وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی خاموش رہے۔ایک طرف الیکشن کمیشن کی طرف سے 62 اور 63 دفعات کی پابندیاں، اخراجات پر کنٹرول، مگر حقیقت ان دونوں دفعات اور اخراجات کی حدوں سے کوسوں دور تھیں۔الزامات کی بھرمار، اخبارات کی کتنگ اور چینلز کی کلپنگ سے پڑھی اور سنی جاسکتی ہے۔کیونکہ اب کوئی چھپانا بھی چاہے تو چھپا نہیں سکتا، آدھے آدھے اخبارات کے اشتہارات تو ہم صنعتکار بھی اپنی اشیاء کی فروخت کرنے کے لئے برداشت نہیں کرسکتے اور 10 دس منٹس کے اشتہارات وہ بھی پیک ٹائم میں۔بعض ٹی وی چینلز 2 لاکھ روپے فی منٹ وصول کرتے ہیں ان پر مسلسل کثرت سے آرہے تھے بلکہ زبردستی دکھائے جارہے تھے۔میڈیا کی چاندی نہیں بلکہ سونا بن رہی تھی، مرکز صرف ایک صوبے کی کھربوں روپے کی بربادی کی داستان سنا رہا تھا۔گن گن کے 5 سال کی گمشدہ کارکردگی کو بھولے بھالے، سہمے سہمے عوام کو بتا رہا تھا کہ کتنا سرمایہ بڑے صوبے کے واحد نابعدار نے غریب عوام پر خرچ کرنے کے بجائے اپنے سیاسی کارکنوں اور اپنے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبران پر خرچ کیا۔سستی روٹی، لیپ ٹاپ کی تقسیم، ٹیکسیوں سے روزگاروں کی فراہمی، دانش اسکول، جنگلہ بس سروس الغرض سب کی آڑ میں کرپشن ہی کرپشن بتائی جارہی تھی تو دوسری طرف اسی صوبے کے وزیراعلیٰ کا مرکز پر

جوابی حملہ بے نظیر اسپورٹس پروگرام، روزگار کی فراہمی، قرضوں کی آڑ میں جیالوں پر ان عنایتوں کی بھرمار آنکھ بند کرکے نوکریاں اور اب 18 ہزار کم از کم تنخواہوں کا اعلان۔اب نتیجہ آنے میں صرف 2 دن رہ گئے ہیں۔تمام شطرنج کی پرانی چالیں نہایت چمکدار مہروں سے چلی جاچکیں ہیں۔صرف عمران خان فیکٹر سب کے سروں پر سوار ہے، شیر، بلہ اور تیر ہی اس میدان سیاست کے فیصلہ کن مہرے نظر آرہے ہیں۔لگتا ہے کہ اصل معرکہ اب ان تینوں کے درمیان 11 مئی کو دیکھنے میں آئے گا۔کوئی ان سے پوچھے کہ گذشتہ 5 سالوں میں ملک کی معیشت کی جو درگت ان سیاستدانوں نے بنائی 60 روپے سے 102 روپے پر ڈالر کس نے پہنچایا۔کراچی اور بلوچستان میں دہشت گردی میں مرنے والے ہزاروں بے گناہ مسلمان پاکستانیوں کا حساب کون دے گا۔کیا کسی لیڈر نے ان علاقوں کا دورہ کرنا بھی گوارہ کیا، کھربوں کی کرپشن میں کون کون حصہ دار تھے۔آدھے اقتدار میں رہ کر وصول کررہے تھے تو آدھے خاموش رہ کر وصول کررہے تھے۔صرف پنجاب کا بجٹ بقایا 3 صوبوں سے زیادہ ہوتا ہے وہ کون کھا رہا تھا۔IMF جس سے ہم جان چھڑا چکے تھے آج پھر ہم پر کس نے مسلط کروائی۔بلوچستان میں کھربوں روپے ان کے صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے نمائندوں میں کس نے تقسیم کرکے 5 سال تک ان کی زبانوں پر تالا بندی کرکے اسلام آباد میں بیٹھ کر کیسے حکومت چلائی گئی۔سرحد میں روز بم دھماکے ہوتے رہے، ڈرون حملے بڑھتے گئے، بمبار، خودکش حملے کون کراتا رہا۔کیا کسی نے ہمدردی کے دو بول بولے۔مرنے والوں کے گھروں میں جاکر تعزیتیں کیں مگر آج الیکشن جیتنے کے لئے سب بلند دعوے کرکے قوم سے صرف ووٹ لینا چاہتے ہیں۔قوم تبدیلی بھی چاہتی ہے مگر کیا اس قوم کو تعلیم سے دور رکھ کر تبدیلی ممکن ہے؟

جاگیرداروں، چوہدریوں، نوابوں، وڈیروں کی موجودگی میں کیا کوئی انقلاب آسکتا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔صرف درخت کے چند پتے چھٹنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسا ہی 66 سال سے ہوتا آرہا

ہے اور اب بھی کم وبیش ایسا ہی ہوگا۔میرا کالم جب چھپے گا تو الیکشن کا نتیجہ آچکا ہوگا،صرف چند گھروں میں ماتم تو اکثر گھروں میں ڈھول کی تھاپ پر رقص ہو رہا ہوگا۔حاکم بدآہن یہ پہلی دفعہ اٹھے پڑھے لکھے نوجوان سقوط ڈھاکہ کی طرح بے خود پڑے ہو نگے،کچھ الیکشن کمیشن کو کوس رہے ہو نگے تو کچھ پاکستان کے فرسودہ نظام سے شاکی ہو نگے جو اکثر برادری،لسانی،مذہبی،علاقائی طبقوں کے گرد گھومتا ہے۔10 پندرہ فیصد گریجویٹ ملک کی 85 فیصد مندرجہ بالا طبقوں کے سامنے صرف نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہو نگے۔جب تک نظام کے ساتھ ساتھ ہم نوکریاں دینے،تنخواہیں بڑھانے،سستی روٹیاں تقسیم کرنے،بے روزگار ٹیکسیوں والی اسکیموں،ٹریکٹروں کی فراہمی کے علاوہ ایک پوائنٹ ایجنڈا جس میں نہ صوبوں،مذہبی فرقوں،برادریوں،لسانی نعروں سے ہٹ کر صرف اور صرف تعلیم پر تمام سیاستدان عمل پیرا ہو نگے تب ہی پاکستان اپنے اصل مقاصد کی تکمیل کر سکے گا۔

ورنہ چند دنوں بعد عوام دیکھیں گے کہ وہ جو الیکشن کیمپین کے دوران ایک دوسرے میں کیڑے نکال رہے تھے پھر ماضی کی طرح سر جوڑے بیٹھے سیٹوں کی تقسیم کر کے حکومت بنانے کے لئے جوڑ توڑ کر رہے ہو نگے۔قوم دیکھے گی یہ بھول جائینگے کہ کل کے دہشت گرد،آج کے محنت کش،محب وطن سچے پاکستانی نظر آئینگے۔جوق در جوق وفود ایک دوسرے سے مذاکرات کر رہے ہو نگے کہ کس طرح اقتدار کی کرسی ان سے نہ چھن جائے اور دوسرا قابض نہ ہو جائے۔کاش قوم یکجا ہو کر اگلے الیکشن کی تیاری کرے،صرف اور صرف تعلیم کو منزل بنا کر اور ہماری افواج پاکستان اپنا بجٹ کم کر کے تعلیم اور درسگاہوں کے حوالے کر دے،پھر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔کیا عمران خان خلوص کے ساتھ اس قوم کی رہنمائی کرینگے،اگرچہ وہ الیکشن ہار جائیں تو اگلے الیکشن کی تیاری آج ہی سے شروع کریں۔

اور الیکشن کے نتائج دھاندلیوں کی نظر ہو گئے

گذشتہ اتوار کے کالم میں راقم نے جو خدشات اور پیشن گوئیاں الیکشن سے 2 دن قبل پیش کیں تھیں آج ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود قوم دیکھ رہی ہے کہ جو سیاسی جماعتیں الیکشن کمپین میں کھل کر ایک دوسرے کو لعن طعن،زور و شور سے عوامی جلسوں اور میڈیا پر کر رہی تھیں وہ سب کچھ بھول بھال کر خیر سگالی کے جذبے کے تحت عیادت کی آڑ میں پھول پیش کر کے حکومت سازی کے لئے راہیں ہموار کر رہی ہے۔آدھے آدھے صفحے اور کہیں کہیں پورے پورے اخبارات کے صفحۂ اول پر بھرے الزامات کے اشتہارات سب سیاسی ڈھونگ ثابت ہو چکے ہیں۔البتہ سب طرف سے دھاندلیوں اور دھرنوں کی سیاست پہلی مرتبہ دیکھنے میں آرہی ہے خاص طور پر جن پر الزامات ہیں کہ اس جماعت کے عہدیداروں نے الیکشن کمیشن کے نامزد ریٹرننگ افسروں سے ملی بھگت کر کے اور کہیں زور بازو سے دھونس،دھمکیوں دھاندلیاں کیں اور الیکشن میں کامیابیاں بھی حاصل کیں وہ بھی دھاندلیوں کے الزامات سامنے والی،جیتنے والی پارٹی پر لگا کر اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ہر صوبے کی سیاسی جماعتوں کی پہلی کوشش یہی ہے کہ ہارنے کا سارا ملبہ جیتنے والی پارٹی پر ڈال دیا جائے اور اپنے آپ کو قوم کے سامنے بے قصور ثابت کر کے زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں اپنی جھولی میں سمیٹ لی جائیں۔آخر یہ سیاسی پنڈت یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اب میڈیا بھرپور کردار ادا کر کے قوم کو 5 سال سے سچ اور جھوٹ کی سیاست کھول کر عوام کو آگاہ کرتا آرہا ہے جو حزب اقتدار خود اقتدار کے نشے میں عوام سے دور اور کرپشن کے قریب رہ کر صرف اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ کرتی رہی۔عدلیہ چیخ چیخ کر ان کو کٹہرے میں لاتی رہی مگر قانون کی پیچیدگیوں اور بیوروکریٹس کی مدد سے ملزمان چھوٹتے رہے۔اربوں کے کرپشن کو عدلیہ اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آزاد ہو گئے۔یہ بھول گئے کہ ایک راستے سے چھوٹ گئے مگر دوبارہ کس منہ سے عوام کے سامنے جا کر دوبارہ

ووٹوں کی بھیک مانگیں گےاور کیا پھر عوام اگلے 5 سالوں کے لئے بے وقوف بننے کے لئے تیار ہو جائے گی یہ ان کی بھول تھی۔مگر قوم نے پھر برادریوں، جاگیرداروں، وڈیروں، نوابوں، مذہبی حلقوں کو ہی کامیاب کرایا اگر چہ ماضی کی مثالوں کو سامنے رکھیں تو ہر دفعہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی اقتدار میں ہوتی ہے تو حزب اختلاف میں پاکستان مسلم لیگ (ن) ہوتی ہے۔ جب الیکشن ہوتا ہے تو حزب اختلاف حزب اقتدار بن کر کامیاب ہو جاتی ہے۔یہ سلسلہ جنرل ضیاءالحق کے طیارے والے حادثے کے بعد سے لیکر غلام اسحاق خان کے دور سے ہوتا آرہا ہے۔ پھر یہی عمل پرویز مشرف کے دور میں اگر چہ ایک الیکشن تک رکا رہا مگر پرویز مشرف کے جاتے ہی پی پی پی کو دوبارہ اقتدار ملا تو کرپشن کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔دونوں وزراءاعظموں پر اور ان کی اولادوں پر کھربوں روپے لوٹنے کے الزامات لگے۔آج وہ نہ صرف الیکشن میں بری طرح ہار گئے اور اپنے آپ کو مظلوموں میں شامل کرنے کی ناکام کوششوں میں لگے ہوئے ہیں بلکہ استعفوں کی باتیں کر رہے ہیں۔کیا ماضی میں 2 ڈھائی مرتبہ اقتدار میں رہنے والی مسلم لیگ (ن) کے سربراہ دوبارہ اقتدار ملنے کے بعد ماضی کی غلطیوں کو پھر دوہرائیں گے اور پھر بدعنوانیوں، لوٹ کھسوٹ کی سیاست میں پڑ جائینگے یا پھر ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھیں گے۔فی الحال تو وہ 3 صوبوں میں جوڑ توڑ کی سیاست اور فوٹو سیشن میں لگے ہوئے ہیں۔الیکشن کمیشن خود بے حال الیکشن کروا کر الزامات کی زد میں ہے۔فوج نے دعووں کے مطابق الیکشن کے دوران اپنے آپ کو دور رکھا جس سے دھاندلیوں کی بھرپور وارداتیں ہوئیں۔150 فیصد سے لیکر 200 فیصد تک بعض حلقوں میں ووٹ ڈالے گئے ہر طرف جس جس کا جہاں جہاں بس چلا اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ فوج کی نگرانی کا وعدہ دھرے کا دھرا ہی رہ گیا یہ ایک صیغۂ راز رہے گا اور کام کرنے والوں نے اپنا کام بھی دکھا دیا۔اب ہر طرف سے واویلوں، دھرنوں اور الزامات کی بھرمار ہے چند دنوں تک یہ

ڈرامے بھی فلاپ ہو جائینگے۔عوام سڑکوں سے واپس اپنے اپنے کاموں میں لگ جائینگی اور ماضی کے 66 سالوں کی طرح اگلے 5 سال بھی آنکھوں میں کٹ جائینگے۔قوم کو جو تبدیلی کی توقع تھی وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی۔جیسا کہ میں نے لکھا تھا کہ 10 پندرہ فیصد گریجویٹ، پڑھے لکھے شہری، ووٹرز قوم کی خواہشات پورے نہیں کر سکیں گے اور قوم کی اُمیدیں پھر دم توڑ جائینگی۔کیونکہ اکثریتی عوام جہالت کے اندھیروں میں رکھ کر لسانیت، مذہبی جنون، برادریوں میں بری طرح بٹے ہوئے ہیں۔ ان پر تعلیم کے دروازے بند ہیں یا جزوی کھلے ہوئے ہیں، پڑھے لکھے پنجاب کا نعرہ لگا کر قوم کو بے وقوف بنایا گیا۔صرف میڈیا سے سستی شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ تھا وہ وقت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ پرویز مشرف کی سیاست بھی اپنی موت آپ مر گئی، مرکز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔البتہ اب حزب اقتدار اور مظلوم بن کر 5 سال تک حزب اختلاف کا وہی پرانا ڈرامہ رچا کر 5 سال بعد پھر اپنا وقت پورا کر کے اگلے الیکشن کی تیاریوں میں لگ جائینگی اور پھر اقتدار کی کرسی اس کو مل جائیگی۔قوم اپنی مشکلوں میں ہی گھری رہے گی البتہ صرف ایک صوبے میں پاکستان تحریک انصاف اگر حکومت چلا کر عوام کی مشکلوں پر قابو پا لے تو تب کہیں دوسرے صوبوں میں اس کا ردعمل دیکھنے میں آسکتا ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمران خان کو بھی پرانے سیاستدان سب مل کر اپنے جالوں میں پھانس کر وہی کام کروائیں جو وہ خود 66 سال سے عوام کو بے وقوف بناتے آئے ہیں۔یہ ایک امتحان قدرت نے عمران خان کو خیبر پختونخواہ میں فراہم کیا ہے جہاں عوام نے بھرپور ووٹوں سے ان کو کامیاب کروایا ہے۔شاید اگر الیکشن فوج کی مکمل نگرانی میں ہوتے تو الیکشن کے نتائج کچھ اور ہوتے۔کراچی کے حلقہ 250 میں ہی یہ بات بھی سامنے آجائے گی مگر میں پھر بھی چلتے چلتے یہ کہوں گا کہ جب تک قوم کو تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں کیا جائیگا ہمارے خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونگے۔کاش ہماری عدلیہ کی طرح فوج ہی یہ ذمہ داری پوری کرنے کے لئے اپنے بجٹ کا کچھ حصہ صرف تعلیم پر

مخصوص کر کے اس خواب کی تعبیر پوری کر دے۔ دھرنوں سے مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آرہا، دھاندلی کرنے والے اپنا کام پورا کر چکے۔ اب مسلم لیگ (ن) کے قائد جناب نواز شریف صاحب 5 سال کی کرپشن کے کیس کیا بے نقاب کر پائینگے؟ اور عوام کے کھربوں روپے واپس لا ئینگے؟ اور عوام کی مشکلوں کا ازالہ کر سکیں گے؟ بجلی اور گیس کے بحرانوں پر قابو پا سکیں گے؟۔ دہشت گردی ختم کر کے پاکستان کا وقار دوبارہ بحال کر سکیں گے؟ اب ان سے ہی عوام کی اُمیدیں باقی ہیں۔

﴿میاں نواز شریف کے قابلِ قدر اقدامات اور سیاسی فیصلے﴾

پاکستان کی سیاست جس کا تقریباً نصف حصہ فوجی حکمرانوں کے کارناموں اور نصف حصہ قومی سیاستدانوں کی آپس میں دست و گریباں سے بھر پور گذرا ہے۔ مگر پہلی مرتبہ اس سیاست میں 5 سال فرینڈلی اپوزیشن عوام کو دیکھنے کو ملی جو ہماری ماضی کی سیاست سے بالکل مختلف تھی۔ یار لوگوں نے مسلم لیگ (ن) جو حزب اختلاف کا کردار ادا کر رہی تھی خوب بھڑکانے اور حزب اقتدار پی پی پی کے حکمرانوں سے لڑانے کی بھر پور کوششیں کیں مگر نا کام رہے۔ پھر پی پی پی کی حکمرانوں کی کرپشن کی داستانیں عام ہوئی تو پھر فوج کی طرف جانے کی کوشش کی، طرح طرح کے نام دیئے مگر چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی جن کو جنرل پرویز مشرف نے نامزد کیا تھا یہ سوچتے ہوئے کہ وہ ان کے وفادار رہیں گے مگر اشفاق پرویز کیانی صاحب نے اپنے پورے دور میں پاکستان کی سیاست میں دخل و معقولات دینے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی۔ باوجود اس امر کے کہ 5 سالہ دور عدلیہ سے بھر پور محاذ آرائی، وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے نااہل ہونے تک اور سوئس بنکوں سے اربوں ڈالر کی واپسی بھی نہیں ہو سکی۔ صرف دیکھنے اور منہ دوسری طرف کرنے تک ہی محدود رکھی۔ پورے ملک میں ہر طرف دہشت گردی، کرپشن، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، پیٹرول اور گیس کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافے کے باوجود عدم فراہمی سے عوام بے زار ہو چکے تھے اور پھر عوام نے حکمرانوں کو سبق سکھا دیا اور اقتدار سے محروم کر کے قرعہ فعال، مسلم لیگ (ن) کے میاں نواز شریف کے نام نکال کر تیسری مرتبہ وزیر اعظم منتخب کروا دیا۔ ساتھ ساتھ نو عمر سیاستدان جو گزشتہ 17 سال سے کرپشن کو بے نقاب کرنے پر لگے ہوئے تھے بہت پذیرائی کی اور اگر انتخابات مکمل فوج کی نگرانی میں ہوتے تو یقیناً نتیجہ بالکل مختلف ہوتا۔ تحریک انصاف کیونکہ نو وارد تھی لہٰذا وہ دھاندلی نہیں کرنا جانتی تھی اور نہ ہی چاہتی تھی۔ لہٰذا پرانے سیاسی داؤ پیچ اور بیلٹ بکسوں کو

بھرنے کا آرٹ پھر غالب آ گیا اور میدان مسلم لیگ (ن) نے مار لیا اور جس پارٹی کو جہاں موقع ملا بکس بھر دیئے۔ الیکشن کمیشن منہ دیکھتا رہ گیا اور کچھ نہ کر سکا۔

یہاں تک تو حقیقت تھی اب جبکہ مسلم لیگ (ن) کو اقتدار ملا تو مسلم لیگ (ن) کے قائد جنہوں نے یقیناً جلاوطنی سے جمہوری سبق سیکھا تھا اور خاموش 5 سال گزارے تھے ان کی پہلی تقریر وزیر اعظم بننے کے بعد حقیقتاً پاکستان کے حقیقی وجود کی ترجمانی کر رہی تھی۔ کاش لیاقت علی خان جو پہلے وزیر اعظم تھے ان کی شہادت کے بعد اگر ایسی روایت جو میاں نواز شریف صاحب نے ڈالی، خیبر پختونخواہ میں سیاسی جوڑ توڑ سے گریز کر کے جے یو آئی کے مولانا فضل الرحمٰن کو مایوس کیا اور اقتدار تحریک انصاف کے عمران خان کے حوالے کر کے پہلی مثال قائم کی اور پھر بلوچستان میں اپنی برتری کے باوجود اقتدار مسلم لیگ (ن) کے بجائے نیشنل پارٹی کے ڈاکٹر عبدالمالک کے حوالے کر دیا یہ دوسری مثال تھی حالانکہ ان کے پاس صرف 3 سیٹیں تھیں۔ اس سے قبل بلوچستان کو ہمیشہ احساس محرومی کا گلہ رہتا تھا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر کے پاکستان سے محبت کرنے کا سبق یاد کروایا۔ ان کی پہلی تقریر میں انہوں نے سندھ اور خصوصاً کراچی کی صورتحال پر ایک طرف گہری تشویش کا اظہار کیا تو دوسری طرف دہشت گردی، بھتہ خوری، لاقانونیت ختم کرنے کے لئے مرکز کی طرف سے پورا تعاون کرنے کا یقین دلایا۔ مگر افسوس صد افسوس ٹھیک ان کی تقریر کے چند گھنٹے بعد ایم کیو ایم کے تین ہمدرد بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ شام تک 3 تاجر جن کو بھتہ کی پرچیاں ملی ہوئی تھیں بھتہ نہ ملنے پر ان کی گاڑیوں کا پیچھا کر کے بھرے بازار میں گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ آج تک قاتل وہی دہشت گردوں کی طرح کھلے عام گھوم رہے ہیں پھر شام تک ایم کیو ایم نے سوگ منانے کا اگلا دن مقرر کر کے ماضی کی یاد تازہ کر دی اور کراچی ڈر اور خوف سے مکمل شٹر ڈاؤن ہڑتال کا منظر پیش کر رہا تھا اور کراچی کے پرامن شہری سارا دن ڈر سے گھروں میں دبکے بیٹھے رہے۔ ایک

طرف پورا ملک نئے وزیر اعظم بننے کی خوشیاں منا رہا تو سندھ میں امن لانے کا اعلان خود منہ چڑھا رہا تھا کہ ہم سے ٹکر لینا اتنا آسان نہیں ہے کر لو جو کرنا ہے۔ چند دہشت گردوں کے ہاتھوں پورا شہر یرغمال پہلے بھی تھا، آج بھی ہے جبکہ اس شہر کو ایک دن بند کرنے سے کھربوں کا نقصان ہوتا ہے جس کی کسی کو نہ کل پروہ تھی نہ آج نظر آتی ہے۔ میاں نواز شریف صاحب سے میری گزارش ہے کہ جب تک کراچی میں دہشت گردی بند نہیں ہوگی ان کے تمام دعوے خواب بن کر رہ جائینگے اور پھر یہی وعدے ماضی کے سیاستدان، حکمرانوں کی طرح بھاپ بن کر اُڑ جائینگے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کراچی میں آ کر اور زیادہ سے زیادہ یہاں وقت گزار کر تمام اسٹیک ہولڈرز سے مذاکرات کر کے ہی امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بھتہ مافیہ، ٹرانسپورٹ مافیہ، دہشت گردوں کا نیٹ ورک بہت مضبوط ہے جس کو توڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔ صنعتکار اب صرف آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں ان کی جان و مال، آبرو کا تحفظ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

کراچی کے عوام اس الیکشن میں پہلی مرتبہ کھل کر سامنے آئے تھے وہ روز روز کی ہڑتالوں، دن دیہاڑے لٹنے اور مرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہت بڑا سرمایہ تو گذشتہ 5 سالوں میں بیرون ملک جا چکا ہے، بڑے بڑے ادارے، اپنے دفاتر کراچی سے بنگلہ دیش، سری لنکا اور دبئی منتقل کر چکے ہیں۔ 800 ارب روپیہ ہمارے صنعتکاروں سے بجلی اور گیس کے منصوبے بروئے کار لانے کے لئے صرف کراچی، لاہور، فیصل آباد اور ملتان کے ایوان صنعت کے سربراہان سے ملاقات کر کے پورے کیئے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے صرف ان کو اعتماد میں لینا ضروری ہے، بلٹ ٹرینیں چلانے سے پہلے عوام کو بلٹ سے بچانا ضروری ہے۔ ہر ایک جماعت کے پاس اسلحہ بھرا پڑا ہے، پولیس اور رینجرز سندھ میں بری طرح ناکام ہو چکیں ہیں، وہ کسی بڑے گروہوں پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتی ہیں۔ اداروں کی بدنامی کے ساتھ ساتھ عدلیہ کو بھی جوابدہ ہیں۔ آپ کی تقریر بہت اچھی تھی

مگر جب تک اس کے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے اس وقت تک عوام مطمئن نہیں ہونگے۔اب میڈیا بھی آزاد ہے بہت جلد عوام کو پتہ چل جائے گا کہ کہاں تک آپ اپنے وعدوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔آپ کی جماعت میں بھی وہی پرانے لوگ ہیں جو آپ کو 2 مرتبہ اقتدار سے محروم کروا کر جلاوطن بھی کروا چکے ہیں۔اگر انہی خوشامدی ٹولے نے آپ کو گھیر لیا تو پھر آپ کا اللہ ہی حافظ ہے۔

پہلا غریب نواز بجٹ؟

اسلام میں شروع ہی سے مسلمانوں سے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ عشر، نصف عشر اور زکوٰۃ کا نظام ہے۔زکوٰۃ یعنی ½ 22 فیصد اور صرف اور صرف مسلمانوں کو اپنے مال میں سے تاکید کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔جبکہ مفتوحہ غیر مسلموں نصف عشر یعنی 5% فیصد اپنے مال میں سے مسلمانوں کی حکومت کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی سلطنت میں رہتے ہوں اور مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کریں وہ نصف عشر یعنی 5 فیصد کے حساب سے ٹیکس (جزیہ) ادا کرینگے۔جبکہ وہ غیر مسلم جو مسلمان حکومت سے جنگ کریں اور مسلمان اس ملک کو فتح کرلیں ان غیر مسلموں کو 10 فیصد ٹیکس (جزیہ) ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔یعنی اسلام کے شروع کے دور میں مسلمان جب غیر مسلموں سے جنگ کرتے تھے تو فتح کی صورت میں سب سے پہلے ان کو یہ حکم تھا کہ اگر وہ (غیر مسلم) اسلام قبول کرلیں تو ان کو معاف کردیا جائے اور ان سے صرف زکوٰۃ وصول کیا جائے اور جو اسلام قبول نہ کرے اور امن کے ساتھ رہیں تو ان سے 5 فیصد ٹیکس (جزیہ) وصول کیا جاتا تھا اور اگر پھر وہ موقع پا کر جنگ کرتے تو پھر انہیں 10 فیصد (جزیہ) ادا کرنا پڑتا تھا۔تمام خلیج کی مسلمان ریاستوں اور ملکوں میں آج بھی کوئی ٹیکس یعنی انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس، ایکسائز ٹیکس یا جی ایس ٹی نافذ نہیں ہے بلکہ یہ حکومتیں غریبوں کے لئے تعلیم، علاج معالجہ، فلاح و بہبود کی سہولتیں خود اپنے ذرائع سے فراہم کرتی ہیں۔آمد و رفت کے لئے سڑکیں اور دیگر تفریح کے لئے باغات اور بچوں کے لئے تفریح کے مواقع مفت فراہم کیئے جاتے ہیں۔متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے ٹیکسوں کا نظام انگریزوں نے 1857ء میں ہندوستان فتح کرنے کے بعد نافذ کیا تاکہ وہ حکومت برطانیہ کے لئے اپنے فتح کیئے گئے ممالک سے ٹیکس وصول کرکے برطانیہ کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرسکیں۔

مگر جب ہندوستان آزاد ہوا تو یہ نظام جس میں اس وقت صرف انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس تھا وہ ہمارے نظام کا حصہ بن گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس میں دوسرے ٹیکس شامل ہوتے گئے۔ بلدیاتی سطح پر آکٹرائے اور ضلع ٹیکس، صوبائی سطح پر تعلیم اور دیگر صوبائی ٹیکس اور مرکزی سطح پر انکم ٹیکس، دولت ٹیکس، ایکسائز ٹیکس اور سیلز ٹیکس وصول کیئے جاتے ہیں۔

مغربی ممالک میں یہ ٹیکس وصول کیئے جاتے ہیں مگر ان ٹیکسوں سے وصول ہونے والی رقم واپس عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دی جاتی ہے یعنی مفت تعلیم، بہترین ٹرانسپورٹ، علاج معالجہ، بے روزگاری الاؤنس، فلاح و بہبود اور پھر بڑھاپے میں بلا تخصیص پینشن کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ مغربی ممالک میں فیکٹری سے نکلنے والے مال پر کسی بھی قسم کا ٹیکس نہیں ہے بلکہ اگر آپ فیکٹریاں لگائیں گے تو حکومت بجلی، گیس اور ٹرانسپورٹ کی سہولتیں فراہم کرتی ہے اور بینک معمولی سود پر یعنی 5فیصد پر قرضہ فراہم کرتے ہیں اور صرف آخری یعنی صارف سے 15فیصد تک جی ایس ٹی جس کو وہاں وی اے ٹی کہا جاتا ہے، خریدار سے وصول کرتے ہیں۔ وہ بھی عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ تمام سطحوں پر ٹیکس وصول کرنے کا نظام ہے جس میں نہ صرف فیکٹریوں سے سیلز ٹیکس اور ایکسائز ٹیکس وصول کیا جاتا ہے بلکہ امپورٹ پر، بندرگاہ پر بھی یہ ٹیکس پہلے ہی وصول کر لیا جاتا ہے جس کا اثر براہ راست صارف پر پڑتا ہے۔ کیونکہ قیمت فروخت میں یہ ٹیکس شامل کر لیا جاتا ہے تو پھر دوبارہ اسی صارف سے جی ایس ٹی کے نام پر ٹیکس لینے کا کوئی بھی اسلامی اور اخلاقی جواز نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جی ایس ٹی، آئی ایم ایف والے نہیں مانتے تو جناب آئی ایم ایف والوں سے کہیں کہ سیلز ٹیکس یا جی ایس ٹی تمام مغربی ممالک میں صارفین سے ڈائریکٹ وصول کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں پیداواری سطح پر دوبارہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، پی پی پی حکومت نے اپنے 5 سالہ

دور میں صرف ایک فیصد جی ایس ٹی بڑھا کر 16فیصد کر دیا تھا۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے پہلے ہی مزید ایک فیصد بڑھا کر 17فیصد کر دیا جبکہ میاں نواز شریف صاحب نے تو اپنی تقریروں میں جی ایس ٹی کی مزمت کی تھی اور کہا تھا کہ میں حکومت میں آکر اسے ختم کر دونگا مگر افسوس کامیاب ہوتے ہی روایتی سیاستدانوں کی طرح تاجروں سے کیئے گئے وعدوں سے مکر گئے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جی ایس ٹی کے خالق امریکہ میں صرف ½ 6فیصد اور کینیڈا میں 7فیصد ہے۔ کیا ہم کینیڈا اور امریکہ سے زیادہ امیر ملک ہیں اور یہ ٹیکس بھی خریدار کے ذمہ ہوتا ہے نہ کہ فیکٹری مالکان کے ذمہ۔ پھر کہا جاتا ہے کہ ایک فیصد سے کوئی فرق نہیں پڑے گا وہ بھی غلط ہے۔ ایک فیصد خام مال پر سے بڑھتے بڑھتے یہ 4فیصد تک مال کی تیاری تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر اسے بعد مالکان، دوکاندار، ڈسٹری بیوٹروں کا منافع جمع کریں تو یہ بڑھتے بڑھتے 10فیصد تک جا پہنچے گا۔

﴿ دہشت گردی کب اور کون ختم کرے گا؟ ﴾

قومی اور صوبائی الیکشن جیسے تیسے بھی تھے خیر وخوبی سے ہو گئے۔ گران سیٹ اپ بھی اختتام کو پہنچا پھر اقتدار بھی پرسکون منتقل ہوا مرکز اور بڑے صوبے میں مسلم لیگ ن کی تنہا حکومتیں بنیں۔ مسلم لیگ نے فراخ دلی سے خیبر پختونخواہ صوبے میں تحریک انصاف اور بلوچستان میں نیشنل پارٹی کو حکومتیں سونپ دیں۔ سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا اور اب یہ امکان ہو چلا تھا۔ سب سے مخدوش صوبہ سندھ جو انتہائی دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کا شکار تھا۔ اب پی پی پی اور ایم کیو ایم مل کر حالات ٹھیک کریں گی۔ مگر افسوس حالات مزید بگڑ گئے ہیں۔ اب ہر کوئی کراچی کو یرغمال بنانے پہ تلا ہوا ہے۔ مگر عوام نے اندرونِ سندھ مکمل طور پر پی پی پی کی حمایت کی اور اس کو اتنے ووٹ ڈالے کہ وہ بھی تنہا حکومت بنانے پر مسرور ہے، مگر وہ اب بھی ایم کیو ایم کے ساتھ مل کر حکومت کرنا چاہتی ہے جبکہ شہروں میں ایم کیو ایم کو ووٹ ملے۔ اس کے لئے ایم کیو ایم نے پورے صوبے کے عوام سے رائے طلب کی ہے کہ آیا وہ حکومت سندھ میں پی پی پی کے ساتھ بیٹھیں یا حزب اختلاف کا کردار ادا کریں؟ ریفرنڈم میں عوام نہیں چاہتے کہ پی پی پی کے ساتھ مل کر اقتدار میں رہیں۔ اب جناب الطاف حسین فیصلہ کریں گے کہ آئندہ کیا لائحہ عمل ہوگا۔

اب آیئے صوبہ بلوچستان کی طرف وہاں گذشتہ 5 سال سے پی پی پی کی اشتراک کے ساتھ حکومت تھی، وزیر اعلیٰ بلوچستان جناب اسلم رئیسانی صاحب نے زیادہ تر وقت اسلام آباد میں گذارہ۔ پورے صوبے میں خصوصاً کوئٹہ شہر بم دھماکوں سے گونجتا رہا، اور ہزارہ باشندوں کا قتل عام ہوتا رہا، فوج خاموش تماشائی بن کر حالات کا جائزہ لیتی رہی، رینجرز، ایف سی، پولیس انتظامیہ ناکام رہی، گورنر راج بھی لگا۔ اب جبکہ قوم پرستوں کی حکومت ہے کوئٹہ شہر میں معصوم خواتین نرسوں کی بس کو خودکش بم سے اڑا دیا جو نہ بلوچوں کی روایت ہے اور نہ ہی پشتونوں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے اور نہ

ہی کوئی مسلمان ایسا کرنے کی سوچ رکھتا ہے۔ پھر کون ظالم درندہ صفت حیوان نما انسان کر رہا ہے؟ آج تک ایک بھی حادثے کا سوراغ نہیں لگ سکا ہے جبکہ مذہبی تنظیم اس فعل کی ذمہ داری قبول کر چکی ہے۔ کوئٹہ اور خضدار کے عوام مسلسل اس دہشت گردی کے زد میں ہیں مرکزی حکومت، قومی اسمبلی اور سینیٹ صرف قرارداد مذمت پاس کر کے سمجھتی ہے کہ وہ اپنا حق پورا کر چکی ہے۔

آج کے موجودہ دور میں جہاں جدید ٹیکنالوجی موجود ہے، کیمرے بازاروں میں نصب ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ دہشت گرد نہیں پکڑے جا سکے۔ حال ہی میں امریکہ کی ایک ریاست ٹیکساس میں میراتھن ریس کے اختتام پر بم کش حملہ کیا گیا۔ صدر اوباما نے قوم سے خطاب کیا اور صرف 2 دن میں پولیس نے دہشت گردوں کو بے نقاب کر کے مار دیا۔ ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ اتنے بڑے بڑے سانحے ہو رہے ہیں۔ کب تک غریب عوام کا خون بہتا رہے گا مرکزی حکومت کا بھی فرض بنتا ہے کہ صرف بجٹ پیش کرنا کام نہیں ہے عوام کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت مقدم ہے۔ اسی بلوچستان میں زیارت کا تاریخی عجائب گھر (بابائے قوم قائداعظم کی آخری رہائش گاہ) کو ظالموں نے بموں سے اڑا دیا۔ قوم کا قیمتی اثاثہ، تاریخی ورثہ کی بھی ہم حفاظت نہیں کر سکے صرف قراردادیں ہی زخموں پر مرہم کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون اور کب دہشت گردی کو روکے گا اور کون دہشت گردی کروا رہا ہے۔ یہی حال خیبر پختونخواہ صوبے کا ہے روز کہیں نہ کہیں خودکش حملے جاری ہیں، کبھی پشاور میں خودکش حملہ ہوتا ہے تو کبھی سوات کی وادیوں میں موت کا رقص ہوتا ہے تو کبھی بنوں خون میں نہاتا ہے۔ ہر طرف معصوم شہری ہی نشانہ بن رہے ہیں۔ کون سے خفیہ ہاتھ ہیں جو بڑی صفائی سے سرکاری گاڑیوں کو نشانہ بنا کر روپوش ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہم بھارت کی خفیہ تنظیم راء پر الزام ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں تو کبھی لشکر جھنگوی والے الزام اپنے سر لے کر ڈراتے ہیں تو کبھی طالبان پاکستان پر شبہ جاتا ہے۔ کب تک ہم الزامات لگا کر قوم کو بے وقوف بناتے رہیں گے

۔تمام سیاسی جماعتوں کو سب کچھ بھلا کر صرف ایک پوائنٹ ایجنڈا پر کام کرنا چاہئے وہ یہ کہ ہم کیسے دہشت گردی سے اس ملک کو پاک کریں۔اس پر تمام سیاسی پارٹیوں کو سنجیدگی سے غور وغوض کر کے عوام کو دہشت گردی سے نکال کر سکون کا سانس دلانا ہوگا۔اس میں افواج پاکستان، رینجرز، پولیس، ایف سی، خفیہ ادارے اور تمام سیاسی جماعتوں سب کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔جب تک صوبوں میں امن قائم نہیں ہوگا معیشت گردش میں رہے گی، ہم غیر ملکی امداد پر کب تک انحصار کریں گے۔ اب تو آئی ایم ایف بھی من مانی شرائط پر قرضے دینے کی دھونس دے رہی ہے۔خدارا بجٹ میں لگائے گئے اضافی ٹیکسوں کو واپس لیں کچھ تو عوام کا بوجھ ہلکا کریں۔عوام نے آپ پر احسان کیا اور تیسری مرتبہ وزیراعظم پاکستان بنا کر آپ پر بھروسہ کیا۔اب آپ کا فرض بنتا ہے کہ اس احسان کا بدلہ اتاریں، لوڈشیڈنگ، گیس کی بندش، بجلی کا عذاب اور دہشت گردی سے قوم کو نکالیں۔چند ہی ہفتوں میں عوام مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو برا بھلا کہنا شروع ہو گئے ہیں جبکہ پی پی پی کی حکومت کو 2 سال کے بعد برا بھلا کہنا شروع کیا تھا۔اتنی جلدی وہ موجودہ حکومت سے بیزاری دکھا رہے ہیں، صحیح اور اچھے مشیر چنیں جو سیاسی حکمت عملی سے راستہ نکالیں۔اگر صرف ہاں میں ہاں ملانے والے مشیروں پر پھر بھروسہ کیا تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

﴿ سیاسی فرینڈلی میچ پھر شروع ہو گیا ﴾

2013 کے الیکشن میں حیرت انگیز تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں۔خصوصاً ماضی کی 5 سالہ پی پی پی کے اقتدار میں اتحادی بڑی جماعتیں مسلم لیگ (ق)، عوامی نیشنل پارٹی، متحدہ قومی موومنٹ بشمول پاکستان پیپلز پارٹی کو بدترین صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔مولانا فضل الرحمٰن کی جے یو آئی کسی نہ کسی طرح اندر باہر رہ کر اپنے آپ کو بچا گئی۔مسلم لیگ ق اور عوامی نیشنل پارٹی دونوں صوبوں یعنی خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں بالکل باہر ہو گئیں۔مسلم لیگ (ق) صوبہ پنجاب میں بھی ختم ہو گئی۔البتہ متحدہ قومی موومنٹ بڑی جدوجہد کے بعد کراچی اور حیدرآباد میں بامشکل اپنی سیٹیں بچانے میں کامیاب ہوئیں جس کا قائد تحریک الطاف حسین بھائی کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اردو بولنے والے مہاجرین اب عمران خان کی تحریک انصاف کی طرف جوق در جوق رخ کر رہے ہیں جن میں خصوصیت سے نئی نسل اور پڑھے لکھے نوجوان شامل ہیں۔اس طرح پاکستان پیپلز پارٹی بھی خیبر پختونخواہ، بلوچستان اور پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب سے بری طرح الیکشن ہار گئی اور سمٹ کر صرف صوبہ سندھ کے اندرونی علاقوں میں کسی نہ کسی طرح اپنی سیٹیں بچا گئی اور مسلم لیگ (ن) جو سابق مردِ آہن پرویز مشرف کے ہاتھوں دبی ہوئی تھی ابھر کر تحریک انصاف سے لڑ بھڑ کر اپنی سیٹیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔البتہ پورے ملک میں عمران خان کی تحریک انصاف نے سیاسی میدان میں اگرچہ سیٹیں حاصل نہیں کیں مگر 60 سے زائد حلقوں میں دوسرے نمبر پر آ کر اور تیسرے نمبر پر ووٹ حاصل کر کے سب کو حیران کر دیا اور اگلے الیکشن میں بھرپور تیاری کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ویسے تو الیکشن سے پہلے بڑے بڑے جلسوں میں عمران خان سب کو ہرانے کا دعویٰ کر چکے تھے مگر نامعلوم وجوہات اور الیکشن کمیشن کی عملاً نااہلی اور فوج کی نگرانی نہ ہونے کے سبب روایتی سیاست دان اپنا کام دکھا گئے اور اب مسلم لیگ (ن) ایک دفعہ پھر

اکثریت حاصل کرنے کے باوجود صرف ایک ماہ میں عوام کی توقعات پر پوری نہیں اُتر رہی ہے۔ وہی دہشت گردی، قتل، اغواء، مہنگائی، لوڈشیڈنگ، گیس اور بجلی کی آنکھ مچولی کے ساتھ ساتھ پیٹرول، گیس اور بجلی کے نرخوں میں اضافہ صرف ایک ماہ کے قلیل عرصے میں 2 بار ہو چکا ہے۔ جبکہ پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں عالمی سطح پر کوئی اضافہ نہیں ہوا پھر بھی حکومت ڈھٹائی سے اس اضافے کا دفاع کر رہی ہے خصوصاً جی ایس ٹی میں اضافہ۔ چیف جسٹس صاحب کی وارننگ کے باوجود پچھلی تاریخوں میں نافذ العمل کر کے پی پی پی والوں کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے اور کشکول توڑنے، آئی ایم ایف کے قرضے لوٹانے کا اعلان کرنے والے آج آئی ایم ایف کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اوپر سے رمضان المبارک کی آمد ہے۔ مہنگائی کا مصنوعی سمندر ہمارے خودغرض تاجروں، سبزی و پھل فروشوں، گوشت، دودھ، روزمرہ کی اشیاء کے دوکانداروں کے ہاتھوں بے رحمی کا شکار ہو کر عوام کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ اور مہنگائی تمام سال اضافی پریشانی کا باعث بنے گی۔ حکمران ماضی سے اگر سبق نہیں سیکھ سکتے تو موجودہ خطے کی سیاسی صورتحال کو سمجھیں۔ ہمارے ایک مسلمان ملک مصر میں جہاں 33 سال بعد حسنی مبارک جیسے بے لگام حکمران کو برداشت کرنے والی قوم نے 6 ماہ بعد عوام کے ووٹوں سے کامیاب ہونے والی جمہوری پارٹی اخوان المسلمون کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ صدر مرسی 48 گھنٹے بھی عوام کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکے۔ فوج نے ان کو معزول کر کے اقتدار سے محروم کر دیا جو عوام ان کو کامیاب کروا کر اقتدار کی کرسی پر جس شان و شوکت سے لائے تھے اسی تحریر اسکوائر پر مصر کی تاریخ کے سب سے بڑے مظاہرے کے بعد ان کو اُتار کر جشن منا رہے تھے۔ وجہ وہی ماضی کے ناسور مہنگائی، بے روزگاری اور سیاسی دھینگا مشتی تھی۔ جس کو خود صدر مرسی کے لائے ہوئے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل عبدالفتح خلیل ایسی جو نہایت مذہبی رجحان رکھنے والے اور خاموش طبع جنرل نے خاموشی سے اقتدار کی بساط سمیٹ کر ان کو نامعلوم

مقام پر منتقل کر دیا۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا تو عجب نہیں کہ پورا ملک موجودہ صورتحال سے بے قابو ہو کر اُٹھ کھڑا ہو اور عوام کی آخری جمہوری امیدیں دلانے والا عمران خان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اس کو نجات دہندہ سمجھ کر بغاوت کر بیٹھیں۔ کیونکہ موجودہ مصری انقلاب لانے والی پارٹی کا نام بھی "بغاوت پارٹی" ہے۔ جو صرف تین ہفتوں میں کامیابی کی منزل تک پہنچ گئی اور پہلی اسلامی جمہوری سیاسی پارٹی کے اقتدار کا خاتمہ کر ڈالا۔ آج تک پاکستان میں تمام سیاسی جماعتیں مکمل طور پر عوام کو مایوس کر چکی ہیں۔ کوئی بھی ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کیلئے تیار نظر نہیں آتا۔ عدلیہ بھی 5 سال کے عرصے میں سب کچھ کر کے دیکھ چکی ہے۔ کسی کے کانوں کو جوں نہیں رینگتی۔ سیاسی دنگل میں ہر کوئی لوٹ کھسوٹ میں لگا ہوا ہے۔ کل کے حزب اقتدار آج حزب اختلاف کا حقیقی کردار ادا کرنے میں ناکام ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ گویا پھر سے فرینڈلی اپوزیشن 5 سالہ سیاسی ٹیسٹ میچ شروع کر چکی ہے۔

دیکھتے ہیں یہ ٹیسٹ میچ سیاست کے میدان میں کب بساط لپیٹتا ہے۔ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ فی الحال وزیراعظم محمد نواز شریف صاحب سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخواہ صوبوں کے دکھی عوام کو چھوڑ کر چین کے دورے پر روانہ ہو چکے ہیں جبکہ ان کا سعودی عرب کا دورہ ان کا منتظر ہے اور قومی سلامتی کونسل خفیہ ایجنسیاں خاموش ہیں۔ وفاقی دارالخلافہ میں بیوروکریسی میں زور و شور سے اکھاڑ پچھاڑ جاری ہے۔ ہر وزیر اپنی اپنی پسند کا سیکریٹری لگوانے میں مصروف ہے۔ ماضی کی طرح آہستہ آہستہ وزیروں، مشیروں، وزیر مملکتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جبکہ جے یو آئی (ف) کے وزیروں کو ویٹنگ روم میں بٹھا دیا گیا ہے۔ اللہ اللہ تے خیر صلہ۔ فی الحال تو پورے ملک میں ایک دن روزہ رکھنے اور ایک ہی دن عید منانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ کیا یہی سیاسی ایجنڈہ تھا؟

﴿ شگوفہ لطیفہ اور نصیحت ﴾

گاؤں کی سڑک پر ایک جنازہ جارہا تھا جس کے ساتھ 40 پچاس افراد چل رہے تھے، جنازہ کے ساتھ ایک نوجوان اور اس کے ساتھ ساتھ کتا بھی چل رہا تھا۔ جوں جوں جنازہ قبرستان کی طرف بڑھتا اس نوجوان کے پیچھے ایک لمبی قطار بھی بڑھتی جارہی تھی۔ قطار میں اکثریت نوجوانوں کی تھی جو بڑے سکون سے قطار میں جارہے تھے۔ جوں ہی جنازہ قبرستان پہنچا تو کسی نے آواز لگائی چونکہ اکثریت راستے میں شامل ہوئی ہے لہٰذا نماز جنازہ دوبارہ پڑھایا جائے۔ مولوی صاحب نے با آوازِ بلند نماز جنازہ پڑھائی، جب جنازے کو دفنایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ نوجوان اس کتے کو پکڑنے کے لئے ٹوٹ پڑے، کتا بھی گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔ اس گھبراہٹ میں اس نے کئی نوجوانوں کو کاٹ بھی لیا مگر نوجوان اس کو پکڑنے میں آپس میں اُلجھ پڑے۔ ایک آدھ کا سر پھٹا دیکھتے ہی دیکھتے ڈنڈے اور سریے نکل آئے ہر طرف خون بکھر گیا۔ لوگوں نے جنازے کے ساتھ چلنے والے نوجوان سے پوچھا کہ کیا ماجرہ ہے یہ سب کیوں پہلے قطار میں چل رہے تھے اُس نے بتایا کہ یہ نوجوان میرے پاس آکر پوچھتے تھے کہ کس کا جنازہ ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ میری ساس مرحومہ کا جنازہ ہے وہ پوچھتے کہ کیسے انتقال ہوا تھا تو میں نے بتایا کہ اس میرے کتے نے ان کو کاٹ لیا تھا وہ افسوس کر کے کہتے کہ کیا تم ایک دن کے لئے یہ کتا ہمیں دے سکتے ہو۔ میں ان سے کہتا کہ میرے پیچھے آجاؤ دے دونگا۔ اس طرح یہ قطار میں لگتے گئے، جب جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھائی گئی تو قطار ٹوٹ گئی۔ ہر کوئی اس کتے کو لے جانے کی جلدی میں تھا اُس پر ہر دعویدار کہہ رہا تھا کہ میں سب سے آگے تھا میرا کتا ان کو کاٹ کاٹ کر پاگل ہو کر بھاگ گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ ساس صاحبہ کو اورسن لیں موبائل ٹیلیفون کی گھنٹی بجی دوسری طرف سے آواز آئی میں فلاں ڈاکو بول رہا ہوں اگر تم خیریت چاہتے ہو تو ہم نے تمہاری ساس کو اغوا کرلیا ہے۔ تم 10 لاکھ

روپے لے کر خاموشی سے فلاں جگہ پر پہنچ جاؤ ورنہ ہم تمہاری ساس کو قتل کر کے اس سنسان ویرانے میں ڈال جائینگے۔ موبائل سننے والے نے بڑے اطمینان سے پوچھا کہ میرا موبائل نمبر تمہیں کس نے دیا ہے۔ اُس ڈاکو نے بتایا کہ تمہاری ساس نے بتایا ہے کہ تمہارے سسر کے مرنے کے بعد ساری جائیداد تمہارے پاس ہے اور تم ان کا بہت خیال رکھتے ہو۔ لہٰذا اب تم جلدی سے رقم لے کر اس جگہ پر پہنچو،

ورنہ۔۔۔۔۔۔قبل اس کے کہ ڈاکو اپنی بات مکمل کرتا موبائل سے جواب ملا، ڈاکو اگر تم سچے ہو تو اپنے وعدے پر قائم رہنا یہ کہہ کر دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا۔

اب تصویر کا دوسری رخ بھی دیکھئے، ایک نوجوان نے اپنی ایک ماہ کی نوبیاہتا بیوی کو تھپڑوں سے خاطر کر کے طلاق دے کر اس کی ماں کے گھر بھجوادیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی بیوی نے اس کی ماں کے ایک ماہ میں ہونے والے ظلم سے آگاہ کردیا تھا۔ گویا اُس نے اِس کی ماں کی شکایت کیوں لگائی، ہم سب عام طور پر اپنی اپنی ساس پر لطیفے گڑھتے رہتے ہیں مگر اپنی ماں یعنی لڑکی کی ساس کے ظلم بھی سننا گوارہ نہیں کرتے۔ ہم کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ میں ایک اور اپنے دوست کا حقیقی واقعہ سنا دوں، وہ دوست اپنے ایک وزیر دوست سے ملنے گیا جو بہت کرپٹ تھا۔ بغیر رشوت لیے اپنے دوست یا گاؤں والوں کا بھی کام نہیں کرتا تھا، بہت ظالم بھی مشہور تھا۔ پہلے تو اس وزیر دوست نے گلہ کیا کہ اتنے دن اس سے ملنے کیوں نہیں آیا۔ میرے دوست نے بہانہ بنا کر جان چھڑالی۔ پھر وزیر دوست پوچھنے لگا کہ یار سچ سچ بتانا کہ لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں۔ دوست چونکہ تھوڑا بہت چیتا اور منہ پھٹ تھا کہنے لگا یار ہر کوئی تمہاری شکایتیں اور تمہیں برا بھلا کہہ رہا تھا۔ وزیر صاحب بڑی ڈھٹائی سے ہنسے اور بولے اس طرح تو میں جنت کا حقدار ہوگیا ہوں۔ سارا گاؤں میری غیبت جو کر رہا ہے۔

رمضان کی مناسبت سے ایک نصیحت بھی حاضر ہے۔ایک فقیر بھرے بازار میں سر جھکائے جائے نماز پر بیٹھا دعاؤں میں مشغول تھا۔کسی گزرنے والے نے پوچھا بابا کیا کر رہے ہو فقیر بولا انسانوں اور اللہ کا معاملہ طے کرا رہا ہوں، اللہ تو تیار ہے مگر انسانوں کے پاس اس کی طرف لوٹنے اور عبادت کے لئے وقت ہی نہیں ہے، کیا کروں کیسے یہ طے ہوگا۔پھر کچھ عرصے کے بعد اُسی فقیر کو جائے نماز بچھائے قبرستان میں دیکھا،گزرنے والے نے پوچھا کہ اس ویرانے میں کیا کر رہے ہو۔فقیر نے کہا کہ بندے اور اللہ کا معاملہ طے کرانے میں لگا ہوں۔انسان تو تیار ہے مگر اللہ کہتا ہے کہ اب دیر ہوگئی ہے، یہ قبر میں پہنچ چکا ہے، اب اللہ تیار نہیں ہے۔

ذرا سوچئے اس میں کیا پیغام چُھپا ہے رمضان المبارک اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ہم پر جلوہ گر ہے۔پھر ہم کیوں اس قیمتی وقت کو کھونے کے درپے ہیں۔اب بھی وقت ہے ہم سب مل کر سوچیں، ہم بحیثیت مسلمان پہلے کہاں تھے اور آج کہاں جا پہنچے ہیں اور ہم کو برا کہنے والے اپنی برائیوں کو ختم کر کے آج دنیا پر راج کر رہے ہیں۔

﴿ قربانی کے بغیر منزل نہیں رہزن ملتے ہیں ﴾

ہماری بدقسمت قوم بھی عجیب چلبل پانڈے کی طرح نہ خود چین سے بیٹھتی ہے اور نہ ہمارے معصوم سیاستدانوں کو آرام سے سیاست کرنے دیتی ہے۔بھلا 15 سال پہلے ہی کی تو بات ہے ہمارے موجودہ وزیراعظم جناب نواز شریف آرام سے حکومت پر چھائے ہوئے تھے کہ ان کے اپنے لائے ہوئے آرمی چیف پرویز مشرف کو فارغ کر بیٹھنا دراصل لانا غلطی نہیں تھا فارغ کرنا غلطی تھا۔چیف نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے محسن کو فارغ کر ڈالا اور جلاوطن بھی کر ڈالا اور آرام سے اسی محسن کی پارٹی میں دراڑیں ڈال کر 9 سال اقتدار کے مزے لوٹتے رہے۔پھر ایک انہوں نے بھی غلطی کر ڈالی جو ہر فوجی سیاستدان سے 10 سال بعد ہوتی رہی ہے کہ اقتدار کے پنچے ڈھیلے چھوڑ کر ایک این آر او پر اپنے مشیروں کے کہنے پر دستخط کر بیٹھے۔پھر کیا تھا پی پی پی کے طوفان اور صدر زرداری کی فراست میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عدلیہ کے ہاتھوں آج نشان عبرت بنے اپنے ہی بنائے ہوئے فارم ہاؤس اسلام آباد میں قید اپنے ماضی کا حساب کتاب چکانے میں لگے ہوئے ہیں۔اس دوران صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری نے پاکستان کی تاریخ میں 5 سال جمہوریت کی ٹرین میں سب کو بٹھا کر فرینڈلی سیاست کی داغ بیل کی سیاست ڈال کر رخصتی باندھی ہوئی ہے۔اب اس الیکشن میں ان کی تمام اُمیدوں پر مسلم لیگ (ن) میاں نواز شریف کی ٹیم نے یلغار کر کے عمران خان کی پارٹی کو نامعلوم ہاتھوں کے کندھوں پر بیٹھ کر اقتدار سنبھال لیا ہے۔اُمید یہی تھی کہ اس مرتبہ میاں نواز شریف ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کر کے عوام سے کیئے گئے وعدوں کو ضرور پورا کرینگے مگر عوام جس جوش وخروش کے ساتھ ان کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر لائے تھے آج وہ تمام حالات دیکھ رہے ہیں جن سے چھٹکارہ پانے کے لئے انہوں نے مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف کو ووٹ ڈالے تھے۔غضب خدا کا پہلے ہی ماہ میں پیٹرول، ڈیزل، تیل اور گیس کی قیمتوں میں باوجود اس حقیقت

کے کہ دنیا میں تیل کی قیمتیں منجمد ہیں۔آہستہ آہستہ عوام کے کندھوں پر بوجھ ڈالنا شروع کر دیا۔ان 2ماہ میں تیسری مرتبہ یکم اگست سے 2 روپے پیٹرول کی مد میں اور 3روپے 75 پیسے ڈیزل کی قیمتوں میں اضافے کی خوشخبری عوام کو سنادی ہے۔

ماضی میں جب پی پی پی کی حکومت جب ایسا قدم اٹھاتی تھی تو عدلیہ بیچ میں آکر مداخلت کر دیتی تھی۔مگر اس 2مرتبہ کی طرح تیسری مرتبہ اضافہ پر خاموش بیٹھی ہے اور مسلم لیگ (ن) کے وزیر خزانہ اسحاق ڈار کے مؤقف کی حمایت کر رہی ہے۔ایک طرف مسلم لیگ (ن) نے اپنے نئے صدر کے چناؤ میں تمام سیاسی جماعتوں پر اپنا سایہ ڈالا ہوا ہے،باوجود عوامی مینڈیٹ پورے کا پورا اس کی جھولی میں پڑا ہوا ہے مگر اقتدار کی بھوک دوسروں کے مینڈیٹوں کو بھی ہڑپ کرنے میں آگے آگے ہے۔اگر یہی ایم این اے اور ایم پی اے خود آکر دوسری پارٹی میں انفرادی طور پر آئیں تو یہ فلور کراسنگ کی زد میں آتے ہیں۔مگر یہی کام پارٹی کے سربراہان عوام سے اپنے نام اور وعدوں پر ووٹ حاصل کر کے دوسری جماعت کے ساتھ مل بیٹھیں تو یہ فرینڈلی سیاست کہلاتی ہے۔عوام جاننا چاہتے ہیں کہ اگر سب کچھ اسی ملی بھگت سے کرنا تھا تو پھر الگ الگ کیوں الیکشن لڑے ہیں۔اپنے کارکنوں اور عوام کو بیوقوف بنا کر پہلے ووٹ حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنے اپنے مفادات کی حفاظت کی خاطر اکٹھے ہو جاتے ہیں نہ ان کو عوام سے کئے ہوئے وعدے یاد رہتے ہیں اور نہ ہی عوام کی تکالیف کا خیال آتا ہے۔سب مل کر عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے اگلے 5 سال ساتھ لگ جاتے ہیں۔دوسری طرف عوام بھی اپنے اپنے غموں اور دکھوں کو بھلا کر پھر ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔اگر سب نے یہی تماشہ کرنا تھا تو پھر الیکشن کروانے کا کیا فائدہ۔مشرف حکومت نے 9 سال ڈالر 60روپے رکھا تھا تو پی پی پی کی حکومت نے 98روپے پر لا کر اقتدار مسلم لیگ (ن) کے حوالے کر دیا تو مسلم لیگ (ن) جو قرضوں کے خلاف،دہشت گردی کو ختم کرنے،

مہنگائی سے عوام کو چھٹکارہ دلانے کے لالچ میں لا کر بجلی کی لوڈشیڈنگ تو کجا ڈالر کو 110روپے تک لے جانے کی طرف گامزن ہو کر آئی ایم ایف کی تمام شرائط پوری کرنے میں مصروف ہے۔کراچی سے صدر بنانے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں مگر کراچی میں امن وامان بحال کرنے میں ہرگز سنجیدہ نظر نہیں آرہی۔وہی 10 بیس قتل،بے گناہوں کی لاشیں،پولیس اور عدلیہ بھی اب غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔اب تو رینجرز بھی عوام کو تحفظ دینے کے بجائے امن کی آڑ میں قتل میں ملوث ہو چکی ہے۔ماضی میں اس کے قاتل آج تک سزا نہیں پا سکے تو آئندہ کیسے پائینگے۔صرف چند دن میڈیا پر شور ہو کر تمام معاملات کا خاموش مک مکا ہو جاتا ہے۔

2013ء ویسے بھی سیاسی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل سمجھا جا رہا تھا،اس میں الیکشن سے بڑی تبدیلیوں کی نشاندہی میڈیا نے کروا کر انقلاب آنے کی نوید سنائی تھی وہ تو 2ماہ میں جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔کراچی سے صدر چن کر کیا امن قائم ہو جائیگا؟ کراچی پاکستان کی معیشت ہے جس کو دہشت گردی اور لاقانونیت کی نظر کر کے ہم پاکستان کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ایک طرف افغانستان ہم پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر طالبان سے مذاکرات رکوانا چاہتا ہے جس میں صرف شخص واحد حامد کرزئی کی حکومت کو بچا کر مضبوط کر کے امریکہ کو اس خطے سے نکلنے سے روکنے کی چالیں ہیں۔خود نیٹو اس جنگ سے تھک کر نڈھال ہو چکی ہے اور وہ بھی چھٹکارہ پانا چاہتی ہے۔چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری کی ریٹائرمنٹ سمیت چیف آف آرمی اسٹاف جناب پرویز اشرف کیانی کی اضافی مدت پوری ہونے کو ہے۔ان دونوں کی رخصتی کے بعد اس ملک کا کیا بنے گا نہ عوام کو معلوم ہے اور نہ ہی ہمارے حکمران اس کی پیشن گوئی کر سکتے ہیں۔البتہ ہم دہشت گردی کا شکار ایک طرف بھارتی ایجنٹ تو دوسری طرف افغانستان کے ایجنٹ پاکستان کے مفادات سے کھیلتے رہیں گے۔ان کے پڑوسی حصے یعنی بلوچستان اور خیبر پختونخواہ صوبے ڈائریکٹ ان کی زد میں رہیں گے جہاں یہ

ایجنٹ با آسانی خودکش دھماکے کر کے امن کو تہس نہس کر کے اسلحہ کے زور پر آتے جاتے رہیں گے۔عوام بے چارگی سے امن کی بھیک مانگتے رہیں گے مگر انہیں کچھ نہیں ملے گا۔آئندہ فوج کا کیا کردار ہوگا یہ سب امریکن اور نیٹو فوج کی واپسی پر منحصر ہوگا۔طالبان فیکٹر موت کے سایوں کی طرح منڈلاتا رہے گا۔فی الحال تو پاکستان کے عوام آنے والے برے یا بھلے وقت کا انتظار کر کے کسی رہبر کے منتظر ہیں جو قائداعظم کے پاکستان کو حقیقی وجود میں لا کر 67 سال کا ازالہ کر سکے جس کے لئے قوم قربانی دے دے کر ہلکان ہو چکی ہے اور اب قربانی سیاستدانوں سے لے کر ہی وہ اپنی منزل پا سکے،وہ منزل جو اب سراب میں تبدیل ہو چکی ہے مگر انقلاب کے بغیر منزل نہیں رہزن ملتے ہیں جو قیام پاکستان کے چند سال بعد ہی سے اس قوم کا مقدر بن چکے ہیں۔اب قوم کی باری ہے کہ وہ کب انقلاب کو دستک دیتی ہے، کاش پاکستانی قوم بھی شام اور مصری قوم کی طرح اپنے اپنے حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہو تب ہی یہ سیاستدان اور حکمران عوام کے مفادات سے نہیں کھیلیں گے۔فی الحال تو قوم ویسٹ انڈیز سے ون ڈے سیریز اور T-20 سیریز جیتنے کی خوشی منائی کیونکہ اب عوام کے لئے صرف کھیلوں کی خوشی ہی باقی رہ گئی ہے۔اللہ اللہ تے خیر صلہ۔

﴿ آہ بے چارہ کراچی ﴾

90 دن گذرنے کے بعد پاکستان کے نئے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف صاحب کراچی تشریف لائے اور کراچی کی غیر مستحکم صورتحال پر غور وخوض کے لئے انہوں نے کراچی کے تمام متعلقہ سیاسی، سماجی اور مذہبی پارٹیوں کے عہدیداران سے گورنر ہاؤس میں طویل ملاقات کر کے ان سب کے خیالات تفصیل سے سنے،جنہوں نے کراچی کی مخدوش صورتحال جس میں دہشت گردی، بھتہ خوری، اغواء برائے تاوان، معصوم جانوں کا ضیاع رکوانے کے لئے کراچی میں لاء اینڈ آرڈر اور امن بحال کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا کہ 1992ء کی طرز کا آپریشن ہوگا یا پولیس اور رینجرز کے ذریعے ہوگا۔آپریشن سے پہلے راقم کراچی کی صورتحال پر گذشتہ 5 سال کی کارکردگی کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہے جو ہر کراچی کا باشندہ اس سے آگاہ ہے۔بشمول قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی جس میں خصوصاً پولیس اور رینجرز کے مشترکہ آپریشن جو ناکامی کی کھلی داستانوں کی طرح عیاں ہے۔جس میں وفاقی حکومت اور سندھ کی صوبائی حکومت جس میں کراچی میں بسنے والوں کی تمام نمائندہ سیاسی جماعتیں ایم کیو ایم، اے این پی، مسلم لیگ (فنکشنل) اور پی پی پی اتحادی تھیں اور سب کے مشترکہ مطالبات تھے کہ کراچی میں ہر صورت میں امن قائم ہو مگر حقیقت اس سے بالکل برعکس تھی۔تمام جماعتوں کے عہدیداران در پردہ اپنے اپنے علاقوں میں بدامنی پھیلانے میں پیش پیش تھے۔پی پی پی کی طرف سے امن کمیٹی نئی پارٹی سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کی پشت پناہی میں متعارف کرائی گئی جس نے تمام دیگر پارٹیوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور کھلم کھلا بھتہ ،اغواء، دہشت گردی، ڈرانہ دھمکانہ، قبضہ مافیہ پوری کراچی میں پھیلا کر کراچی کے باشندوں پر دہشت طاری کر دی۔اس کے بعد تو مذہبی اور چھوٹی موٹی لسانی تنظیمیں اور بے روزگار نوجوانوں کے گروہ بھی اپنے اپنے علاقوں میں کھلم کھلا بھتہ وصول کرنے کے لئے میدان میں اتر گئے۔اس وجہ

سے پولیس رینجرز دنوں ہی ناکام ہو کر در پردہ خاموش بیٹھ گئیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب بھی کوئی دہشت گرد پکڑا جاتا تھا تو اوپر سے فونوں کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو جاتیں اور وہ چند ہی دنوں میں رہا کر دیا جاتا تھا۔اس کی وجہ اس کے در پردہ حکومتی اتحادی تھے، پولیس کی ناکامی، رینجرز کی مایوسی سے فائدہ اٹھا کر جرائم کم ہونے کے بجائے اب دن دیہاڑے عوام کی موجودگی میں ہونے لگے۔تاجر اور صنعتکار ان کے نشانہ پر تھے۔وہ سب سہمے اپنی عزت، دولت اور گھر والوں کی سلامتی خریدنے کے لئے مجبور ہو چکے ہیں۔پولیس تھانے خود دہشت گردوں سے محفوظ نہ تھے۔پورا کراچی ان کے ہاتھوں بری طرح یرغمال بنا ہوا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سب اتحادی اس پر قابو نہیں پا سکے تو مسلم لیگ (ن) جس کی صوبہ سندھ میں حکومت بھی نہیں ہے محض وفا کے نام پر اسی پولیس اور اسی رینجرز سے کیسے دہشت گردی، بھتہ خوری، اغواء، لوٹ مار جو اس صوبے میں کامیاب کاروبار بن چکا ہے کیسے ختم کر سکے گی۔ابھی میاں نواز شریف صاحب کی میٹنگیں اور آپریشن کی باتیں ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسی دن ہمارے ایڈیشنل آئی جی پولیس نے یہ انکشاف کر کے کہ 2 کروڑ کی آبادی میں 10 پندرہ افراد کا قتل کوئی خاص بات نہیں۔کراچی والوں کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اور بقول شخصِ آگ پر تیل ڈال کر اپنی ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا لیا اور 25 ہزار کی نفری کا بھی گلہ کیا کہ کراچی میں 109 پولیس اہلکار بھی مارے گئے۔بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ پولیس اہلکاروں کا کام ہی عوام کی حفاظت کرنا ہے۔اس میں اگر ان کی موت ہو جائے تو 2048 معصوم شہریوں کی موت کا نوحہ کون کرے۔پولیس کے لواحقین کو 10 سے 15 لاکھ روپے فی کس اور متبادل نوکریاں بھی مل جاتی ہیں۔ان معصوم ٹیکس اور بھتہ دینے والوں کی موت پر تو کوئی آنسو بہانے اور روپیہ پیسہ تو دور کی بات ان کے عزیز و اقارب خود پولیس اور رینجرز کے ہاتھوں الگ خوار ہوتے ہیں۔اگر نواز شریف صاحب واقعی پائیدار امن چاہتے ہیں تو جس طرح اس ضمنی الیکشن میں فوج نے غیر جانبدار

رہتے ہوئے 95 فیصد شفاف الیکشن کروا دیئے تھے اسی فوج کو دوبارہ آزمایا جا سکتا ہے مگر اس میں مکمل غیر جانبداری ضروری ہے۔گذشتہ 5 سالوں میں بقول شیخ رشید کے کہ فوج ستو پی کر تماشہ دیکھ رہی ہے اس کو ناسک دے کر اور بے شک پولیس اور رینجرز کو ساتھ ملا کر ایک مرتبہ بھرپور آپریشن کرایا جائے۔چونکہ تمام سیاسی پارٹیاں وزیر اعظم نواز شریف صاحب کی میٹنگ میں بے نقاب ہو چکی ہیں اور فوج اور وفاق اُمید کا آخری درجہ رکھتی ہے فوری طور پر عمل درآمد کر کے ماضی میں سوات اور اسکے ملحقہ علاقوں کو دہشت گردی سے پاک کرنے کا ریکارڈ سامنے رکھ کر فوری عمل درآمد کرنے سے دہشت گردوں کا قلعہ قمع کیا جا سکتا ہے۔پاک فوج نے ماضی میں کئی مرتبہ سیلاب زدہ علاقوں میں کافی نیک نامی کمائی ہے اگر فوج نے صرف ناجائز اسلحہ برآمد کر کے دہشت گردوں کو بے نقاب کیا تو اس سے کراچی کے شہریوں کی اُمیدیں بھر آئیں گیں۔ملک کی 70 فیصد یرغمال معیشت پھر سے بحال ہو سکے گی۔تاجر، صنعتکار، وکلاء حتیٰ کہ ایک عام آدمی بھی سکون کی نیند سو سکے گا۔ورنہ 25 سال سے بند بوری کی لاشوں اور بھتوں کا طعنہ دینے والے کراچی کا سکون اسی طرح غارت کر کے گھروں میں خود آرام سے بیٹھے رہیں گے اور خود پر لگنے والے 5 سالہ الزامات کا دفاع کرتے رہیں گے اور مسلم لیگ (ن) کو بھی تحریک انصاف، پختونخواہ کے کھاتے میں ڈال کر الگ ہو جائیں گے۔کراچی کے تاجر اور صنعتکار جو آج مکمل طور پر مفلوج ہو چکے ہیں، مسلم لیگ (ن) اور صدر ممنون حسین دونوں آخری اُمیدوں کے چراغ باقی بچ گئے ہیں۔اگر خدانخواستہ یہ بھی ناکام ہو گئے تو پھر آئی ایم ایف سے 6 ارب ڈالرز کا قرضہ اشک بلبل ثابت ہوگا۔10 گنا بھی قرضہ ہماری معیشت کو سہارا نہیں دے سکے گا اور خود وزیر اعظم صاحب کا کراچی میں ہر صورت میں امن کا خواب صرف خواب ہی رہ جائیگا۔اٹھیے اور حتمی فیصلہ کر کے کراچی کو پھر سے روشنیوں اور امن کا شہر بنا دیجئے۔اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔(آمین)

﴿ قوم کے ساتھ تیسری مرتبہ وعدہ خلافی ﴾

موجودہ حکومت کو آئے ہوئے اب 4ماہ ہونے کو ہیں۔جن جن وعدوں پر عوام نے لبیک کہتے ہوئے ایک مرتبہ پھر کامیاب کروایا تھا وہ سب کے سب ایک ایک کر کے غائب ہو رہے ہیں۔ اخبارات کے کالم بھر گئے ہیں،میڈیا پر مہنگائی ختم کرنے کے وعدے،الیکشن پر جلسوں کے خطاب، آج عوام کا منہ چڑا رہے ہیں۔وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئے جب پہلی مرتبہ ایک ساتھ بجلی،گیس اور پیٹرول کے نرخ اس کمر توڑ مہنگائی کے ہوتے ہوئے بڑھا دیئے گئے۔قوم پھر دھوکا کھا گئی وہ پی پی پی کے دور کی مہنگائی کو بھول گئی۔خصوصاً جب دنیا بھر میں تیل کی قیمتیں گر رہی ہوں اور ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں دوسری مرتبہ حکومت نے وہاں تیل کی قیمتیں کم کر دیں اور ہم کم کرنے کے بجائے اس میں اضافہ کر دیں تو اس سے بڑا قوم کے ساتھ کیا مذاق ہو سکتا ہے۔10 بیس ارب کا پیکیج دے کر،اخبارات کے اشتہارات دے کر،وزیر اعظم کے کارناموں کو گنوا کر وہ مسلم لیگ کو عوام کی نظروں میں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔وہ تو پھر عدلیہ نے اس اضافے کا سخت نوٹس تو لیا ہے مگر ماضی کی طرح اس اضافے کو کم کر کے کچھ بعد میں پھر اضافہ کر دیا جائے گا۔پاکستان میں ڈیزل ہمیشہ پیٹرول سے آدھے داموں میں فروخت ہوتا تھا جو غریب عوام کے لئے ٹرانسپورٹرز،بسوں،منی بسوں،ٹرکوں،رکشوں کے لئے باعث رحمت تھا۔مگر افسوس اس کو آہستہ آہستہ بڑھا بڑھا کر پیٹرول سے بھی زیادہ مہنگا کر دیا گیا۔اس کی آڑ میں بجلی،گیس کے نرخ بھی اندھا دھند بڑھا دیئے گئے۔ اب اس کی آڑ میں آج ہر چیز خود بخود سب نے مہنگی کر دیں ہیں۔آٹے سے لے کر سبزیاں،پھل، دودھ،دالیں،چاول،مصالحہ جات جو قدرتی پیداوار ہیں دوگنی سے بھی زیادہ قیمتیں کر دی گئی ہیں۔ پوری انتظامیہ خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔اپوزیشن صرف زبانی کلامی احتجاج کر کے اپنا حق ادا کر چکی ہے،عوام سکتے میں ہے کہ تیسری مرتبہ اقتدار میں آنے والی مسلم لیگ (ن) اور اس کے رفقاء،

وزراء سب مہنگائی کا جواز بتانے سے قاصر ہیں۔کل تک پی پی پی کی حکومت تھی،ڈالر 60روپے سے 100روپے 5 سال میں یعنی 60فیصد ڈی ویلیو کر دیا گیا تھا۔تو صرف 4مہینے میں 100روپے سے لے کر 115روپے یعنی 15روپے فی ڈالر آئی ایم ایف کے قرضوں کے عوض کم کر دیا گیا۔پہلے کہا گیا کہ ہم کوئی قرض نہیں لیں گے پھر راتوں رات آئی ایم ایف والوں کو پاکستان بلا کر ہتھیار ڈال دیئے گئے۔ان کی شرائط پر قرضے لیئے گئے،اندرونی اطلاعات کے مطابق ڈالر 120 سے لے کر 125 تک پہنچانے کا وعدہ کر لیا گیا ہے اور اسی طرح بجلی اور گیس کی قیمتوں میں آہستہ آہستہ اضافے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔مگر عوام سے وہی سفید جھوٹ بولا گیا تھا کہ ہم نے آئی ایم ایف کو کوئی یقین دہانی نہیں کرائی،مگر اب آہستہ آہستہ تمام باتیں سامنے آ رہی ہیں۔اسٹیٹ بنک پہلے ہی انتباہ کرتا رہا۔صرف 4ماہ میں 500ارب روپے کے نوٹ چھپ چکے ہیں،حکومت اور وزیر خزانہ خاموش ہیں۔ڈالر کی اسمگلنگ افغانستان کے راستے روکنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ایک طرف طالبان کے خودکش حملے،پھر دوسری طرف ان پر ڈرون حملے کیا کم تھے کہ معاشی بموں کی کھلی بارش عوام کی کمر توڑ رہی ہے۔کوئی بھی ایسا نہیں جو عوام کے زخموں پر مرہم رکھ سکے۔عوام کس کے در پر جائیں۔یہاں تو دکھ بھی اپنے ہی دے رہے ہیں جن کو وہ پیار سے لائے تھے۔ہمارے قلم کاروں کو بھی سانپ سونگھ گیا ہے وہ آج بھی وزیر اعظم نواز شریف کے گن گا رہے ہیں،پنجاب کے وزیر اعلیٰ کو بھی خراج تحسین پیش کر کے دیگر صوبوں سے بھی بہتر پنجاب کو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کو بہکانے اور خوشامد میں لگے ہوئے ہیں۔اب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کی ریٹائرمنٹ قریب آنے والی ہے،چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی صاحب بھی ریٹائر ہونے والے ہیں۔4ماہ میں آج تک نیب کے سربراہ کا چناؤ نہیں ہو سکا۔حزب اختلاف اور حزب اقتدار ٹیبل ٹینس کی بال کی طرح ایک دوسرے کی کوٹ میں ڈال کر خوش ہو رہے ہیں۔عوام یہ

تماشہ بھی خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔اسمبلیوں میں بیٹھے ان کے نمائندے اس کھیل میں سب برابر شریک ہیں۔لگتا یہی ہے کہ 5 سال اب پی پی والے مسلم لیگ (ن) کو پورے کروا کے میاں نواز شریف صاحب کا احسان اتاریں گے اور عوام مسلم لیگ (ن) سے اسی طرح بیزار ہو جائے گی۔ پھر پی پی والے نئی بوتل میں پرانی شرابیں بھر کر نئے وعدوں کے ساتھ اترے گی۔پھر وہی جلسے جلوس ہونگے ،الیکشن کمیشن بنے گا،اسی طرح دھاندلیاں ہونگی، پھر مک مکا ہوگا۔قوم پھر دھوکا کھائے گی،قسمت پھر اسی طرح ماتم کرے گی۔پاکستان کی قسمت میں اب تو کوئی قابل اعتبار لیڈر ہی باقی نہیں بچا۔بے چارہ عمران خان ہٹ وکٹ ہو کر خاموش ہو چکا ہے۔اس کے صوبے میں تو روز اول سے دہشت گردی،خودکش حملے اور عوام کا قتل عام ہو رہا ہے۔90 دن میں بہتری کا دعویٰ اب اپنی ہی سونامی کا شکار ہو کر ڈوب گیا۔اللہ قوم کے حال پر رحم فرمائے۔(آمین)

﴿ پاکستان کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے ﴾

سابق فوجی ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف کی رخصتی کے بعد جب سے جمہوری حکومت میں تبدیلی کے بعد ہونے والی دہشت گردی کے واقعات میں پی پی پی دور کے خصوصاً 5 سال میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا۔ایک طرف مہنگائی نے عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی تو دوسری طرف جگہ جگہ بم دھماکے، خودکش حملے جس میں جی ایچ کیو (راولپنڈی)، پی این ایس کارساز (کراچی) اور پھر کامرہ ایرو ناٹیکل کمپلیکس پر دلیرانہ کاروائیاں زوروں پر تھیں جس سے عوام میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔اُس پر سندھ حکومت کی کراچی میں ہونے والے روزمرہ 15 سے بیس افراد کا قتل یہ سب عوام کی برداشت سے باہر تھا۔لاقانونیت عروج پر تھی، بھتہ مافیا نے کھلم کھلا زبردستی من مانی کر کے قوم کو عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔پولیس، رینجرز سب ناکام ہو چکے تھے،انتظامیہ مفلوج ہو چکی تھی،فوج بالکل لاتعلق رہ کر مداخلت نہیں کرنا چاہتی تھی۔اب ہر شخص کی زبان پر تھا پاکستان کا کیا بنے گا، ڈالر جو پرویز مشرف دور میں 10 سال تک مستحکم 60 روپے میں مل رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے 100 روپے تک جا پہنچا تھا۔اوپر سے پیٹرول، بجلی، گیس کی قیمتوں میں ہوش رُبا اضافہ عوام کی کمر توڑ رہا تھا۔اشیاء صرف کی روزمرہ کی چیزوں میں اندھا دھند اضافہ قوم خاموشی سے یہ ستم جھیل رہی تھی۔بڑے بڑے صنعتکار اغواء برائے تاوان سے گھبرا کر اپنی صنعتوں کو بیچ کر باہر جا رہے تھے۔اربوں روپے کی کرپشن کے اسکنڈل قوم کے سامنے تھے جن میں بڑے بڑے سیاستدان اور بیوروکریٹس ملوث تھے۔چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور ان کے ساتھی جج صاحبان کی گرفت سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ملزمان قانونی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر رہا ہو جاتے تھے۔2 وزرائے اعظم اور ان کے خاندان دوست احباب سب بہتی گنگا سے ہاتھ دھو کر اربوں کھربوں روپے قوم کی دولت کو لوٹ رہے تھے ان کی دیکھا دیکھی پی پی پی اور ان کے اتحادی وزراء، بیوروکریٹس کے ساتھ مل کر دونوں ہاتھوں سے

رشوتیں لے رہے تھے۔عوام مجبور تھی پھر پاکستان پیپلز پارٹی کو عوام نے انکی ناکام ترین پالیسیوں کو 5 سال برداشت کر کے الیکشن میں بری طرح شکستِ فاش دی اور مسلم لیگ (ن) کے انتخابی نعروں ،وعدوں اور اس اُمیدوں کے سائے میں زبردست کامیاب کروایا کہ شاید اب اس کی حالت سدھر ےگی اور وہ ان تمام آفتوں، مصیبتوں کے دن ختم ہو جائیں گے مگر افسوس 4 ماہ میں ہی قوم کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔جو کام پی پی پی کے 5 سالہ دور میں عوام نے دیکھے تھے وہ خواب 5 ماہ سے بھی کم عرصے میں ٹوٹ کر بکھر گئے۔قوم کی اُمیدوں پر مایوسی کے بادل چھا گئے،خود عمران خان کو بھی اسی اُمید سے انہوں نے ووٹ ڈال کر ایک صوبے میں کامیاب کروایا تھا۔وہاں 100 دن کے اندر حالات بدلنے کے دعوے خود سونامی کی نذر ہو گئے۔وہی خودکش حملے، بم دھماکے، ڈرون اٹیک کچھ بھی نہیں بدلا۔اب پھر عوام کی زبانوں پر عورتیں، بوڑھے، بچے، مرد حضرات دوبارہ دھوکہ کھا کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ پاکستان کا کیا بنے گا؟ جہاں جاؤ یہی ایک سوال ہر شخص پوچھ رہا ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیا ہے، ان کے بچوں کا کیا بنے گا، کب ہمارے حالات بہتر ہونگے، کب اور کیسے مہنگائی سے جان چھوٹے گی۔14 ارب ڈالر سے کم ہو کر پہلی مرتبہ خزانے میں صرف 4 ارب ڈالر رہ گئے ہیں۔آئی ایم ایف اور دیگر غیر ملکی اداروں سے ان کی من مانی شرائط پر ہم نے قرضے بھی لے لئے ہیں پھر بھی بجلی کا بحران اپنی جگہ برقرار ہے۔سی این جی اسٹیشن جو پی پی پی کے دور میں کبھی کبھی بند کئے جاتے تھے وہ چند دنوں تک محدود تھے آج 3 ماہ بند کرنے کی نوید سنائی جا چکی ہے۔ پیٹرول اور بجلی کا بم جس کو ھدلیہ نے روکا تھا وہ اسی بے دردی کے ساتھ نافذ العمل ہو چکا ہے۔کیسے اور کیوں مک مکا ہوا عوام حیران ہیں، آگے اور کتنے مہنگائی کے بم گرائے جائیں گے وزیر خزانہ بے بس نظر آتے ہیں۔قیام پاکستان کے وقت اس ملک میں ایک بھی صنعت نہیں تھی، آج الحمدللہ ہمارے صنعتکاروں نے خود اپنی کوششوں سے پورے ملک میں شہروں، قصبوں میں صنعتوں کا جال

بچھایا ہوا ہے۔ملک میں 100 سال تک کے لئے کوئلہ کے ذخائر موجود ہیں جس سے بجلی کا بحران ختم کیا جا سکتا ہے۔پھر اس طرف حکومت صرف زبانی دعوے وعید سے بہلا رہی ہے۔ہمارے ملک میں نہ اجناس کی کمی ہے نہ پھل، سبزیاں باہر سے درآمد ہوتی ہیں۔ہم خود کفیل ہیں ہر ہر موسم کی فصلیں، اجناس، پھل، سبزیاں اپنے وقت پر اُگ رہی ہیں۔اس ملک میں ایک نہیں 2 سمندر ہیں ان سے بھی دنیا نے بجلی پیدا کر کے اپنے ملک میں پاور پلانٹ کے ذریعے لوڈشیڈنگ ختم کی۔مگر ہم آج تک اس طرف دھیان دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔زمین کے اندر بلوچستان میں اور سندھ کے ساحلی علاقوں میں پیٹرول اور گیس کے ذخائر دریافت ہو چکے ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ اب بھی حکومت اس سے فائدہ نہیں اُٹھا رہی ہے، اس طرح بلوچستان میں بے پناہ معدنیات، دھاتیں، بشمول سونے کی کانیں موجود ہیں۔ماضی کی حکومت نے اونے پونے داموں پر کوڑیوں کے بھاؤ محض اپنے ذاتی فائدے کے لئے معاہدے کر رکھے تھے جس کو ھدلیہ نے منسوخ کر دیا تھا۔ان کی کان کنی اور نئے معاہدوں کی طرف توجہ کیوں نہیں دی جا رہی۔ایک سوال بار بار دیارِ غیر میں رہنے والے حقیقی پاکستانی جو 35 ارب سالانہ کا زرمبادلہ بھیجتے ہیں ان کو 67 سال گزرنے کے بعد بھی ووٹ کے حق سے محروم کر رکھا ہے، وہ حق بحال ہونا چاہئے۔ہم خود آئی ایم ایف اور دیگر غیر ملکی اداروں سے طرح طرح کی غیر ضروری اور بھاری سود کی ادائیگیوں کے بعد قرضے حاصل کرتے ہیں کم از کم ہمارے پاکستانی جنہوں نے غیر ملکی شہریت مجبوراً حالات کے تقاضوں کی وجہ سے لے رکھی ہے۔پاکستان میں سیاست کرنے کی کیوں پابندیاں لگائی ہوئی ہیں، ان کے بھیجے گئے زرمبادلہ کی وجہ سے ہمارے ڈیفیسٹ (نقصان) کا آدھا بوجھ انہوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔کسی شرائط کے بغیر ان کی اس مہربانی اور حب الوطنی کے عوض پارلیمنٹ میں ان کا خصوصی کوٹہ رکھا جائے تا کہ ان کے تجربے سے غیر ممالک کو نہیں بلکہ پاکستان کو فائدہ پہنچنا چاہئے۔وہ خوشی خوشی پاکستان کی محبت میں

پاکستان آکر اپنے ہنر اور تجربے سے پاکستان کی ترقی میں حصہ ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔اس ملک کو اللہ نے ہمارے ہی سائنسدان، محسن پاکستان جناب عبدالقدیر خان صاحب کی ذہانت سے ایٹمی طاقت بنایا جس سے پوری دنیا خائف ہے۔ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہم ان سے نئی ٹیکنالوجی حاصل کر سکتے ہیں۔مشرف دور میں ان پر قید و بند کی صعوبتیں مسلط تھی ان کا بھی ازالہ کرنا چاہئے۔اگر ہم کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے تو قوم کو اعتماد میں لے کر خود قوم کو تیار کرنا ہوگا۔ہماری قوم بڑے مضبوط ارادوں اور محنت سے اپنا لوہا دوسرے ملکوں میں جا کر منوا چکی ہے۔پاکستان کی خاطر ہر ایک قربانی دینے کے لئے آج بھی تیار ہے، بشرطیکہ مسلم لیگ (ن) کے ذمہ دار پہلے خود کو آگے پیش کریں۔جذبۂ حب الوطنی سے مالا مال قوم جب اپنے سے 10 گنا بڑے دشمن سے نہیں ڈرتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم قوم کو نظر انداز کر کے غیروں کے آگے کیوں دست سوال ہیں۔کسی بھی لحاظ سے پاکستان کا مستقبل تاریک نہیں ہے۔ہماری افواج دنیا کی چند ہی افواج میں شمار ہوتی ہے جو محب وطن، جفاکش، محنتی اور صلاحیتوں کی مالک ہے۔قوم کی مایوسی کو ختم کریں، مسلمانوں کے لئے مایوسی کفر ہے اور پاکستان کا مستقبل تابناک ہے۔اب حکومت کا کام ہے کہ جس طرح کراچی میں امن قائم کرنے کے لئے دہشت گردوں کے خلاف مؤثر کاروائی شروع کی ہے اس کو کامیابی سے ہمکنار کر کے قوم کی مایوسی ختم کر کے امن بحال کرے۔

﴿ کراچی کی کرکٹ کی تباہی کا ذمہ دار کون ہے؟ ﴾

کراچی کے عوام پاکستان کے سب سے زیادہ مظلوم عوام ہیں جو دنیا بھر کی خرافات ظلم زیادتی ہوتے دیکھ کر بھی خاموشی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔اگر چہ بعد میں وہ پچھتاتے بھی ہیں مگر جتلانے سے عموماً گریز کرتے ہیں۔معیشت ہی کو لے لیجئے پورے پاکستان کا بوجھ 65 فیصد سے بھی زیادہ اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہوا ہے۔آج سے نہیں قیام پاکستان سے لیکر جب کراچی میں صرف ایک سیمنٹ بنانے کی ڈالمیا نام کی فیکٹری ہوتی تھی 66 سال میں دن رات محنت مشقت کر کر کے آج پاکستان کا سب سے بڑا صنعتی شہر بنا ڈالا ہے۔روشنیوں کا شہر، تہذیب و تمدن، پانچ قومیتوں کا گلدستہ، کراچی شہر کی پہچان سمجھا جاتا ہے جو اور کسی پاکستان کے شہروں نے نہیں بنایا۔یہ خوبصورت شہر اب لسانیت، قومیت، ثقافت، علم و ہنر سب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔یہاں قانون کی حکمرانی دم توڑ چکی ہے۔اغواء برائے تاوان کی سب سے بڑی منڈی بن چکی ہے مذہب اور مذہب کے نام جس کی بنیادیں جنرل ضیاء الحق نے ڈالیں تھیں، آج گھنے درختوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ہر مسلک ایک دوسرے سے دست و گریباں ہے، ایک ہی فرقے کے ماننے والے خود آپس میں لڑنے میں مصروف ہیں۔کجا دوسرے مسلک کو تو وہ برداشت بھی نہیں کرتے، ایک دوسرے کی مساجد، امام بارگاہیں، بموں اور خودکش حملوں سے معصوم مسلمانوں کے خون سے اٹی پڑی ہیں۔مہنگائی کا سمندر بحرہ عرب سے جا ملا ہے۔کراچی کے باشندوں جنہوں نے کبھی چاقو بھی استعمال نہیں کیا تھا آج جدید اسلحے سے بھرے کنٹینرز اپنے شہر میں چھپائے بیٹھے ہیں جن کو آج کل ہماری پولیس، رینجرز اور ایجنسیاں آپریشن کر کے ڈھونڈنے اور امن و امان قائم کرنے میں مصروف ہیں۔یہ تو وہ تمام باتیں ہیں جنہیں بچہ بچہ بھی جانتا ہے مگر آج میں کراچی والوں کی توجہ پاکستان کے سب سے بڑے مقبول کھیل کرکٹ کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں جو کراچی والوں کی مرہون منت ہوا کرتا تھا۔ایک

زمانے میں پاکستان کی کرکٹ ٹیم نے 11 میں 9 کرکٹرز صرف کراچی سے ہوتے تھے، کیا نام گنواؤں حنیف محمد، وزیر محمد، مشتاق محمد، صادق محمد، برادران کے بغیر ٹیم نہ مکمل سمجھی جاتی تھی۔ پھر علیم الدین، وقار حسن، محمود حسن، سعید احمد، والس میتھائس تو ٹیم کی ریڑھ کی ہڈی سمجھے جاتے تھے۔ نام لکھنے بیٹھ گیا تو وقت کے ساتھ ساتھ ظہیر عباس، جاوید میانداد جیسے ورلڈ کلاس کرکٹرز شامل ہوتے گئے۔ ہم دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں اپنا لوہا منواتے گئے۔ یہاں تک کہ دنیا کی تمام ٹیموں کو خود ان کے ملک میں ہرا کر پاکستان کا جھنڈا بلند کر دیا پھر ہماری کرکٹ کو خود ہمارے ہی کرتا دھرتوں کی نظر لگ گئی اور سب سے زیادہ ان میں کراچی ہی کے کرتا دھرتا تھے جن کی نا اہلی کی وجہ سے 9 میں سے 8 پھر جو گنتی نیچے کی طرف چلی تو صفر پر جا کر رکی۔ کسی نے اس ناانصافی کے خلاف آج تک آواز نہ اٹھائی، کراچی سے دارالخلافہ اسلام آباد کیا منتقل ہوا، کراچی والے یتیم ہو گئے تو کراچی کے لڑکے بھی یتیم ہو گئے کسی نے اُف تک نہ کی اور کرکٹ کی نرسری تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ بڑی بڑی نامور شخصیتیں کراچی سٹی کرکٹ ایسوسی ایشن (KCCA) کی صدارت کے مزے لوٹتیں رہیں اور 20 تیس سال تک تو سیکریٹری اور صدارت کے عہدے پر رہنے کے باوجود کوئی ایسا کارنامہ نہ انجام دے سکے جس کو آج کراچی کے عوام اور کراچی کے لڑکے یاد رکھتے۔ سب اپنی افسری کے مزے لوٹتے رہے، حالانکہ کے بیشتر سلیکٹرز کا تعلق تو کراچی سے ہوتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ٹیم میں ٹرائل کی حد تک یا اگر بہت اچھے ریکارڈ کا حامل لڑکا ٹیم کے ساتھ صرف دورہ کر کے واپس لانے کی حد تک رہا۔ ایک بورڈ کے سربراہ کا تعلق تو کراچی سے رہا، ان کو چاہئے تھا کہ کم از کم کرکٹ کی بہتری کے لئے کچھ کرتے اور کراچی کے اچھے اچھے کھلاڑیوں جنہوں نے بہترین ریکارڈ بالنگ، وکٹ کیپنگ اور بیٹنگ میں بنائے تھے ان کو قومی ٹیم میں شامل کرواتے۔ کراچی کرکٹ ایسوسی ایشن کی صدارت پر بھی اپنے ہی من پسند افراد الیکشن کے بجائے سلیکشن کر کے کراچی کرکٹ کا بیڑا غرق

کرتے رہے۔ کیونکہ بورڈ کی ناراضگی کوئی مول نہیں لینا چاہتا تھا نہ بورڈ کے کراچی کے سربراہ اپنی نوکری گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ کراچی کے لڑکوں کے باہر ہونے کے بعد ایک طرف کراچی کے لڑکوں میں بددلی پھیلی، کیونکہ قائداعظم ٹرافیاں تو کراچی کے لڑکوں کو ملتی تھیں اور باہر سے پرچیوں یا رشتہ داریوں سے لڑکے قومی ٹیم میں شامل ہو جاتے تھے۔ کوئی کسی کا داماد ہے تو کوئی کسی کا رشتہ دار ہے، یہ میرٹ رہ گیا تھا۔ اسی وجہ سے ٹیم میں قومی اسپرٹ دور ہوتی گئی، ٹیم میں میچ فکسنگ شروع ہوئی اور جس کھلاڑی نے اس فکسنگ کا ساتھ نہیں دیا اس کو ٹیم سے باہر کر دیا گیا۔ راشد لطیف اس کی زندہ مثال تھے، انہوں نے کیپٹن کی مرضی کے خلاف کام کیا اور ٹھیک کھیل کر نصف سنچری بنا ڈالی اور پاکستان میچ جیت گیا مگر راشد لطیف کو باہر کر دیا گیا۔ کسی نے کیوں احتجاج نہیں کیا، کیونکہ بورڈ میں سب سانجھے دار تھے۔ میں گذشتہ 21 سال سے بحیثیت نائب صدر KCCA یہ کھیل اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا رہا، اس وقت کے صدر جنرل سیکریٹری اور عہدیداران سے کہتا رہا کہ اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ ہم کب تک کراچی کے لڑکوں پر یہ ظلم ہوتا دیکھتے رہیں گے، صرف میٹنگوں کی کاروائی لکھنے کی حد تک ہی رہتی تھی۔

میں نے جنگ اخبار کے ذریعہ متعدد بار کالم لکھے اس سے کراچی کے شہریوں کو حقیقت سے آگاہی ہوئی۔ کراچی کے لڑکوں نے بھی اس کی پذیرائی کی مگر کسی بھی صدر مرحوم منیر حسین، ڈاکٹر محمد علی شاہ صاحب اور سابق صدر سراج الاسلام بخاری صاحب جو آخری صدر تھے بورڈ سے احتجاج کرنے سے گریزاں رہے۔ صرف آخر میں میرے بے حد اصرار پر ایک کمیٹی میری سربراہی میں بنائی جس نے کراچی پریس کلب میں راقم نے پریس کانفرنس کر کے میڈیا کو بتایا کہ گذشتہ 60 سال میں تقریباً 25 مرتبہ قائداعظم ٹرافی کراچی نے جیتی اور تقریباً اتنی ہی بار وہ رنر اپ رہی یعنی فائنل میں ہاری۔ پریس کلب کے سامنے صرف سیکریٹری نے مظاہرہ کرایا، بیٹ بھی جلائے گئے اس سے یہ فائدہ ہوا

کہ بورڈ نے کچھ نرمی دکھائی۔ غالباً وہ بھی اتنی ناانصافی نہیں سمجھ رہے تھے، پھر 2 تین کراچی کے لڑکے قومی ٹیم میں شامل ہوتے گئے۔ مگر میں ان ناانصافیوں کے خلاف باقاعدہ مہم چلانا چاہتا تھا، ہم کسی کے خلاف یا ذاتی دشمنی نہیں چاہتے تھے صرف کراچی کے لڑکوں کو ان کا حق دلوانا چاہتے تھے مگر صدر اور سیکریٹری نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا دوبارہ کسی کاروائی کی اجازت نہیں دی۔ یہاں میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ گذشتہ 13 سال سے میں اور میرا ادارہ میڈی کیم کراچی میں KCCA کے تعاون سے U-15، U-17، U-19 ٹورنامنٹ ہر سال کراتا رہا اور اس کے تمام اخراجات لاکھوں روپے ہر سال ادا کر کے کراچی کے ہزاروں لڑکوں کو جو ساتوں زونز پر مشتمل تھے موقع فراہم کر کے کرکٹ کو کراچی میں زندہ رکھنے میں کامیاب رہا۔ کبھی میں نے اپنے لئے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، مجھے اس دنیاوی فائدے کی ضرورت بھی نہ تھی نہ ہے اور نہ ہوگی۔ میرا مقصد صرف اور صرف کراچی کے ہونہار کرکٹرز کی حوصلہ افزائی کر کے ان کو قومی ٹیم کا حصہ بنانا تھا جو گذشتہ 13 سالوں کی کوشش کے بعد صرف چند ہی کھلاڑیوں کو شامل کیا جس سے میرا خواب شرمندہ تعبیر نہ سکا۔ مجھ سے ماضی میں کئی بار صدر بنانے کے جھوٹے دعوے بھی کئے گئے اور راتوں رات اپنی پسند کا صدر چن کر کراچی کرکٹ کو پروان چڑھنے نہیں دیا گیا۔ اب مجھے کسی عہدے کی تمنا ہے نہ میرا کسی عہدے پر الیکشن لڑنے کا ارادہ ہے۔ اب از خود اپنے ادارے کی طرف سے کراچی میں کرکٹ کے لئے کئی اقدامات کرونگا۔ اگر بورڈ نے تعاون کیا تو بھارت کی طرح پاکستان میں آئی پی ایل کی طرز پر پاکستان میڈی کیم پریمئر لیگ (PMPL) کی بنیاد رکھوں گا اور آہستہ آہستہ دنیا بھر سے پہلے مرحلے میں دوسرے، تیسرے درجے کے کھلاڑیوں کا پاکستان کے کھلاڑیوں سے میچ کروا کر عوام کو کرکٹ دیکھنے کا موقع فراہم کرونگا۔ یقیناً اس میں میرٹ کی بنیاد پر کھلاڑی حصہ لینگے اور مجھے معلوم ہے کہ کراچی کے بیشتر کھلاڑی میرٹ پر دوسرے کھلاڑیوں سے بہت آگے ہیں اور کراچی کے کھلاڑیوں کی حوصلہ

افزائی کے لئے کراچی میں جیو کے تعاون سے ٹورنامنٹ منعقد کر کے کراچی کے شہریوں کی دلی تمنا پوری کرونگا اور اس طرح کراچی کے لڑکوں کو قوم کے سامنے اپنا ٹیلنٹ دکھانے کا موقع ملے گا اور یہ میری پہلی کاوش ہوگی جس سے پاکستان کی کرکٹ کو بھارت کی طرح پذیرائی ملے گی۔

﴿ اللہ ہی جانے کون شہید ہے کون دہشت گرد ہے؟ ﴾

1986ء میں وفاقی حکومت نے سرحد کے پسماندہ علاقے فاٹا (فیڈرل علاقہ)، اور پاٹا (پروونشل علاقہ) میں عوام کی غربت دور کرنے کے لئے تمام وفاقی ٹیکس جن میں سینٹرل ایکسائز ڈیوٹی، سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ 10 سال کے لئے موئژ کر دیئے۔ راقم ان دنوں کا سمبلکس ایسوسی ایشن گروپ کا چیئر مین تھا۔ پاکستان کا سمبلکس اداروں نے پاٹا اور فاٹا کے شہر مینگورہ (سوات) میں اپنی فیکٹریاں کراچی، حیدرآباد اور سکھر سے سوات منتقل کرنے کا اجتماعی فیصلہ کیا۔ اس وقت مینگورہ میں صرف چند سلک ملز ہوتی تھیں۔ صرف پاکستانی سیاحوں کی کثیر تعداد گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے سوات کا رخ کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں لاتعداد ہوٹلز، ریسٹورنٹس، مقامی طور پر تیارشدہ مصنوعات جن میں شالیں، لکڑی کے بنے کھلونے، ڈیکوریشن پیس، ماربل کی خوبصورت نوادرات قیمتی پتھر کاروبار کا حصہ تھیں، فیکٹریاں نہیں تھیں۔ ان دنوں حکومت کی طرف سے کم از کم اجرت -/1100 روپے ہوتی تھی، جب فیکٹریاں قائم ہوئی تو معلوم ہوا یہاں پر اکثریت گھریلو ملازمین کی تھیں، جنہیں مقامی لوگ رہنے کے لئے گھروں سے باہر جھگیاں، کھانے کے لئے روٹی اور کپڑے دیتے تھے، تنخواہ کا رواج نہیں تھا۔ ان جھگیوں میں بجلی، گیس کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ مٹی کے تیل کے چولہے اور لالٹین ہوتی تھیں، جب فیکٹری مالکان نے تنخواہ کا بتایا تو انہیں حیرت ہوئی اور عورتیں، مرد، نوجوان، بچے سب گھروں کی ملازمتیں چھوڑ کر فیکٹریوں میں نوکری کرنے لگے جس کی وجہ سے انقلاب آ گیا۔ مقامی لوگ گھبرا گئے ان کے گھروں کے تقریباً تمام ملازمین کام چھوڑ گئے تو محلّہ کے بڑے بوڑھوں نے میٹنگ بلائی۔ اس ناگہانی آفت سے نمٹنے کے لئے فیکٹری مالکان سے گفت و شنید کی تو متفقہ فیصلہ ہوا کہ ہر ملازم 15 دن گھروں میں اور 15 دن فیکٹریوں میں کام کرے گا تاکہ دونوں فریقین کا مسئلہ حل ہو۔ البتہ اب گھر والے ملازمین کو آدھی تنخواہ یعنی -/550 روپے

ملے گا، کھانا اور کپڑا نہیں ملے گا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے لاہور، پشاور اور دیگر بڑے بڑے پنجاب کے شہروں سے بھی سوات میں 2 ڈھائی ہزار فیکٹریاں منتقل ہو گئیں۔ جس کی وجہ سے وہاں خوشحالی آتی گئی، جھگیوں کی جگہ پختہ مکانات، چولہوں کی جگہ گیس اور بجلی کے کنکشن لگتے گئے، سڑکیں پختہ ہوتی گئیں، زمین کی قیمتیں جو پہلے صرف معمولی ہوا کرتی تھیں اب مہنگی ہوتی گئیں جنہوں نے کبھی ٹی وی نہیں دیکھا تھا وہ بھی گھروں میں آ گئے۔ 10 سال آنکھوں میں ایک جھٹکے سے کٹ گئے اب حکومت نے آہستہ آہستہ صوبائی ٹیکس لگانے شروع کر دیئے۔ مرکزی ٹیکس ابھی نہیں لگے تھے، مزدوروں کے لیبر ایکٹ جن کی کم از کم اجرت بھی بڑھتے بڑھتے -/2500 روپے ہو گئی۔ مہنگائی بھی اب شہروں کی طرح مہنگی اشیا فروخت ہونے لگی۔ مقامی آبادی میں اب دیگر شہروں سے ہزاروں لوگ آ کر بس گئے۔ پھر یکایک ایک مذہبی تحریک غالباً 1999ء میں مولانا صوفی محمد نے شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ جس کو مالاکنڈ سے لیکر سوات کے کونے کونے تک پھیلا دیا۔ پھر مینگورہ میں 3 روزہ اجتماع کیا گیا اور اعلان ہوا اور پورے سرحدی فاٹا اور پاٹا میں اسلامی قانون نافذ کروانے کے لئے عوام کو حکومت کے خلاف اکسایا گیا۔ اس تحریک کا نام شریعت یا موت رکھ کر جہاد کا اعلان کر کے واحد مینگورہ ایئر پورٹ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس سے مقامی انتظامیہ ہل گئی، ایئر پورٹ کا محاصرہ ختم کرنے کے لئے نیم فوجی ادارے، فیڈرل سیکورٹی فورس ملیشیا حرکت میں آئی اور بمشکل ایک ہفتے کی دن رات کوششوں کے بعد مینگورہ شہر کو مجاہدین سے خالی کروایا گیا۔ ایئر پورٹ سیدو شریف سے بھی محاصرہ ختم کروا کر صوفی محمد اور ان کے بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر کے مالاکنڈ میں قید کر کے تحریک ختم کر دی گئی۔ 6 سات سال یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا پھر 2007ء میں مولانا فضل اللہ جو مولانا صوفی محمد کے داماد ہیں وہ ایک مسجد کے معمولی پیش امام ہوتے تھے۔ اس زمانے میں کہا جاتا ہے کہ ہماری آئی ایس آئی سے ان کے گہرے روابط تھے، باغی ہو کر نئے سرے سے

دریائے سوات کے پاس فضا گٹ جو مینگورہ میں پر فضا علاقہ تھا، شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا اور خفیہ ریڈیوں اسٹیشن بھی قائم کر دیا گیا۔ شروع شروع میں مقامی انتظامیہ نے کوئی توجہ نہیں دی، رات نماز عشاء کے بعد اس کی نشریات گھروں میں پہنچنا شروع ہوئیں۔ اسلامی تبلیغ سے سب سے پہلے نسوار، سگریٹ اور ملیو فلموں کے خلاف کاروائی شروع ہوئی۔ تمام نشہ آور اشیاء کو ٹارگٹ کیا گیا۔ مذہبی رجحان رکھنے والے افراد اور خصوصاً خواتین میں مولانا فضل اللہ کی تقاریر بہت مقبول ہوئیں۔ بڑی مسجد بنائی گئی جس میں رات کو ہزاروں لوگ بھی جمع ہو کر ان کا واعظ سنتے تھے۔ خواتین اور مذہبی لوگوں نے انکے ہاتھ پر بیعت کی اور دل کھول کر چندہ دیا۔ پھر ایک رات ریڈیو سے ان کے امیر شریعت کا بھی اعلان ہوا۔ اب وہ جو بھی فیصلہ کرتے مقامی مساجد کے علماء اس کو حکم سمجھ کر عمل درآمد کرواتے۔ ایک رات انہوں نے اعلان کیا چونکہ اسلام میں عورتوں کی گھر رہنے کی روایت ہے لہٰذا تمام عورتیں لڑکیاں گھروں میں رہیں گی۔ کوئی فیکٹریوں میں کام نہیں کریں گی۔ جس فیکٹری کے مالک نے اس کی خلاف ورزی کی اس کی فیکٹری میں آگ لگوا دی گئی جس سے ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ ہزاروں لڑکیاں اور عورتیں راتوں رات بے روزگار ہو گئیں۔ کسی کی مجال نہیں تھی جو ان کے خلاف آواز اُٹھاتا۔ پھر عورتوں کا سخت پردہ، مردوں کے کوٹ پتلون پر پابندیاں، داڑھیاں منڈوانا منع، الغرض حکومت کی رٹ کو چیلنج کر کے اپنی طرف سے اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا۔ پولیس ملائشیا انتظامیہ سب بے بس ہو گئے۔ آدھی فیکٹریاں بند ہو گئیں۔ باہر سے سیاحوں نے ڈر کی وجہ سے سوات کے بجائے دیگر مقامات پر جانا شروع کر دیا۔ ہوٹل ویران ہوتے گئے، مقامی انڈسٹری بیٹھ گئی، ان کی مصنوعات کی مانگ ختم ہو گئی۔ مقامی لوگ تاجر، صنعت کار سب بے روزگار ہو کر پریشان ہو گئے۔ پھر انہوں نے لڑکیوں کے اسکول اور کالج جانے پر پابندیاں لگا کر اسکولوں اور کالجوں کو بند کروا دیا۔ ہماری افواج پاکستان نے اس کے خلاف کاروائی کی۔ تمام فیکٹریوں کو بند کر

کے مقامی آبادی کو سوات سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ اب مولانا فضل اللہ اور ان کے مجاہدین بے دردی سے اپنے مخالفین فوج، ملیشیا، پولیس پوسٹوں پر حملے کرتے رہے اور جہاں موقع ملتا قتل عام سے بھی باز نہیں آتے۔ مینگورہ شہر میں لاشوں کے انبار لگ گئے، جان بوجھ کر مار کر وہ لاشیں بجلی کے کھمبوں پر لٹکا دیتے تا کہ مقامی لوگ ان کی مخالفت یا مخبری نہ کریں۔ آخر کار ہماری افواج نے ان پر غلبہ پایا، ان کے پاس کہا جاتا ہے کہ بھارت نے جدید اسلحہ اور ڈالرز دیئے تا کہ وہ ہماری افواج سے لڑ سکیں۔ پھر بعد میں یہ باغی پہاڑوں کی مدد سے افغانستان بھاگ گئے۔ افغان حکومت نے ان کو جب سے پناہ دی ہوئی تھی، یہ سب کچھ تحریکِ طالبان (TTP) پاکستان کے نام سے ہزار ہا مسلمانوں خصوصاً ملیشیا، پولیس اور فوجیوں کو قتل کر کے اپنی دھاک بٹھائے ہوئے تھے۔ سوات میں 80 فیصد کاروبار آج تک بند ہیں، ہزاروں لڑکیاں اور مزدور بے روزگار ہیں۔ آج بھی مولانا فضل اللہ تحریک طالبان پاکستان سے سب خائف ہیں۔ جب امریکہ نے ان کے امیر حکیم اللہ محسود کو ڈرون حملوں میں مار دیا تو ہمارے علماء ڈرون حملوں کی مذمت کے بجائے دہشت گرد یا شہید کی تکرار میں لگ گئے۔ ایک فاضل عالم نے شہداء کی حدیں تک بڑھا کر کتے تک کو شامل کر کے انتہا کر دی۔ دوسری طرف ہماری افواج پاکستان کے کھلے قاتل کو شہید کہنے پر اعتراض ہے۔ حتیٰ کہ جید علمائے کرام بھی مسلمانوں کے قتل میں ملوث افراد کو نہ مجاہد کہہ رہے ہیں اور نہ وہ شہید کہنے کے حق میں ہیں۔ میں حیران ہوں کہ امیر فضل اللہ اور ان کے ساتھیوں کو اتنا جدید اسلحہ اور ڈالر دے کر کون مضبوط کرتا رہا، وہی اسلحہ ہماری افواج کے پاس بھی ہے، وہی ڈالرز ہم کو بھی امداد کی شکل میں مل رہے ہیں۔ ڈرون حملوں کی طرف سے توجہ ہٹا دی گئی اس کی رکاوٹ میں دلائل دینے کے بجائے شہید اور دہشت گرد ڈھونڈنے میں توانائی صرف کی جا رہی ہے، نیٹو کے کنٹینرز روکنے کی دوبارہ کوشش جاری ہے۔ عوام مہنگائی کا رونا بھول گئے، گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے توجہ ہٹا کر بلدیاتی

انتخابات کی طرف رخ موڑ دیا گیا ہے۔اربوں روپے کی کرپشن کے کیس دبا دیئے گئے،عدلیہ کو غیر ضروری الجھا کر عوام کے روزمرہ کے کیسوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ڈالر کی قیمتوں پر نظر رکھنے کے بجائے نوٹ چھاپنے پر توجہ دی جارہی ہے۔اللہ جانے یہ حکومت اتنی جلدی بدنام ہو کر ناکامی کا منہ دیکھ رہی ہے مگر یار لوگ سب اچھا ہے کی تکرار میں اس کو شاباشی دینے میں مصروف ہیں۔اللہ ہی جانے کون بشر ہے؟ جب تک یہ کالم چھپے گا شاید ہی فیصلہ ہو سکے گا کہ مرنے والا دہشت گرد تھا یا شہید تھا؟عوام خود اندازہ لگائیں کہ یہ خون ناحق کس کے کھاتے میں جائے گا۔اب پھر ایک اور مولانا کو کینیڈا سے دوبارہ بلوا کر نیا فتویٰ حاصل کرنے کی تیاری جاری ہے۔دیکھتے ہیں وہ دوبارہ کیا گل کھلاتے ہیں۔

﴿ یہ بے چارہ پاکستان ﴾

قارئین میری دو تہائی زندگی پوری دنیا کی سیاحت،تجارت اور تاریخی مقامات دیکھنے میں گزر گئی اور اب تو گھومنے کی عادت اتنی بڑھ گئی ہے کہ میرے دوست احباب پوچھنے لگے ہیں کہ آپ پاکستان کب واپس آرہے ہیں۔میرا ان کو ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ یہ میرا ملک ہے،میری سب سے بڑی چاہت ہے اس سے بہتر سرزمین،محنتی اور جفاکش لوگ کہاں ملیں گے۔لہٰذا ہر ماہ،2 ماہ بعد رہ کر اکتا جاتا ہوں،پھر مجھے میرے مخلص دوست میرے ملک کی آب وہوا یاد آنے لگتی ہے تو فوراً ٹکٹ کٹا کر اپنے پیارے ملک میں واپس آکر سکون حاصل کرتا ہوں۔حالات سے تنگ آکر جس طرح صنعتکار، تاجر،ڈاکٹرز،انجینئرز حتیٰ کہ مزدور اس ملک سے تعلیم وتلاش روزگار اور تلاش امن باہر منتقل ہو رہے ہیں۔میری بھی پوری فیملی یورپ اور کینیڈا منتقل ہو چکی ہے اور وہاں ان کے بچے سکون سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔اگرچہ سخت سردیاں اور بہت زیادہ ٹیکسوں کی بھرمار سے ناخوش ہیں۔مگر وہ اب وہیں آباد ہونا چاہتے ہیں مگر میں پاکستان کی محبت سے مجبور ہو کر اسی کو اپنا حقیقی ملک سمجھتا ہوں۔ یہاں کی کیا کیا خوبیاں گنواؤں،بہت آسان زندگی،صبح اٹھو اذانوں کی آواز،ملازموں کی بھرمار، آج کیا کھانا ہے،گھروں کا دروازہ کس نے کھولنا ہے،کھانے کے بعد کھانے کی پلیٹیں کس نے اٹھانی ہے،شام کا کھانا کس نے پکانا ہے،برتن کس نے دھونے ہیں،کمروں کا پوچھا کون لگائے گا،بچوں کا صبح ہی صبح اسکول کون چھوڑے گا،واپس اسکول سے کون لائے گا،پھر مولوی صاحب سے قرآن پڑھانے دوبارہ کون واپس لے جائے گا اور کون واپس لائے گا۔مگر وہاں اب سب اردو قاعدہ بھول گئے،اکثر تو اردو بولنا بھی کسرِ شان سمجھتے ہیں،انگریزی بھی ایسے بولتے ہیں جو ہم پاکستانی مشکل سے سمجھتے ہیں۔کھانے کے تو وہ اپنے بھول چکے ہیں،فاسٹ فوڈ اب تو حلال اور حرام کھانوں کی تکرار بھی کم ہوتی جارہی ہے۔صرف سور کی پراڈکٹ کو حرام سمجھتے ہیں،باقی غیر ذبیحہ مرغی،

مٹن، گائے، بھیڑ کو وہ حلال سمجھتے ہیں۔اس کی وجہ بڑی بڑی مارکٹیں، مالز ہیں وہ سستی ہوتی ہیں اور پاکستانی حلال گوشت سپر مارکیٹوں میں مہنگی ہونے کے ساتھ ساتھ دور دراز مقامات سے جا کر خریدنا پڑتی ہیں۔تو وہ اپنی اپنی آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان جھمیلوں میں نہیں پڑتے ہیں وہی خرید کر جان چھڑاتے ہیں۔صرف بڑے بڑے علاقوں میں مساجد بنائی گئیں ہیں جو صرف جمعہ اور عیدین پر تو بھر جاتی ہیں بقایا اوقات میں چند صفوں تک محدود ہوتی ہیں۔اگر پاکستان پہلی افغان رشین جنگ میں جو اس زمانے کے فوجی ڈکٹیٹر ضیاء الحق نے اپنے اوپر نہ مسلط کرائی ہوتی تو 40 لاکھ افغانی مہاجر ہمارے ملک میں نہیں آتے تو ہم امن سے رہ رہے تھے، آج بھی امن سے ہوتے، ہمارے پاس اسلحہ، منشیات نہیں ہوتی، پھر اس کی رہی سہی کثر ہمارے دوسرے ڈکٹیٹر پرویز مشرف جو آج کل پاکستان میں قید و بند ہیں اور غداری کے مقدمے کا سامنا کر رہے ہیں۔امریکہ اور نیٹو ممالک کی دھمکیوں میں نہ آتے تو ہمارا پاکستان امن کا گہوارہ ہوتا نہ کہ دہشت گرد ممالک کی فہرست میں شامل کیا جاتا۔افغانستان کی جنگ بچانے میں پاکستان کی سلامتی داؤ پر لگ چکی ہے اسی وجہ سے خود پاکستانی باہر ممالک کی شہریت حاصل کر رہے ہیں۔صنعتکار، انجینئرز، ڈاکٹرز سرفہرست ہیں وہ الگ بات ہے کہ دیار غیر میں اب تو ان کی مصیبتیں بھی آسان ہو چکی ہیں کم از کم زندہ ہیں اور خطروں کے دور سے دور ہیں، بچے محفوظ ہیں اور عمدہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر سب مشینی زندگی گزار رہے ہیں۔یہاں کی طرح آسائشیں تو نہیں ہیں مگر آئے دن کے ہنگاموں، دھماکوں سے بچے ہوئے ہیں۔یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس کے باشندے اتنی آسائشیں اٹھا کر پاکستان کو برا بھلا کہتے ہیں۔اتنی دولت، خوشحالی، سبزہ زار، سرزمین ہونے اور 2 دو سمندروں سے فائدہ اٹھا کر بھی وہ خوش نہیں ہیں، خود اپنی اپنی پسند کی جماعتوں کو بار بار آزما کر پھر اپنے اوپر مسلط کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں جو ہر طرح کی کرپشن میں ایک دوسرے سے آگے ہیں۔نت نئے اسکینڈلز ہماری عدلیہ پکڑ چکی ہے مگر نہ

کسی کو سزا ہوئی اور اگر سزا ہوئی تو اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔قانون کی شقیں راہ میں حائل ہو جاتی ہیں اور اب تو ایک ادنا شہری بھی قانون کی دسترس سے باہر ہے۔اگر اس کو روکنے کی کوشش کریں تو ہڑتال کی دھمکیاں، انتظامیہ کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں جس سے کرپشن کی حدیں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔بڑی بے باکی سے پولیس، انتظامیہ، بیوروکریٹس ڈھٹائی سے رشوت لیتے ہیں، مہنگائی، بجلی، گیس اور ڈالرز کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے منسلک ہو کر دگنا اور تگنا منافع لینے کی اب پوری قوم کو عادت ہو گئی ہے۔10 روپے سیر کا ٹماٹر 150 روپے میں خریدنے پر کوئی احتجاج کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔رمضان المبارک اور خاص مواقعوں پر تو انتظامیہ کی ملی بھگت سے قیمتوں میں اضافہ کرایا جاتا ہے، کوئی پوچھنے والا نہیں اور نام پاکستان کا بدنام ہوتا ہے۔اپنے اپنے گریبان سب نے سی رکھے ہیں۔کرپشن کوئی کرے پاکستان نے کیا بگاڑا ہے جو اس کو برا بھلا کہہ کر اپنا غصہ ختم کیا جاتا ہے۔کوئی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس تنزلی میں سب کا حصہ ہے۔نہ وہ اساتذہ رہے، نہ وہ تعلیم، نہ درس گاہیں، گذشتہ 25 سال میں ہم 100 سال پیچھے جا چکے ہیں۔ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ان 25 سالوں میں خلیجی ممالک فن کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں اور ہمارے پاکستانیوں کی ابتدائی محنتوں سے آج وہ بنک، انشورنس، تجارت، بڑی بڑی عمارتیں، ان کی ائیر لائنز کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہیں اور ہم پستی کی طرف بڑی تیزی سے گامزن ہیں۔یہ پستی کہاں تک پہنچے گی اس کی کوئی حد نظر نہیں آتی لیکن میری قوم سے درخواست ہے کہ اپنے گناہوں کو چھپا کر خود پاکستان کو برا بھلا نہ کہیں۔اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں سے سبق سیکھ کر دوبارہ پاکستان کی عظمت کو بحال کریں۔یہ بات یاد رکھیں جو قوم صبح سوتی رہتی ہے وہ ہمیشہ بھیک پر زندہ رہتی ہے، جو قوم صبح ہی سے جاگ کر کاموں پر لگ جاتی ہے وہ بھیک دیتی ہے۔بدقسمتی سے یہ بیماری ہماری قوم میں سرایت کر چکی ہے، لہٰذا ہم سب سے بھیک جمع کر کے اپنی قوم کو پیچھے لے جا کر بھیک کے عادی بنا چکے ہیں۔

﴿ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کا 25 سالہ پرانا وعدہ ﴾

آج مجھے بنگلہ دیش سے ایک ای میل ملی ہے جو محصورین پاکستانی کمیٹی ایس پی جی آر سی (SPGRC) کے نائب سیکریٹری جنرل ہارون الرشید جو اس کمیٹی کے بانی چیف پیٹرن مرحوم الحاج نسیم خان صاحب کے صاحبزادے ہیں جو ابھی تک ان محصورین کی دیکھ بھال اور پاکستان بھیجنے کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔لکھا ہے اس سخت سردی کے موسم میں آج بھی 3لاکھ سے زائد پاکستانی، بنگلہ دیش کے بڑے بڑے شہر جن میں ڈھاکہ، چٹاگانگ، کھلنا، راج شاہی، فرید پور، نارائن گن، خالص پور، محمد پور اور میر پور کے کیمپوں میں کھلے آسمان تلے پاکستان کی محبت میں آج بھی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔بنگلہ دیش بنے 42 سال ہو چکے ہیں، بنگلہ دیش کی شہریت ان کو قبول نہیں ہے۔پاکستان ان کو لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔انہوں نے فوری طور پر سردی سے بچنے کے لئے کم از کم 5ہزار کمبل کی سخت ضرورت ہے اور ادویات کی اپیل کی ہے جو کے این فاؤنڈیشن کی طرف سے ہم ان کو بھجوا رہے ہیں۔اصل معاملہ میں پھر قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ 1989ء میں کراچی میں ایک کمیٹی جس میں جماعت اسلامی، این پی پی تحریک استقلال، مسلم لیگ (ن) پی ڈی پی، مزدور کسان پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی کے عہدیداران نے مشترکہ طور پر مل کر کمیٹی برائے محصورین پاکستان تشکیل دی۔جس کا مقصد غیر سیاسی بنیادوں پر بنگلہ دیش میں اس وقت جو افراد رہ گئے تھے اور فنڈ کی کمی کی وجہ سے 1971ء میں پاکستان نہیں آسکے تھے، ان کو پاکستان میں لاکر آباد کرنا تھا۔جس کی قیادت میں کر رہا تھا اس کے متعدد اجلاس بھی ہوئے، ہم نے ایک میٹنگ 1989ء میں نواز شریف صاحب سے کراچی میں کی تھی، وہ اس وقت پنجاب کے چیف منسٹر تھے۔انہوں نے پنجاب حکومت کی طرف سے 1لاکھ جوڑے کپڑوں کے لئے 76لاکھ روپے دیئے اور وعدہ کیا، کیونکہ مرکزی حکومت ہی مجاز تھی جو ان محصورین کو پاسپورٹ اور پاکستان

لانے کی، مگر ان کے پاس صرف ایک صوبے میں حکومت تھی تو جب بھی مرکزی حکومت میں آئیں گے ان تمام پاکستانی محصورین کو پاکستان میں لاکر پنجاب میں آباد کر دینگے۔ہم نے بلال احمر پاکستان کے تعاون سے 1لاکھ جوڑے کپڑوں کے بنگلہ دیش بھجوائے جو بلال احمر بنگلہ دیش نے ان کیمپوں میں تقسیم کروا دیئے۔صرف 2 سال بعد پی پی پی کی حکومت کو غلام اسحٰق خان صاحب صدر پاکستان نے ختم کر کے الیکشن کروائے تو نواز شریف صاحب کی پارٹی مسلم لیگ (ن) کامیاب ہو گئی اور مرکزی حکومت مسلم لیگ (ن) نے بنائی۔ ہمارے وفد نے پھر نواز شریف وزیراعظم پاکستان سے ملاقات کی، انہوں نے اس وقت کی چیف منسٹر غلام حیدر وائن کو ان کو پاکستان لانے کی ہدایت کی کہ پہلے ایک جہاز بھر کر تقریباً 350 افراد کو بنگلہ دیش سے ملتان، میاں چنوں کے قریب جو چیف منسٹر کا آبائی حلقہ تھا لایا گیا اور پنجاب حکومت نے گھر اور ساتھ کچھ زمین کھیتی باڑی کے لئے ان کو دی اور آباد کر دیا گیا۔جہاں آج بھی وہ آباد ہیں، اس کے بعد ہماری کمیٹی نے بار بار وزیراعظم نواز شریف کی توجہ بقایا ڈھائی لاکھ افراد کو پاسپورٹ اور پاکستان لانے والے وعدے کی طرف مبذول کرائی۔مگر ہر ممکنہ کوشش کے باوجود وہ ٹال مٹول کرتے رہے اور وہ محصورین ان کے وعدہ وفا ہونے کا انتظار کرتے رہے۔پھر غلام اسحٰق خان صاحب نے دوبارہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت توڑ ڈالی اور الیکشن میں پھر پی پی پی اقتدار میں آگئی۔پی پی پی حکومت ہمیشہ ان پاکستانیوں کو پاکستان میں لانے کی مخالف تھی، اس کا کہنا تھا کہ ان ڈھائی لاکھ بہاریوں کو سندھ میں لانے سے آبادی کا تناسب سندھیوں سے بڑھ کر مہاجروں کا ہو جائے گا۔جبکہ اس وقت صرف پاکستان میں 40لاکھ افغانی، برمی غیر قانونی طور پر آچکے تھے اور 10لاکھ سے زائد افغانی صرف کراچی میں مقیم تھے۔بہر حال قصہ مختصر دوبارہ پی پی پی کی حکومت ٹوٹی اور مسلم لیگ (ن) کی حکومت مرکزی اقتدار میں آگئی۔اس دفعہ خود پی پی پی سے تعلق رکھنے والے صدر فاروق لغاری مرحوم نے حکومت توڑی تھی۔کمیٹی

نے پھر مسلم لیگ (ن) کیکروائی۔مگر نواز شریف صاحب نے نہ کمیٹی سے ملاقات کی اور نہ اپنا وعدہ پورا کیا جس پر سب نے متفقہ طور پر کمیٹی توڑ دی اور بقایا رقم جو 21 لاکھ روپے بچی تھی وہ بھی واپس حکومت پنجاب کو لوٹا دی۔پھر مسلم لیگ (ن) کی حکومت پر فوج نے قبضہ کیا اور نواز شریف صاحب کو جلاوطن کر دیا۔اب پھر قسمت نے پلٹا کھایا پرویز مشرف نے الیکشن کروائے، پی پی پی تیسری مرتبہ اقتدار میں آئی اور 5 سال گزار کر اس سال الیکشن ہار گئی۔نواز شریف کی پارٹی پھر تیسری مرتبہ اقتدار میں آگئی، اگرچہ 6 ماہ سے بھی کم مدت میں وہ اپنی مقبولیت کھوتی جا رہی ہے۔نہ مہنگائی کے سمندر کو لگام لگی، ڈالر تیزی سے وعدوں کے خلاف 25 فیصد تک اوپر جا چکا ہے، بجلی، گیس کی لوڈ شیڈنگ اور آسمان سے بڑھتی ہوئی قیمتیں، پیٹرول، بجلی، گیس کو عوام کی دسترس سے باہر کر چکی ہیں۔ پھر بھی وعدہ وعدہ ہوتا ہے، اسلام میں ہر قیمت پر حکمرانوں پر وعدہ پورا کرنے کی وعید آئی ہے۔ان 3 لاکھ پاکستانیوں کی بدعہدی بھی ہماری تباہی کی نشاندہی کر رہی ہے، جو آج 42 سال گزرنے کے باوجود بنگلہ دیش میں واپسی کی آس لگائے کچھ اس دنیا سے جا چکے ہیں اور باقی دردناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔پاکستانی سروے کے مطابق 1 کروڑ سے بھی زائد غیر ملکی پاکستان میں غیر قانونی طور پر آباد ہو چکے ہیں۔قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا، مگر ہمارے اپنے مسلمان پاکستانی جو اب ڈھائی 3 لاکھ ہیں، اگر ان کو وزیر اعظم پاکستان نواز شریف صاحب یا صدر پاکستان جناب ممنون حسین صاحب اس سنگین مسئلے کو حل کر کے ان محصورین کو پنجاب کے مختلف اضلاع میں لا کر آباد کر دیں تو کھربوں کی کرپشن کے سامنے ان پر چند ارب روپے لگیں گے۔وہ پاکستان بھی آسکیں گے اور انسانیت کو بھی چین آجائے گا۔حکومت آنی جانی ہے، کاش میاں نواز شریف صاحب کو اپنا وعدہ یاد آجائے جو 25 سال پہلے انہوں نے کیا تھا اور وہ یہ سوچیں کہ جلاوطنی کیا ہوتی ہے جو 42 سال سے ان کے ہم وطن بنگلہ دیش میں گزار رہے ہیں۔

وزیر اعظم محمد نواز شریف صاحب پی آئی اے کی نجکاری کیسے کرینگے؟

وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب نے اقتدار میں آکر سب سے پہلے پی آئی اے کو بہتر بنانے کے لئے بورڈ کے سربراہ کو تبدیل کیا جو ایک بہت بڑے ملٹی نیشنل ادارے کے بھی سربراہ تھے۔بہت سی بڑی این جی اوز کو بھی چلانے کا انہیں تجربہ تھا۔ایک ملاقات میں انہوں نے جو نقشہ پی آئی اے کی انتظامیہ کی کرپشن، غفلت، لاپرواہی کا پیش کیا جو انہیں صرف ایک ہفتے میں آگاہی ہوئی تھی وہ ایک ایک کر کے گنواتے گئے، کوئی شعبہ بھی نہیں بچا تھا جو اس ملوث نہ ہو۔ہر خریداری پر (Kick Back) یعنی ڈیپارٹمنٹ کی کمیشن نہ ہو کیا کھانے پینے کے سامان کی خریداری ہو یا جہازوں کے پرزوں کا معاملہ، اچھے چلتے جہاز کو جب چاہا ٹیکنیکل خراب کر دیا، ایک درجن سے زیادہ خراب جہاز تو کراچی ائیر پورٹ پر کھڑے زنگ آلود ہو چکے ہیں۔آدھی سے زیادہ فلائٹس بند ہو چکی تھیں، نئے جہاز لیز پر لینے تھے، ان میں روکاوٹیں خود ائیر لائن کے بڑے بڑے مینیجروں کی مرہونِ منت تھی۔ غیر ممالک میں پوسٹنگ بکتی تھیں، ایجنٹوں کو بھی نہیں چھوڑا گیا تھا، بعض غیر غیر ممالک کے اسٹیشن مینیجر اور ایجنٹ ہمارے سفارتخانے والے بھی ملوث تھے۔کروڑوں کی نئی اب اربوں کی کرپشن اس میں سود کی رقمیں سب مل ملا کر پی آئی اے کو ہر سال کئی ارب روپے کا مسلسل نقصان ہو رہا ہے۔پھر چند ہی اصلاحات ہو سکی تھیں، بقایا جہازوں کی خریداری کا معاملہ آخری مراحل میں تھا کہ اچانک وہ نا معلوم وجوہات کی بناء پر مستعفی ہو گئے۔میں نے لاکھ ان سے وجوہات پوچھیں، کیونکہ وہ میرے پرانے واقف کار بھی تھے اور بہت نیک نام بلکہ معتبر ناموں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور بہت ہی کامیاب صنعتکار جن سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر سب ٹھیک کر لینگے۔جس طرح ماضی

میں جب ائر مارشل اصغر خان اور ائر مارشل نور خان کے دور میں پی آئی اے دنیا کی چند گنتی کی ائر لائنوں میں اس کا شمار ہوتا تھا جو وقت کی پابند اور سب سے منافع بخش ائر لائنوں میں سمجھی جاتی تھیں ۔اس دور میں اس نے بہت سی غیر ملکی ائر لائنز جن میں ترکش ائر لائنز ،ائر مالٹا، سنگاپور ائر لائنز، سری لنکا اور صرف 20 سال قبل ایمریٹس ائر لائنز کو اپنے 3 جہاز اور عملہ دے کر شروع کرایا تھا، آج وہ دنیا کی 5 بڑی ائر لائنوں میں شمار ہوتی ہے ۔چھوٹے سے شروع ہونے والے 3 جہازوں کی جگہ اب دنیا کے سب بڑے بوئنگ جہاز 380 جس میں 500 سے زائد کی گنجائش رکھنے والے سب سے زیادہ اس ائر لائنز کے پاس موجود ہے اور 30 مزید جہازوں کا آرڈر بھی دے رکھا ہے ۔چھوٹے سے دبئی غیر ائیر کنڈیشن ائر پورٹ (1972ء تک عام چادروں کی چھتیں ہوتی تھیں) آج ایشیا کا سب سے بڑا اور جہازوں کی لینڈنگ اور ٹیک آف کرنے والے 4 ائر پورٹس میں تبدیل ہو چکا ہے ۔پانچواں ائر پورٹ بھی جزوی طور پر کھل چکا ہے، جبکہ 2022ء کے لئے دبئی ایکسپو کی تیاری کے لئے ایک الگ جدید ترین ائر پورٹ بھی شروع کر دیا گیا ہے ۔پی آئی اے کی تنزلی میں اس کی یونینوں کی مداخلت، سیاسی بنیادوں پر بھرتیاں، غیر معمولی اسٹاف کی بھرمار، اقربا پروری، پائلٹوں کی ہٹ دھرمی، من پسند پروازوں پر جانا یا انکار وہ بھی آخری مراحل میں جب جہاز کے جانے میں چند گھنٹے رہ جاتے ہیں ۔ہمارے کیبن کروکی بھرتیوں میں رشوت، نااہل، ضرورت سے زیادہ بھرتیاں، 55 میں سے 23 جہاز اپ ٹیو اور عملہ وہ ہی ہو، کیونکہ یونین کی مداخلت کی وجہ سے نکالا نہیں جا سکتا۔ عمر رسیدہ مرد و خواتین کی موجودگی الغرض اس ائر لائنز کو پرائیویٹائز کرنے میں یونین کی مداخلت اور قانونی سقم کی وجہ سے یہ لاعلاج مرض میں مبتلا ہو چکی ہے اس کو بیچ کر اگر نئے ایماندار افراد ٹیکنیکل پر مشتمل عملہ بھرتی کر کے پروفیشنل طریقے سے دوبارہ چلائی جائے تو ہماری قومی ائر لائنز دوبارہ شروع کی جا سکتی ہے ۔وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب اس آپشن پر کام کریں تو ان کی نیک

نامی میں بھی اضافہ ہوگا اور پی آئی اے سے بھی جان چھوٹ جائیگی ۔یہ کالم لکھنے کی اصل وجہ اس ہفتے راقم کراچی سے لاہور پی آئی اے کی پرواز سے سفر کر رہا تھا جس کا ٹکٹ دوسری مقامی تمام ائر لائنز کے مقابلے میں 25 فیصد مہنگا ہوتا ہے تو جب جہاز میں سوار ہوا تو پی آئی اے کے بجائے جہاز چیکو سلواکیہ کی ایک ٹریول ایجنسی سے بوئنگ 737 (بہت چھوٹا جہاز) لیز پر لیا ہوا تھا جس کا عملہ بھی اسی ملک کا تھا، جو ہماری قومی زبان سے بالکل نابلد صرف ٹوٹی پھوٹی انگریزی کا سہارا لے کر مسافروں کی رہنمائی کر رہا تھا۔بعض اوقات سوری کی تکرار میں مسافر کو خاموش کرا دیتا تھا، کبھی کبھی اشاروں کی زبان بھی استعمال کر رہا تھا۔ جب جہاز روانہ ہوا تو پی آئی اے کے صرف ایک مرد اور ایک خاتون ائر ہوسٹس کو شامل کر دیا گیا جس سے مسافروں کے چہروں پر رونق آ گئی ۔ورنہ اس غیر ملکی عملے سے خوفزدہ بھی تھے ۔اللہ اللہ دنیا کہاں سے کہاں ترقی کر کے 100 سیٹوں والے طیارے ترک کر کے 5 چھ سو گنجائش والے طیارے بدل رہی ہے ۔ہم جمبو جہازوں سے اب 140 سیٹوں والے طیاروں سے تبدیل کر رہے ہیں وہ بھی غیر ملکی کپتان سے لے کر کیبن کرو تک کہاں جائینگے ہمارے پاکستانی ملازمین بھی ۔افواہ ہے کہ 15 بیس جہاز اور لیز پر آنے والے ہیں اس میں کتنی کمیشن شامل ہے، کیونکہ لیز کا مطلب ہے جتنے گھنٹے جہاز ہوا میں رہے گا اتنے گھنٹے کا کرایہ ادا کیا جائیگا اور اگر جہاز کو شیڈول سے ہٹ کر دیر سے پرواز کرایا تو بھی کرایہ وینٹنگ کا ادا ہوگا۔ گویا ہم پی آئی اے کے جہاز میں نہیں غیر ملکی ائر ٹیکسی میں پرواز کرینگے ۔اگر خدانخواستہ جہاز کو کوئی حادثہ پیش آئے گا تو مسافروں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ چند ماہ قبل کراچی میں ایک ترک پائلٹ جو پی آئی اے کے لیز جہاز کو اڑا رہا تھا، کراچی قائداعظم انٹرنیشنل ائر پورٹ کے بجائے شاہراہ فیصل میں پر اس نے جہاز اتار لیا تھا، کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔لہٰذا واقعہ پر جلدی پردہ پڑ گیا، آئندہ کی کوئی ضمانت نہیں ہے ۔وزیر اعظم صاحب نے اعلان تو کر دیا ہے کہ وہ پی آئی اے کو پرائیویٹائز کر دینگے مگر یہ عمل کیسے ممکن

ہے جس کے ہزاروں ملازمین گھر بیٹھے تنخواہیں اور مراعات وصول کر رہے ہوں اور ان کی یونین کئی مرتبہ پہلے بھی نجکاری کے عمل کو ناکام بنا چکی ہے۔ کئی ہفتے ہڑتال کر کے نجکاری کو ناکام بنا چکی ہے۔ دیکھتے ہیں وہ کیا لائحہ عمل بناتے ہیں۔

﴿ شکریہ الیکشن کمیشن ﴾

قارئین حضرات میری شروع سے ہی عادت ہے کہ جلدی سوتا ہوں تا کہ صبح جلدی اُٹھ سکوں۔ یہ عادت میرے تمام بیشتر ملنے والے دوست احباب اور رشتہ داروں کو بھی معلوم ہے۔ بہت سی شادیوں اور رت جگوں میں نہیں جا سکتا تو کچھ احباب مجھ سے ناراض بھی رہتے ہیں۔ 11 بارہ بجے تک شادی میں شرکت پھر اوپر سے مرغن غذا کھا کر کیونکر پُرسکون نیند آئے گی۔ کبھی کبھی جب مجبوری میں جانا ہی پڑ جائے تو گھر سے کھانا کھا کر شریک ہوتا ہوں۔ کیوں کہ لاکھ کہنے کے باوجود بارات 11 بجے رات تک آتی نہیں۔ 12 بجے سے پہلے کھانا بمشکل کھلتا ہے۔ پچھلے دنوں لاہور میں اپنے ایک دوست کی شادی میں شرکت کی تو حیرت ہوئی 10 بجے تک سب کھا پی کر فارغ ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے دوست کو شاباش دی کہ تم نے واقعی کارڈ پر لکھی تاریخ پر تو سب شادی کی تقریب کر دیتے ہیں مگر آج تک لکھے ہوئے ٹائم پر بقایا رسومات ادا نہیں کرتے اور کھانا جو حاضرین کی مجبوری ہوتی ہے آخر وقت تک رک کر ہی ملتا ہے۔ وہ مسکرائے۔ اگرچہ بات بات پر کھلکھلاتے رہتے ہیں۔ کہنے لگے یار اس میں مجبوری ہے کیونکہ ہمارے چیف منسٹر میاں شہباز شریف کا آرڈر ہے کہ 10 بجے تک تقریب ختم ہو جانی چاہیے اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو اس کی تقریب زبردستی بند کرا کر، کھانے پینے کا سامان اُٹھا کر میزبان کے خلاف پرچہ کرا کر کاروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ مجھے بہت بڑی خوشی ہوئی چلو کسی صوبہ کے حکمران قانون بنا کر اس پر عمل بھی کراتا ہے جبکہ ان کے صوبہ میں نہ دہشت گردی زوروں پر ہے نہ رات کو لوٹ مار کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے شہر کراچی میں تو دن دہاڑے ہر طرح کی وارداتیں معہ دہشت گردی عام ہے اور ہمارے چیف منسٹر قائم علی شاہ جو ایک بہت بڑے عرصے سے امن وامان برقرار رکھنے میں ناکام رہنے کے باوجود آج بھی چیف منسٹر ہیں۔ کم از کم شادی کی تقریبات اپنے وقت پر ختم کروا کر کوئی

نیک کام کر جائیں۔خیر یہ تو محض تمہید تھی اور دل میں ایک کانٹا تھا جو چبھ رہا تھا۔کاش وہ اس کالم کو پڑھ کر جس طرح ہمارے پنجاب کے چیف منسٹر میاں شہباز شریف صاحب کے ایک مداح کالم نویس کے ہر کالم میں لکھی ہوئی اچھی تجویز یا شکایت پر فوری عمل درآمد کروا کر پنجاب کے عوام کو مشکلات سے نکال کر خراج تحسین حاصل کرتے ہیں۔ہمارے چیف منسٹر صاحب اس کالم میں لکھی وقت کی پابندی والی تجویز پر عمل درآمد کرا دیں تو اس سے جرائم پیشہ افراد سے کراچی اور سندھ کے دیگر بڑے بڑے شہروں کو سکون اور راحت ملے گی۔خیر صبح اُٹھتے ہی نماز و دیگر ضروری کاموں سے فارغ ہو کر سب سے پہلے اخباروں کا مطالعہ کرنے کی عادت زور مارتی ہے اور نیٹ پر اخبارات 6 بجے کے بعد ہی آنا شروع ہوتے ہیں مگر آج تو صبح ہی صبح جنگ اخبار کے صفحہ اول کے اوپر سب سے پہلی خبر پڑھ کر دل بیٹھ گیا۔خبر الیکشن کمیشن آف پاکستان نے جاری کی تھی جو ہمارے کامیاب قومی اسمبلی کے اراکین کے بارے میں تھی۔جو انہوں نے 2012-13 کے ان اثاثوں کی تفصیلات الیکشن کے فارموں میں فراہم کی تھیں۔وہ الیکشن کمیشن نے عوام کی اطلاع کیلئے اپنے ویب سائٹ پر فراہم کر دیں۔یہ غالباً پہلی مرتبہ الیکشن کمیشن نے ہمت دکھائی۔اس کے موجد جسٹس فخر الدین جی ابراہیم ہونگے اگر چہ اب وہ اس عہدہ پر نہیں ہیں۔میں سکتہ میں تھا یا اللہ ہمارے وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب 6 جدید ترین فیکٹریاں جن میں 2 ٹیکسٹائل ملز، 1 پیپر مل، 1 اسپننگ مل، 1 انجینئرنگ مل اور 1 شوگر مل کے علاوہ 3 گاڑیاں 1 ٹریکٹر کی کل مالیت صرف ایک ارب 82 لاکھ ہے جبکہ اگر آج ایک ایسی ہی مل لگائی جائے تو اس کی زمین ہی اس رقم کے برابر ہوگی۔اس سے آگے بڑھا تو پتہ چلا کہ ان کی اہلیہ کے پاس صرف 15 لاکھ کے زیورات ہیں۔اس سادگی پر قربان جائیے۔اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن جو عالم دین ہیں ان کے پاس صرف 73 لاکھ کے اثاثے ہیں جبکہ مولانا صاحب کو ہمیشہ برانڈ نیو لینڈ کروزر میں دیکھا گیا ہے جو 73 لاکھ سے زائد

میں آتی ہے۔ممکن ہے بقایا اثاثے مدرسوں کے نام کر دیئے ہوں۔کیا مولانا صاحب لینڈ کروزر میں ہی سوتے ہیں۔ہمارے چوہدری نثار علی خان صاحب صرف 89 لاکھ کے اثاثوں کے مالک ہیں جس میں فیض آباد کا رہائشی مکان، چکری میں فارم ہاؤس (ان کے آبائی علاقے)، دھمیال میں اپارٹمنٹ، سینکڑوں کنال مختلف شہروں میں زرعی اراضی اس کے علاوہ لاہور میں قیمتی پلاٹ، قیمتی گاڑیاں۔اللہ اللہ اس زمانے میں صرف 89 لاکھ کی مالیت؟ اس پر 24 لاکھ کا قرضہ بھی چڑھا ہوا ہے۔صرف ان 2 حضرات کا پڑھ کر میں نے اپنے چند دوستوں کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا جو بڑی بڑی صنعتوں کے مالک ہیں۔زرعی زمینیں، پلاٹس، اپارٹمنٹس بھی ان کے پاس ہیں۔ہم نے مل کر سوچا ہمارے 2 قومی اسمبلی کے اراکین کی ملکیت اور دیگر حضرات کی ایسی ستم رسیدہ رقومات دیکھ کر کیوں نہ ہم ایک قومی ٹرسٹ قائم کریں اور قوم سے رقم جمع کریں اور 100 فیصد فوری منافع کا اشتہار چھپوا کر ان تمام حضرات کی جائیدادیں تین گنا کر کے اپنے پاس رکھ لیں اور ڈمی شاہ کا ریکارڈ توڑ کر ان تمام ممبران اسمبلی کو ادا کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔اس کے بعد میرے دوستوں نے بولی لگانی شروع کر دی جب یہ بولی 9 گنا تک پہنچی تو میں نے کہا اس طرح خود ہمارے ٹرسٹ کے پاس 10 گنا رقم ان کے اثاثوں کو فروخت کر کے حاصل ہو جائے گی جس سے ہم کھربوں روپے سے رفاہی کام کر سکیں گے جس سے آج تک ہمارے عوام محروم ہیں۔ایک صنعت کار دوست جو ہمارے نزدیک بہت ہی ہوشیار تھا کہنے لگا او بھائی تم ان سیاستدانوں کے پھڈے میں مت پڑو۔تم کو آج سے 20 پچیس سال پہلے کا بینکر یونس حبیب کا حشر یاد نہیں جو آج تک جو بھی حکومت آتی ہے کہتا ہے کہ میں نے اس حکومت کو کچھ نہیں دیا تھا قوم پر اس ڈکلیریشن، اثاثوں کا حساب کتاب چھوڑ دو وہ خود اس کو پڑھ کر ہنسے گی۔شاید اس کو ہوش آجائے اور وہ آئندہ اپنے حقیقی نمائندوں کو چن کر اپنا مستقبل بچا لے۔بظاہر تو سیاست دان اپنا مستقبل ہی بنانے کیلئے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا

رُخ کرتے ہیں اور آنے والے جانے والوں کیلئے ہی راستہ چھوڑ جاتے ہیں تا کہ یہ کرپشن کا کاروبار چلتا رہے۔ بھلا سوچئے ہمارے 40 فیصد اراکین اسمبلی کے پاس این ٹی این تک نہیں ہے۔ وہ بے چارے خود غربت سے نیچے درجے پر زندگی گزار رہے ہیں۔ قوم کی غربت کیسے دور کریں گے؟ بقایا قوم کے دیگر رہنماؤں کے اثاثوں کے بارے میں کیا تبصرہ کروں۔ بقول چوہدری شجاعت صاحب کے "مٹی پاؤ"۔ ابھی تو صرف چند معروف سیاستدانوں کے اثاثوں کی تفصیلات ویب سائٹ پر آئی ہیں۔ جب مکمل ہوں گی تو شاید نیب جاگ جائے۔

ہماری تعلیمی سرگرمیاں دم توڑ رہی ہیں

اٹلی کے ایک سینٹر نے گذشتہ ماہ لائبریریوں سے چوری کی گئی ہزاروں قیمتی اور نایاب کتابوں کا قومی ذخیرہ لائبریریوں کو واپس لوٹا دیا جو موصوف نے ماضی میں مختلف لائبریریوں سے چوری کیا تھا جس میں ان لائبریریوں کے افراد بھی ملوث تھے اور ان کی مدد سے وہ کتابیں چھپا کر گذشتہ 3 دہائیوں سے غائب کر دیتے تھے اور اپنی ذاتی لائبریری کی زینت بنا دیتے تھے۔ موصوف نے کتابیں واپس کرنے کی وجہ یہ بھی بتائی کہ جب بھی وہ کتابیں چُرا کر گھر لاتے تھے تو ان کی بیوی کو جب علم ہوتا تو وہ بہت بُرا بھلا کہتی تھیں جس کو وہ نظر انداز کر کے کتابیں پڑھنے بیٹھ جاتے تھے۔ کیونکہ سیاست کے ساتھ ساتھ ان کو کتابیں پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا اور ساتھ ساتھ اپنی لائبریری کو بھی سجانے کا شوق تھا۔ کیونکہ وہ سینٹر کے عہدے پر بہت عرصہ سے فائز تھے اس وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا مگر جب موصوف کی اہلیہ نے آخری وارننگ دی کہ اگر انہوں نے تمام چوری شدہ کتابیں واپس نہیں لوٹائیں تو وہ پولیس کو مطلع کر دیں گی۔ یہ دھمکی کارگر گزری اور انہوں نے تمام کتابیں اکٹھی کر کے واپس ان کے مالکان تک پہنچا دیں۔ اور اس پر اپنی مکمل شرمندگی کا بھی اظہار کر کے معافی طلب کی۔ اب پولیس اور لائبریری مالکان پر انحصار ہے وہ ان کے خلاف کیا کاروائی عمل میں لاتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی ان کی انکساری ہے۔ انہوں نے از خود واپس کرنے کا فیصلہ کیا اور اس پر عمل بھی کر دکھایا۔ تمام ترقی یافتہ غیر مسلم ممالک خصوصاً برطانیہ، یورپ، امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا جہاں دنیا بھر سے زیادہ تعلیمی ادارے ہیں وہاں ہر چھوٹی چھوٹی کاؤنٹیز میں پبلک لائبریریاں کثرت سے پائی جاتیں ہیں۔ اس کی پہلی وجہ وہاں تعلیم لازم ہے اور مفت ہے۔ سیکنڈری سے اوپر البتہ آپشنل ہے کالج اور یونیورسٹیز میں تعلیم مہنگی بھی ہے اور مکمل تجارتی بیا رے پر نجی تعلیمی ادارے بھی حکومت کی معاونت سے تعلیم پھیلا رہے ہیں۔ ہر حکومت زیادہ سے زیادہ بجٹ کا حصہ تین حصوں میں تقسیم

کرتے ہیں۔اول تعلیمی درسگاہیں دوئم صحت سوئم سوشل سیکورٹی بے روزگاری الاؤنس پر مشتمل ہوتا ہے جس سے اس کے عوام ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ہمارے ملک میں یہ تینوں عوامی ضرورتوں کو بجٹ کا معمولی حصہ دے کر قوم کو تعلیم سے دور صحت اور بیماری سے لاتعلقی اور بے روزگاری کے نام کا کوئی شعبہ تو آج تک نہیں وجود میں نہیں آسکا جبکہ اسلام میں سب سے پہلے ہی ہمارے پیغمبر محمد ﷺ پر اُتری وہ آیت تھی "اقراء" یعنی "پڑھیں" جبکہ ہم تعلیم سے اتنے دور ہیں جب مشرقی پاکستان کی آبادی 8 کروڑ تھی اس وقت 20 فیصد پڑھے لکھے لوگ تھے یعنی 6 کروڑ عوام غیر تعلیم یافتہ تھے آج 20 کروڑ کی آبادی ہے صرف 35 فیصد کہا جاتا ہے کہ پڑھے لکھے ہیں۔گویا 65 فیصد یعنی 13 کروڑ غیر پڑھے لکھے لوگ پاکستان میں موجود ہیں یہ قوم کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام میں غریبوں کیلئے بیت المال کا قیام عمل میں لایا گیا جہاں بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا ۔جواب برطانیہ میں رائج ہے مگر ہمارے پاکستان میں پیدا ہونے والے بچے سے لے کر قبر تک جانے تک تمام راستے بے شمار ٹیکسوں جی ایس ٹی، سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس، سرچارجز، صوبائی ٹیکس اور بے شمار بغیر نظر آنے والے خفیہ ٹیکسوں سے بھرے پڑے ہیں۔حتیٰ کہ بجلی کے بلوں کے ساتھ ٹی وی ٹیکس بھی نافذ ہے۔جبکہ بجلی کا ادارہ نجکاری کر کے فروخت کر دیا گیا ہے جو وہ آج بھی عوام سے سرکاری ٹی وی ٹیکس وصول کر رہا ہے۔دوسری طرف حکومت سے بھی سبسڈی لے رہا ہے۔صرف نام کی نجکاری کر کے قومی ادارے کو آپس میں مک مُکا کر کے جان چھڑوالی گئی۔جس کے بانی ماضی کے امریکن امپورٹڈ وزیراعظم شوکت عزیز صاحب کی ذہنی اختراع تھی اگر ان اداروں کی نجکاری کر دی گئی تو حکومت کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔بوجھ تو کیا ہلکا ہوتا تمام قومی ادارے معمولی قیمت پر فروخت کر کے اپنی ذاتی جیبوں کو بھر کر وہ واپس امریکہ چلے گئے۔موجودہ حکومت آج تک کچھ نہیں کر سکی بلکہ وہ ان میں سے بچے کھچے قومی اداروں کو قطار میں لگا کر فروخت کرنے میں مصروف ہیں۔کہنے کو صرف

26 فیصد کا نام ہوگا مگر 100 فیصد مینجمنٹ کے فرہبی فارمولے کی آڑ میں سب کچھ حوالے کر دیا جائے گا۔گویا ماضی کی تسلسل ہوگی۔کیونکہ ان نجکاری کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ماضی کے چیف جسٹس صاحب اب ریٹائر ہو چکے ہیں اور موجودہ چیف جسٹس صاحب نے ابھی ایسی کسی کاروائی میں مداخلت نہیں کی۔ہاں اوپر ذکر ہو رہا تھا تعلیم اور لائبریریوں کا سلسلہ ہر جگہ پایا جاتا ہے۔کینیڈا تو اس میں سب سے بہت آگے ہے جبکہ جگہ جگہ لائبریریاں قائم کر کے عوام کو مفت کتابیں فراہم کی جاتیں ہیں۔صرف ممبر سازی کر کے کتابیں، ڈسک، کیسٹ وغیرہ کی سی ڈیز دے دی جاتی ہیں آپ جہاں چاہیں واپس کسی بھی برانچ میں لوٹا سکتے ہیں۔اگر آپ ایک ہفتے سے زائد کتابیں واپس نہ کریں تو آپ کو چند ڈالر اضافی ادا کرنے پڑتے ہیں۔عوام سکون سے گھنٹے وہاں گزار کر بھی کتابیں پڑھتے ہیں۔اخبارات، رسالے، طرح طرح کے ڈائجسٹ سب مل جاتے ہیں۔شخصی کتابیں بھی دستیاب ہوتی ہیں اگر کوئی کتاب نہ ملے تو وہ خرید کر لائبریری کی زینت بڑھاتے ہیں اور وہ بھی مفت مہیا کی جاتی ہے مگر افسوس صد افسوس ہمارے ملک میں جو لائبریریاں ماضی میں تھیں وہ بھی آہستہ آہستہ ختم کر دی گئیں۔آرٹس کونسل کراچی میں ماضی کی انتظامیہ کتب میلہ ہفتہ واری لگاتی تھی گذشتہ 7 سال سے موجودہ انتظامیہ اپنے ممبران سے 300 روپے ہر سال وصول کرتی ہے مگر کوئی مفت ثقافتی سرگرمی بشمول کتب بازار منعقد نہیں کرتی۔جس سے عوام اور ممبران دونوں فائدہ اُٹھاتے تھے۔البتہ کبھی سال بھر میں نجی ادارے ایک آدھ کتب نمائش کے ذریعے کتابیں فروخت کرتے ہیں ۔ہماری نیشنل بک فاؤنڈیشن جس کا کروڑوں کا بجٹ ہے کتاب اور قلم کی خدمت سے معذور ہے۔ بہت پہلے تقریباً 5 سال قبل تک اس کے ممبر سال بھر میں 3000 روپے تک کی کتابیں 50 فیصد ڈسکاؤنٹ پر خرید سکتے تھے اب وہ بھی ختم کر دیا گیا ہے۔جو ریڈرز کلب کے ممبران کو سہولیات میسر تھیں ختم کر دی گئی ہیں اور نئی ممبر شپ بھی بند ہے۔ایک طرف ہماری قوم تعلیم سے غفلت برت رہی

ہے۔مہنگائی اور مہنگی کتابیں اس کی سب سے بڑی وجہ بن چکی ہیں۔کم از کم موجودہ حکومت جو ماضی میں چوہدری برادران کا مقبول نعرہ ''پڑھا لکھا پنجاب'' کے بجائے ''پڑھا لکھا پاکستان'' کا نعرہ لگا کر تعلیم سب کے لیے شروع کرا دے تو ہماری قوم جہالت کے اندھیروں سے اجالے کی طرف نکل سکتی ہے۔جس طرح ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں ہمارے 35فیصد کے مقابلے میں 95فیصد تک پہنچ چکی ہے۔ہماری درسگاہیں سیاسی اُکھاڑوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ان پر طرح طرح کے رنگ برنگے جھنڈے لگے ہوتے ہیں صرف پاکستان کا جھنڈا اس میں نہیں ہوتا۔تعلیم کے بجائے منشیات اور اسلحے کے ڈپوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ہمارے طالب علموں کے مستقبل خطرے میں ڈال کر صرف سیاسی مفادات حاصل کئے جا رہے ہیں۔کل کے معمار کتابوں کے بجائے اسلحہ اُٹھانے کی زیادہ ٹریننگ لے کر نکل رہے ہیں۔پاکستان کا مستقبل تو تاریک ہوگا خود ان کا اپنا مستقبل کیسے تاریک نہیں ہوگا۔آج ہمارے ملک میں خود پاکستانی واپس نہیں آ رہے کل ہمارے پاکستانی دہشت گردی کا لیبل سجا کر کیسے باہر جا سکتے ہیں؟ سوچا کسی نے اس طرف۔

نئے صوبوں کا مطالبہ

جب سے پاکستان بنا ہے ہر 10پندرہ سال کے بعد صوبوں میں اضافے کا مطالبہ ہوتا رہا،مگر ہر دور کے حکمران اس معاملے کو دباتے رہے اور اس کو گالی سمجھتے رہے۔سب سے پہلے کراچی سے دارالخلافہ اسلام آباد منتقل کیا تو کراچی صوبے کا مطالبہ مرزا جواد بیگ،نواب مظفر حسین اور ایم ایم بشیر نے کیا۔ان کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔بھٹو صاحب کے دور میں جب سندھ کی آفیشل (سرکاری) زبان سندھی قرار پائی تو مہاجروں یعنی اردو بولنے والوں کو احساس محرومی ہوئی۔اگر کراچی الگ صوبہ ہوتا تو کراچی کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان سرکاری ہوتی تو وہ اردو ہوتی۔بیشک سندھ کے دیگر شہروں کی زبان سندھی ہو سکتی تھی جبکہ بلوچستان میں بلوچی اکثریت اور سرحد میں پختون اکثریت نے اردو ہی کو صوبائی،سرکاری زبان قرار دیا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں صوبوں کی تعداد کیوں بڑھائی جاتی ہے،اس کی وجہ سے عوام کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایسا ضروری ہوتا ہے۔کیونکہ ہر 50 میل کے بعد زبان اور ثقافت بدل جاتی ہے۔مقامی لوگوں کی مشکلات صرف مقامی لوگ ہی سمجھتے ہیں۔مرکز صرف چند اہم قومی شعبے اپنے پاس رکھ کر بقایا شعبے صوبوں کے حوالے کر دیتا ہے۔دنیا کے لگ بھگ 220 ممالک میں ضرورت کے مطابق ہر ملک میں صوبوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے اس سے مرکز کمزور نہیں بلکہ مضبوط ہوتا ہے۔کہیں اس صوبے کا نام ریاست یا کانٹیز بھی ہوتا ہے،ملک کا صرف ایک جھنڈا ہوتا ہے،بقایا صوبوں اور ریاستوں کے جھنڈے الگ ہوتے ہیں۔ان کے قوانین بھی الگ ہوتے ہیں،ہمارے ملک میں تمام شعبے مرکز کے قبضے میں ہیں۔مرکز کو ہمیشہ پاکستان ٹوٹنے کا ڈر لگا رہتا ہے جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔اگر مرکز چند ضروری شعبے جس میں کرنسی،دفاع،امور خارجہ اور جو مناسب سمجھے اپنے پاس رکھ کر دیگر صوبوں کی تعداد بڑھا کر حوالے کر دے تو بقاء کے چانس زیادہ ہیں۔صوبوں کو آپ

جتنی آزادی دیں گے وہ اتنے ہی پاکستان کے وفادار رہیں گے۔

صوبوں کے اضافے کی سب سے اہم مثال ہمارا پڑوسی ملک بھارت ہے، وہ ہم سے ایک دن بعد آزاد ہوا۔ اس وقت اس کے صرف 12 صوبے تھے، آج 28 صوبے اور 7 یونین ٹیریٹریز بن چکی ہیں اور ہر سال وہ صوبوں کی تعداد بڑھا رہے ہیں۔ اگر اس کو نزدیک سے دیکھیں تو ان کی 35 ریاستیں بن چکی ہیں۔ سب سے بڑی ریاست جس کا نام یوپی ہے اس کی آبادی اور رقبہ پورے پاکستان سے زیادہ ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 17 کروڑ اور رقبہ 2 لاکھ 40 ہزار مربع کلومیٹر ہے اور سب سے چھوٹا صوبہ سکم ہے جس کی آبادی صرف 5 لاکھ 40 ہزار ہے اور رقبہ 7 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اس سے بھی چھوٹا صوبہ جس کا نام یونین (UT-17) کہلاتی ہے وہ تقریباً 61 ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ وہ صرف 35 مربع کلومیٹر رقبہ پر مشتمل ہے۔ بھارت ہم سے زیادہ مضبوط جمہوری ملک ہے اس نے 12 سے 35 صوبے کیوں کیئے؟

اب میں ایک ہم سے بھی بہت چھوٹے ملک تھائی لینڈ کی مثال دیتا ہوں جس کی کل آبادی 62 ملین ہے۔ اس کے 76 صوبے اور 877 ڈسٹرکٹ ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائی ملک ترکی کی آبادی صرف 71 ملین ہے اس کے 81 صوبے ہیں۔ سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا جس کی آبادی 222 ملین ہے، اس کے 33 صوبے ہیں۔ یورپ کا ملک سوئٹزرلینڈ جس کی آبادی صرف 7 ملین ہے، اس کی 23 ریاستیں (Kantone) ہیں۔ اس کی سب سے بڑی ریاست زیورچ کی آبادی 11 لاکھ اور سب سے چھوٹی ریاست Obwalden کی آبادی صرف 31 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ صرف ہماری کراچی کی آبادی میں 2 ملک سوئٹزرلینڈ بن سکتے ہیں۔ یہ ملک عقل، دولت، تجارت، صاف ستھری شہرت، صفائی اور حسین ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ کیا ہمیں یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ جتنی ریاستیں (صوبے) زیادہ ہونگے، ملک اسی حساب سے ترقی

کرے گا۔ افغانستان جس کی آبادی 32 ملین ہے، اس کے بھی 34 صوبے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑے رقبے والا ملک کینیڈا جس کے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے کے لئے 8 گھنٹے لگتے ہیں، اس کے بھی 13 صوبے ہیں۔ آبادی صرف 33 ملین ہے۔ سب سے بڑے صوبے Ontario کی آبادی 12 ملین ہے اور سب سے چھوٹے صوبے Nunavut کی آبادی صرف 31 ہزار ہے۔ امریکہ 26 کروڑ انسانوں کے ملک میں 51 ریاستیں ہیں، جاپان کی آبادی 12 کروڑ سے زیادہ ہے اور اس کے بھی 12 صوبے ہیں۔ برطانیہ کی آبادی 5 کروڑ ہے، اس کی 90 کاؤنٹیز ہیں۔ سب سے چھوٹی کاؤنٹی شمالی امبرلینڈ جس کی آبادی صرف 62 ہزار ہے، سب سے بڑی کاؤنٹی پورٹ اسمتھ کی آبادی 50 لاکھ ہے۔ میں کتنی مثالیں پیش کروں، میں نے پوری دنیا کو انٹرنیٹ میں سمو کر دیکھ لیا۔ 16 کروڑ کی آبادی والے ملک پاکستان میں صرف 4 صوبے اور ایک دارالخلافہ اسلام آباد مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ ہم واحد ملک ہیں جس کے 5 صوبے تھے۔

1971ء میں ایک صوبہ مشرقی پاکستان نامی ہم گنوا چکے ہیں کیونکہ ہم مرکز کی حکمرانی کے قائل تھے مگر عوام کی تکالیف کو حل کرنے کے بجائے اس کو الٹوا میں ڈالنے میں ماہر ہو چکے ہیں۔ آج بلوچستان مجموعی طور پر کیا سوچ رہا ہے۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان کے لیڈر، سیاستدان اسی سوچ میں مبتلا تھے۔ ہم نے ان کی بات وقت پر نہیں سنی بعد میں ہم ہر بات ماننے پر جب تیار ہوئے تو وقت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ آج سندھ میں بھی کچھ ایسی آوازیں آنی شروع ہو چکی ہیں، صرف سرائیکی صوبے سے آپ غالباً اس ملک کے دیگر صوبوں کے سیاستدانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ یہ تو صرف ایک شوشہ چھوڑا گیا کیونکہ 1971ء میں صرف ہمارا ایک ہی قومی چینل تھا جو ہر طرف امن کی بات کرتا تھا، سب ٹھیک ہے کی صدا سناتا تھا مگر آج تو 70 سے زیادہ چینلز آ چکے ہیں۔ بھارت، اسرائیل، امریکہ سب مل کر اربوں ڈالر خرچ کر کے عوام کو بھڑکا رہے ہیں۔ ہم کیسے

اس بحران سے نکل سکتے ہیں۔ جناب صدر اور وزیر اعظم صاحب سے درخواست ہے کہ اس مسئلے کا حل سب سیاستدان مل کر نکالیں، اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کریں۔ صوبوں میں اضافہ وقت کی اہم ضرورت پہلے بھی تھی، آج اس سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔ ہم 68 سال کے بعد دوبارہ پھر بندگلی کی طرف جا رہے ہیں۔ آیئے اور صرف ایک نقطے پر سوچیں، ہمارے اتنے بڑے ملک پاکستان میں جس کی آبادی 18 کروڑ ہے۔ گلگت کے علاوہ اس کے صرف 4 صوبے کیوں ہیں؟ اور پوری دنیا کیوں صوبوں کی تعداد بڑھاتی رہتی ہے۔ کل بھی ہم اس کو گالی سمجھتے تھے اور آج بھی اپنے مؤقف پر قائم ہیں۔ کیا ہم دوبارہ غلطی نہیں دوہرا رہے ہیں سوچنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ پاکستان کی بقاء اور یکجہتی کا معاملہ ہے اور ہمارے پاس غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آج کراچی شہری صوبہ، ہزارہ صوبہ اور سرائیکی صوبے کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے کو باہمی وافہام وتفہیم کے ذریعے حل کر لیا جائے۔ اس معاملے میں تاخیر احساس محرومی کو مزید توانا کر دے گی۔ ہم ان 12 یونٹوں کو فی الفور بحال کر سکتے ہیں جنہیں ماضی میں ملا کر 1 یونٹ قائم کیا گیا تھا اور ایک دا رلخلافہ اسلام آباد ملا کر کل 13 صوبے بنا کر پاکستان کو مضبوط کر سکتے ہیں۔

﴿ لنگڑے اور اندھے کی کہانی ﴾

بچپن میں اپنے بزرگوں سے ایک لنگڑے اور اندھے کی کہانی سنی تھی ممکن ہے آپ نے بھی یہ کہانی سن رکھی ہو مگر 2011ء میں اس کہانی نے حقیقت کا روپ دھار کر ماضی کی یاد تازہ کر دی۔ کہانی کچھ یوں تھی۔ ایک اندھا اور ایک لنگڑا ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے۔ لنگڑا چل نہیں سکتا تھا اور اندھا دیکھ نہیں سکتا تھا۔ دونوں کو برابر والے گاؤں میں اپنے اپنے رشتہ داروں سے ملنے جانا تھا۔ لنگڑا اندھے کے پاس آیا اور کہا ہم دونوں کو برابر والے گاؤں میں جانا ہے میں چل نہیں سکتا اور تم دیکھ نہیں سکتے بہتر یہی ہے کہ میں تمہارے کندھوں پر بیٹھ کر راستہ دکھاؤں گا اور ہم دونوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور ہم برابر والے گاؤں گھوم کر آجائیں گے اور ایسا ہی ہوا ہو گا مگر آج سیاست میں ایک ایسا ہی واقعہ رونما ہوا جس نے پورے اہل پاکستان کو چونکا دیا۔ سیاستدانوں، تجزیہ نگاروں، ناقدوں حتیٰ کہ ہماری بیوروکریسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ ایسا کیسے ہوا؟ البتہ میڈیا نے بہت پہلے ہی اس تک بندی کے تار جوڑنے شروع کر دیے تھے جب مسلم لیگ ق کے مونس الٰہی کو FIA نے گرفتار کیا اور عدالت میں پیش کر کے ان پر مقدمہ چلانا شروع کر دیا ہے۔ کل تک کی ق لیگ جس کو محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد ''قاتل'' لیگ کا ہمارے صدر جناب آصف زرداری نے نام رکھا تو کسی کو تعجب نہیں ہوا۔ اس کی وجہ بھی مرحومہ کی وصیت تھی کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو اس کی ذمہ داری اُس وقت کے وزیر اعلیٰ پرویز الٰہی پر ہو گی اور ایسا ہی ہوا ان کے دور میں محترمہ کو راولپنڈی میں جلسہ گاہ سے باہر نکلتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا جب وہ اپنی بکتر بند گاڑی سے باہر کھڑے عوام کو واپس جاتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر جلسہ کی کامیابی کی مبارک باد دے رہی تھیں۔ پھر ہمارے صدر نے سیاست میں سب کچھ ہو سکتا ہے کی مثال قائم کرتے ہوئے اس ''قاتل ''لیگ کو اپنے لیے ''قاتل'' لیگ سمجھ کر سیاسی معاہدہ کر ڈالا۔ اس کی وجہ بھی وہ اوپر والی اندھے اور لنگڑے کی کہانی بتائی جاتی ہے۔ پی پی پی چونکہ ایم کیو ایم اور مولانا فضل الرحمٰن کی علیحدگی کی وجہ سے

آنے والے بجٹ میں اکثریت کھو بیٹھے گی اس لیے اس کوئی سیاسی پارٹیوں کی ضرورت تھی۔ چونکہ مسلم لیگ نواز پہلے ہی شامل ہو کر پچھتا چکی تھی۔ اس نے اس نئے موڑ میں بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اب صرف اور صرف ق لیگ ہی رہ گئی تھی جس کے ممبران بہت عرصہ سے بے روزگار پھر رہے تھے کہ مونس الٰہی کا واقعہ ہو گیا لہٰذا دونوں اپنی اپنی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے کے کندھوں کو استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ق لیگ کو مونس الٰہی مل جائیں گے تو دوسری طرف پی پی پی کا بجٹ پاس ہو جائے گا۔ ساتھ ساتھ ایم کیو ایم کی خوشامد بھی نہیں کرنی پڑے گی۔ فضل الرحمٰن بھی مان کر دوبارہ شریکِ اقتدار ہو جائیں گے۔ آخری خبریں آنے تک یعنی کالم لکھنے تک ایم کیو ایم نے تو واپسی کا اعلان کر کے 3 وزراء ایک وزیر مملکت پر اکتفا کر لیا ہے البتہ ابھی تک مولانا فضل الرحمٰن کی طرف سے کوئی اعلان سامنے نہیں آیا۔ اس کی وجہ مولانا صاحب جو کشمیر کمیٹی کے چیئرمین ہیں یورپی یونین میں پاکستان کی نمائندگی کیلئے ملک سے باہر ہیں۔ جب واپس آئیں گے تب پتہ چلے گا کہ اب وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ ویسے یہ حقیقت ہے اس تین سالہ دور میں صدر آصف علی زرداری صاحب نے ایسے ایسے سیاسی فیصلے کیے جو محترمہ بے نظیر صاحبہ اپنے دونوں ادوار میں بھی نہیں کر سکتی تھیں اور بقول مسلم لیگ ن کے ناراض سینئر ترین رہنما جناب جاوید ہاشمی صاحب نے فرمایا زرداری صاحب کو سمجھنے کیلئے سیاست میں پی ایچ ڈی کرنی پڑے گی تب شاید کوئی ان کی سیاست سمجھ سکے فی الحال تو زرداری صاحب نے مسلم لیگ ق کو اپنا سیاسی پارٹنر بنا کر گیلانی حکومت بچالی ہے اور مسلم لیگ ن ایک بار پھر کومہ میں چلی گئی ہے۔ اس کا نئے الیکشن میں کلین سوئپ کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس کی وجہ بھی پی پی پی اور مسلم لیگ ق کی آنے والے الیکشن پر پہلے ہی مفاہمت ہو چکی ہے جس کی روح سے مسلم لیگ ق پی پی پی کے سامنے اپنے امیدوار نہیں کھڑی کرے گی۔ اور پی پی پی مسلم لیگ ق جہاں جہاں بھی دوسری پوزیشن پر آنے والے امیدوار کے سامنے اپنے امیدوار نہیں کھڑے کریں گے۔ رہا مسئلہ فیصل صالح

حیات کا انہوں نے بھی صدر صاحب سے اپنی سیٹ بیگم عابدہ حسین کو ٹکٹ نہ دینے کی بات منوا کر پکی کر لی ہے۔ اگر یہ معاہدہ اپنی اصلی صورت میں الیکشن تک قائم و دائم رہا تو عوام اس لنگڑے اور اندھے کی شادی میں شریک ہو کر ڈھول بجائیں گے اور مل کر بھنگڑا ڈالیں گے۔ کتنے جیالے اس ملاپ پر تڑپیں گے اور پارٹی چھوڑیں گے۔ فی الحال تو کراچی سے تعلق رکھنے والے جناب رضا ربانی صاحب نے اپنی وزارت سے استعفیٰ دے کر پہل کر دی ہے اور شاہ محمود قریشی تو پہلے ہی اپنے علاقوں میں جلسے کر کے دادیں وصول کر رہے ہیں۔ الیکشن تک یہ بھی فیصلہ ہو جائے گا۔ ماضی میں پرویز مشرف نے پی پی پی کے بہت سے طاقتور امیدواروں کو پی پی پی سے علیحدہ کروا کر ق لیگ بنا کر مسلم لیگ ق کو مسلم لیگ ن کے سامنے لا کھڑا کیا اور 8 سال تک اقتدار کے مزے لوٹے۔ وہ الگ بات ہے کہ مسلم لیگ کی روایت کے مطابق ان کے معزول ہوتے ہیں مسلم لیگ ق نے ایک دم ان سے ایسے ہی آنکھیں پھیر لیں جیسے انہوں نے مسلم لیگ نواز کی حکومت ختم ہوتے ہی مسلم لیگ نواز سے آنکھیں پھیر کر پرویز مشرف کی گود میں پناہ لی تھی اور اقتدار کے مزے بھی لوٹے تھے۔ امید ہے کہ مسلم لیگ ق اپنی روایت کو برقرار رکھنے کیلئے اگر پی پی پی کی حکومت کو کچھ ہوا تو وہ پھر وہی کر گزرے گی کیونکہ وہ ایسی مچھلی ہے جو پانی سے باہر زندہ نہیں رہ سکتی اس کو سمندر میں رہتے ہوئے کسی سے مخالفت نہیں کرنی۔ پوری قوم حیران ہے ایک طرف پاکستانی حدود میں اُسامہ بن لادن کو قتل کر کے لاش سمندر برد ہو رہی تھی تو دوسری طرف اقتدار کا مینہ بازارِ ایوانِ صدر میں سج رہا تھا۔

﴿ دوسیاستدان ایک مستقبل ﴾

آج کل میڈیا عمران خان کو بہت پروموٹ کر رہا ہے اور خود عمران خان نے جب سے ایک سال قبل دھرنے دیئے تھے خود کو آنے والے وقت کا وزیر اعظم سمجھ رہے ہیں۔ کبھی کبھی تو وہ مثال بھی دیتے ہیں کہ اگر وہ وزیر اعظم ہوتے تو ایسا کرتے ویسا کرتے ایک ہاتھ سے وہ صدر زرداری کو للکارتے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے وہ نواز شریف کی خبر لیتے۔ ایس چٹ پٹی خبروں کو میڈیا والے خوب مزے لے کر اچھالتے ہیں تو عمران خان اور اُن کی پارٹی کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی اگر وہ وزیر اعظم بن گئے تو وہ دونوں پہلوانوں کو ایک ہی وار میں چت کر لیں گے۔ حالانکہ حالیہ ضمنی انتخابات میں مسلم لیگ (ن) کے ایک امیدوار جن کا لقب کھگا تھا جو اپنے والد کی جعلی ڈگری کی وجہ سے نشست کھو بیٹھے تھے ان نشست پر مسلم لیگ (ق) جس کو پی پی پی کی بھی پوری حمایت حاصل تھی ہرا کر دگنے ووٹوں سے کامیاب ہوئے اور تیسرے امیدوار جن کا تعلق تحریکِ انصاف یعنی عمران خان کی پارٹی سے تھا نہ صرف ہار گئے بلکہ اپنی ضمانت بھی ضبط کروا بیٹھے پتہ نہیں عمران خان نے اس سے سبق حاصل کیا یا وہ ابھی تک اقتدار کے سہانے سپنے دیکھ رہے ہیں۔ اب جبکہ ہمارے سندھ کے روحانی پیشوا پیر پگارہ صاحب نے 22 نومبر 2011ء تک سیاسی بساط کے الٹ جانے کی پیشگوئی کی ہے یار لوگ عمران خان کے پلڑے میں اقتدار ڈالنے سے تشبیہہ دے رہے ہیں اور بنگلہ دیش کی طرز انقلاب کی بھی پیشگوئی گذشتہ 2 سال سے ہم سب سن سن کر حیران ہو رہے ہیں کہ ہر 6 ماہ بعد اس قسم کی ریڈی میڈ افواہ پھیلا کر حکمرانوں کو خبردار کر دیا جاتا ہے جس سے حکمران پارٹیوں میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل رک جاتا ہے البتہ مسلم لیگ (ن) والے حسرت سے ان کی آنیاں اور جانیاں دیکھ کر مزید مایوس ہو جاتے ہیں ایسے میں مسلم لیگ (ق) والے حکمران ٹرین میں سوار ہو کر اقتدار کے مزے لوٹ رہے ہیں تو جے یو آئی والے اقتدار کی چلتی ٹرین سے اتر کر پچھتا رہے ہیں۔

راقم نے ماضی میں 10 سال اصغر خان کی تحریک استقلال میں 1977ء سے 1986ء تک کئی اعلیٰ عہدوں پر گزارا ہے اور اصغر خان صاحب کی سیاست کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے۔ مجھے اصغر خان اور عمران خان کی سیاست میں بہت مماثلت نظر آتی ہے بہت سے ان دونوں حضرات کے فیصلے ایک ہی جیسے ہیں، مثلاً جب جنرل ضیاء الحق نے پی پی پی کا تختہ الٹا تو اصغر خان نے ضیاء الحق کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بھٹو صاحب کو مارشل لاء کا مورد الزام ٹھہرایا اور پھر بعد میں انہی اصغر خان نے اس وقت کے قومی اتحاد سے سب سے پہلے علیحدگی اختیار کر کے ضیاء الحق کے خلاف سیاست شروع کر دی۔ عمران خان نے ایسا ہی کچھ کیا جب پرویز مشرف نے مسلم لیگ (ن) کے نواز شریف کا تختہ الٹا تو سب سے پہلے پرویز مشرف کی تعریفیں کرنے والوں میں عمران خان سب سے آگے تھے وہ بھی پرویز مشرف کے وزیر اعظم کے امیدوار تھے مگر جب پرویز مشرف نے ان کو لفٹ نہیں دی تو عمران خان پرویز مشرف کے خلاف ان کی پالیسیوں پر زبردست تنقید شروع کر دی اور ہر ایک ان کی نظر کرپٹ تھا وہ بھی اصغر خان کی طرح صرف ایک مرتبہ قومی اسمبلی کی نشست سے کامیاب ہوئے اور پھر کبھی یا تو انہوں نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا یا پھر وہ ناکام ہوئے۔ یہ دونوں حضرات عوام میں کرپشن کے خلاف تقاریر کرنے میں شہرت رکھتے ہیں عوام ان کی باتوں سے متاثر ہوتے ہیں مگر ووٹ جا کر انہی پرانے کھلاڑیوں کو دیتے ہیں جن کی پشت پناہی جاگیرداروں، وڈیروں اور چوہدریوں کی ہوتی ہے۔ آج کل عمران خان نے سب سے پنگا لے رکھا ہے ہر صوبے کی بڑی جماعت کو وہ برا بھلا اور کرپٹ گردانتے ہیں، پرویز مشرف جو آج کل خود ساختہ جلاوطنی گزار رہے ہیں ان کو بھی عمران خان کرپٹ سمجھتے ہیں۔ امریکہ کو تو وہ اصغر خان کی طرح ازلی دشمن ہیں، حالانکہ دونوں کو معلوم تھا کہ بغیر امریکہ کے آشیر باد کے یہاں ایک وزیر خارجہ بھی نہیں لگ سکتا یہی وجہ ہے کہ نواز شریف صاحب بھی امریکہ کی مخالفت کی وجہ سے 8 سال اقتدار کھونے کے علاوہ جلاوطنی بھگت چکے ہیں۔ اگر آج بھی الیکشن ہوں تو پی پی پی اور مسلم لیگ (ن)

کاہی کانٹے کا مقابلہ ہوگا اصغر خان ساری زندگی سیاست میں گزار کر اپنے سخت روایتی فیصلوں کی وجہ سے آج گزشتہ 15 سال سے گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ایسا کچھ عمران خان کی پارٹی کا بھی یہی مستقبل نظر آتا ہے۔اتنے بڑے دھرنے اور جلسوں کے بعد بھی ان کی پارٹی، رکشہ پارٹی سے نہیں بڑھ سکی اس کی وجہ ان میں کوئی سیاسی لچک نہیں پائی جاتی۔کرکٹ کی کپتانی، سیاسی کپتانی سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس میں ایک طرف عوام کی خوشنودی ہے تو دوسری طرف سیاسی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے ۔اصغر خان نے بھی اکثر فیصلے غلط کئے تو کبھی وہ اقتدار کے پاس سے گزر گئے تو کبھی اقتدار ان کے پاس سے گزر گیا۔کبھی وہ سیاسی الائنس بنانے میں جلدی کرتے تھے تو کبھی وہ الائنس سے نکلنے میں جلدی کر جاتے تھے بقول پیر پگارہ صاحب کے، ان کی پارٹی میں نہ تحریک تھی نہ استقلال بالکل اسی طرح عمران خان کی پارٹی میں نہ تحریک ہے اور نہ انصاف، کیونکہ جو لوگ بھی ان کو سیاست میں لائے تھے ان سے اختلاف کر کے وہ ایک ایک کر کے ان کی پارٹی سے نکل چکے ہیں اور جو رہ بھی گئے ہیں وہ ان میں غیر سیاسی لچک نہ ہونے کی وجہ سے غیر فعال ہیں۔اگر کوئی معجزہ ہو جائے تو وہ باہر سے لا کر اقتدار میں آسکتے ہیں ووٹوں کی گنتی سے وہ اقتدار میں نہیں آسکتے، البتہ باہر بیٹھ کر اصغر خان کی طرح میڈیا کی ضرورت وہ پوری کرتے رہیں گے آخر میڈیا کو بھی تو عوام کو کچھ گرمانے کے لئے کچھ تو مواد چاہئے۔عمران خان کو عوام ان کے رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر چندہ تو دے سکتے ہیں جس کے وہ اہل بھی سمجھے جاتے ہیں مگر ووٹ دینے میں ان کی رائے مختلف ہی ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری اشرافیہ جو نوٹ دیتی ہے وہ بدقسمتی سے الیکشن میں ووٹ نہیں ڈالتی اور جو ووٹ ڈالنے والے ہیں وہ نوٹ نہیں دیتے اور جب تک اس قوم کا مزاج تبدیل نہیں ہوگا تو ہمارے حکمران بھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔

﴿ اللہ ہی جانے کون بشر ہے؟ ﴾

1986ء میں وفاقی حکومت نے سرحد کے پسماندہ علاقے فاٹا (فیڈرل علاقہ)، اور پاٹا (پروونشل علاقہ) میں عوام کی غربت دور کرنے کے لئے تمام وفاقی ٹیکس جن میں سینٹرل ایکسائز ڈیوٹی، سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ 10 سال کے لئے موخر کر دیئے۔راقم ان دنوں کامیٹکس ایسوسی ایشن گروپ کا چیئرمین تھا۔پاکستان کامیٹکس اداروں نے پاٹا اور فاٹا کے شہر مینگورہ (سوات) میں اپنی فیکٹریاں کراچی، حیدر آباد اور سکھر سے سوات منتقل کرنے کا اجتماعی فیصلہ کیا۔اس وقت مینگورہ میں صرف چند سلک ملز ہوتی تھیں اور زیادہ تر پاکستانی سیاحوں کی کثیر تعداد گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے سوات کا رخ کرتی تھی۔جس کی وجہ سے وہاں لاتعداد ہوٹلز، ریسٹورنٹس، مقامی طور پر تیار شدہ شالیں، لکڑی کے بنے کھلونے، ڈیکوریشن پیس، مارٹل کی خوبصورت نوادرات کاروبار کا حصہ تھیں، فیکٹریاں نہیں تھیں۔ان دنوں حکومت کی طرف سے کم از کم اجرت -/1100 روپے ہوتی تھی، جب فیکٹریاں قائم ہوئی تو معلوم ہوا یہاں پر اکثریت گھریلو ملازمین کی تھیں، جنہیں مقامی لوگ رہنے کے لئے گھروں سے باہر جھگیاں، کھانے کے لئے روٹی اور کپڑے دیتے تھے، تنخواہ کا رواج نہیں تھا۔ان جگہوں میں بھی بجلی، گیس کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا۔البتہ مٹی کے تیل کے چولہے اور لالٹین ہوتی تھیں، جب فیکٹری مالکان نے تنخواہ کا بتایا تو انہیں حیرت ہوئی اور عورتیں، مرد، نوجوان، بچے سب گھروں کی ملازمتیں چھوڑ کر فیکٹریوں میں نوکری کرنے لگے جس کی وجہ سے انقلاب آگیا۔ مقامی لوگ گھر آگئے ان کے گھروں کے تقریباً تمام ملازمین کام چھوڑ گئے تو محلہ کے بڑے بوڑھوں نے میٹنگ بلائی۔اس ناگہانی آفت سے نمٹنے کے لئے فیکٹری مالکان سے گفت وشنید کی تو متفقہ فیصلہ ہوا کہ ہر ملازم 15 دن گھروں میں اور 15 دن فیکٹریوں میں کام کرے گا تاکہ دونوں فریقین مسئلہ کو حل کریں۔البتہ اب گھر والے ملازمین کو آدھی تنخواہ یعنی -/550 روپے ملے گا، کھانا اور کپڑا

نہیں ملے گا۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے لاہور، پشاور اور دیگر بڑے بڑے پنجاب کے شہروں سے بھی سوات میں فیکٹریاں منتقل ہوتی گئیں۔جس کی وجہ سے وہاں خوشحالی آتی گئی ،جھگیوں کی جگہ پختہ مکانات، چولہوں کی جگہ گیس اور بجلی کے کنکشن لگتے گئے،سڑکیں پختہ ہوتی گئیں،زمین کی قیمتیں جو پہلے صرف معمولی ہوا کرتی تھیں اب مہنگی ہوتی گئیں۔10 سال آنکھوں میں ایک جھٹکے سے کٹ گئے اب حکومت نے آہستہ آہستہ صوبائی ٹیکس لگانے شروع کر دیئے۔مرکزی ٹیکس ابھی نہیں لگے تھے،مزدوروں کے لیبر ایکٹ جن کی کم از کم اجرت بھی بڑھتے بڑھتے -/2500 روپے ہوگئی۔ مہنگائی بھی اب شہروں کی طرح مہنگی اشیا فروخت ہونے لگی۔مقامی آبادی میں اب دیگر شہروں سے ہزاروں لوگ آکر بس گئے۔پھر یکا یک ایک مذہبی تحریک غالباً 1999ء میں مولانا صوفی محمد نے شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔جس کو مالاکنڈ سے لیکر سوات کے کونے کونے تک پھیلا دیا۔پھر مینگورہ میں 3 روزہ اجتماع کیا گیا اور اعلان ہوا اور پورے سرحدی فاٹا اور پاٹا میں اسلامی قانون نافذ کروانے کے لئے عوام کو حکومت کے خلاف اکسایا گیا۔اس تحریک کا نام شریعت یا موت رکھ کر جہاد کا اعلان کر کے واحد شہر مینگورہ ایئر پورٹ پر قبضہ کر لیا گیا۔اس سے مقامی انتظامیہ ہل گئی،ایئر پورٹ کا محاصرہ ختم کرنے کے لئے نیم فوجی ادارے،فیڈرل سیکورٹی فورس،ملیشیا حرکت میں آئی اور بمشکل ایک ہفتے کی دن رات کوششوں کے بعد مینگورہ شہر کو مجاہدین سے خالی کروایا گیا۔ ایئر پورٹ سیدو شریف سے بھی محاصرہ ختم کروا کر صوفی محمد اور ان کے بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر کے مالاکنڈ میں قید کر کے تحریک ختم کر دی گئی۔6 سات سال یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا پھر 2007ء میں مولانا فضل اللہ جو مولانا صوفی محمد کے داماد ہیں وہ ایک مسجد کے معمولی پیش امام ہوتے تھے۔اس زمانے میں کہا جاتا ہے کہ ہماری آئی ایس آئی سے ان کے گہرے روابط تھے،باغی ہو کر نئے سرے سے دریائے سوات کے پاس فضا گٹ جو مینگورہ میں پرفضا علاقہ تھا،شریعت کے

نفاذ کا اعلان کر دیا گیا اور خفیہ ریڈیو اسٹیشن بھی قائم کر دیا گیا۔شروع شروع میں مقامی انتظامیہ نے کوئی توجہ نہیں دی،رات نماز عشاء کے بعد اس کی نشریات گھروں میں پہنچنا شروع ہوئیں۔ اسلامی تبلیغ سے سب سے پہلے نسوار،سگریٹ اور بلیو فلموں کے خلاف کاروائی شروع ہوئی۔تمام نشہ آور اشیاء کو ٹارگٹ کیا گیا۔مذہبی رجحان رکھنے والے افراد اور خصوصاً خواتین میں مولانا فضل اللہ کی تقاریر بہت مقبول ہوئیں۔اس بڑی مسجد میں رات کو ہزاروں لوگ بھی جمع ہو کر ان کا واعظ سنتے تھے۔خواتین اور مذہبی لوگوں نے انکے ہاتھ پر بیعت کی اور دل کھول کر چندہ دیا۔پھر ایک رات ریڈیو سے ان کے امیر شریعت کا بھی اعلان ہوا۔اب وہ جو بھی فیصلہ کرتے مقامی مساجد کے علماء اس کو حکم سمجھ کر عمل درآمد فرماتے۔ایک رات انہوں نے اعلان کیا چونکہ اسلام میں عورتوں کی گھر رہنے کی روایت ہے لہٰذا تمام عورتیں،لڑکیاں گھروں میں رہیں گی۔کوئی فیکٹریوں میں کام نہیں کریں گی۔جس فیکٹری کے مالک نے اس کی خلاف ورزی کی اس کی فیکٹری میں آگ لگوا دی گئی جس سے ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ہزاروں لڑکیاں اور عورتیں راتوں رات بے روزگار ہو گئیں۔کسی کی مجال نہیں تھی جو ان کے خلاف آواز اُٹھاتا۔پھر عورتوں کا سخت پردہ،مردوں کے کوٹ پتلون پر پابندیاں،داڑھیاں منڈوانا منع،الغرض حکومت کی رٹ کو چیلنج کر کے اپنی طرف سے اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا۔پولیس ملائشیا انتظامیہ سب بے بس ہو گئے۔آدھی فیکٹریاں بند ہو گئیں۔

باہر سے سیاحوں نے ڈر کی وجہ سے سوات کے بجائے دیگر مقامات پر جانا شروع کر دیا۔ہوٹل ویران ہوتے گئے،مقامی انڈسٹری بیٹھ گئی،سوغاتوں کی مانگ ختم ہو گئی۔مقامی لوگ تاجر،صنعت کار سب پریشان ہو گئے۔پھر انہوں نے لڑکیوں کے اسکول اور کالج جانے پر پابندیاں لگا کر اسکولوں اور کالجوں کو بند کروا دیا۔ہماری افواج پاکستان نے اس کے خلاف کاروائی کی۔تمام فیکٹریوں کو بند کر کے مقامی آبادی کو سوات سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔اب مولانا فضل اللہ اور ان کے مجاہدین بے

دردی سے اپنے مخالفین فوج ،ملیشیا ،پولیس پوسٹوں پر حملے کرتے رہے اور جہاں موقع ملتا قتل عام سے بھی باز نہیں آتے۔ مینگورہ شہر میں لاشوں کے انبار لگ گئے، جان بوجھ کر مار کر وہ لاشیں بجلی کے کھمبوں پر لٹکا دیتے تا کہ مقامی لوگ ان کی مخالفت یا مخبری نہ کریں۔ آخر کار ہماری افواج نے ان پر غلبہ پایا، ان کے پاس کہا جاتا ہے کہ بھارت نے ان کو جدید اسلحہ اور ڈالرز دیئے تا کہ وہ ہماری افواج سے لڑ سکیں۔ پھر بعد میں یہ باغی پہاڑوں کی مدد سے افغانستان بھاگ گئے۔ افغان حکومت نے ان کو جب سے پناہ دی ہوئی تھی، یہ سب کچھ طالبان پاکستان کے نام سے ہزار ہا مسلمانوں خصوصاً ملیشیا، پولیس اور فوجیوں کو قتل کر کے اپنی دھاک بٹھائے ہوئے تھے جب امریکہ نے ان کے امیر حکیم اللہ محسود کو ڈرون حملوں میں مار دیا گیا تو ہمارے علماء ڈرون حملوں کی مذمت کے بجائے دہشت گرد یا شہید کی تکرار میں لگ گئے۔ ایک فاضل عالم نے شہداء کی حدیں تک بڑھا کر کتے تک کو شامل کر کے انتہا کر دی۔ دوسری طرف ہماری افواج پاکستان کے کھلے قاتل کو شہید کہنے پر اعتراض ہے۔ حتیٰ کہ جید علمائے کرام بھی مسلمانوں کے قتل میں ملوث افراد کو نہ مجاہد کہہ رہے ہیں اور نہ وہ شہید کہنے کے حق میں ہیں۔ میں حیران ہوں کہ امیر فضل اللہ اور ان کے ساتھیوں کو اتنا جدید اسلحہ اور ڈالر دے کر کون مضبوط کرتا رہا، وہی اسلحہ ہماری افواج کے پاس بھی ہے، وہی ڈالرز ہم کو بھی امداد کی شکل میں مل رہے ہیں۔ ڈرون حملوں کی طرف سے توجہ ہٹا دی گئی اس کی رکاوٹ میں دلائل دینے کے بجائے شہید اور دہشت گرد منوانے میں توانائی صرف کی جارہی ہے۔ عوام مہنگائی کا رونا بھول گئے، گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ سے توجہ ہٹا کر بلدیاتی انتخابات کی طرف رخ موڑ دیا گیا ہے۔ اربوں روپے کی کرپشن کے کیس دبا دیئے گئے، عدلیہ کو غیر ضروری الجھا کر عوام کے روزمرہ کے کیسوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ڈالر کی قیمتوں پر نظر رکھنے کے بجائے نوٹ چھاپنے پر توجہ دی جارہی ہے۔ اللہ جانے یہ حکومت اتنی جلدی بدنام ہو کر ناکامی کا منہ دیکھ رہی ہے مگر یار لوگ سب

اچھا ہے کی تکرار میں اس کو شاباشی دینے میں مصروف ہیں۔ اللہ ہی جانے کون بشر ہے؟ جب تک یہ کالم چھپے گا شاید ہی فیصلہ ہو سکے گا کہ مرنے والا دہشت گرد تھا یا شہید تھا؟ عوام خود اندازہ لگائیں کہ یہ خون ناحق کس کے کھاتے میں جائے گا۔ اب پھر ایک اور مولانا کو کینیڈا سے دوبارہ بلوا کر نیا فتویٰ حاصل کرنے کی تیاری جاری ہے۔